تحریک آزادی

میں

علمائے کرام کا حصہ

مولانا ابوالکلام قاسمی شمسی

تحریک آزادی میں علمائے کرام کا حصہ

مولانا ابوالکلام قاسمی شمسی

تحریک آزادی میں علمائے کرام کا حصہ

مولانا ابوالکلام قاسمی شمسی

Tahreek-e-Azadi Mein Ulama-e-Keram Ka Hissah

By:

Maulana Abul Kalam Qasmi Shamsi

Ex-Principal Madrasa Islamia Shamsul Huda

Patna.800 006

Mob:09835059987

E-mail.abul.kalam.qasmi@gmail.com

Price:250/=

یہ کتاب بہار اردو اکادمی کے مالی تعاون سے شائع ہوئی ہے۔ کتاب میں شائع مشمولات یا کسی قابل اعتراض مواد کے لئے بہار اردو اکادمی ذمہ دار نہیں ہے۔

کتاب کا نام: تحریک آزادی میں علمائے کرام کا حصہ

سال اشاعت: ۲۰۱۳ء

ضخامت: ۲۶۰/صفحات

طباعت: ساگر گرافیکس شمیم احمد ربانی ناز لوج سبزی باغ پٹنہ۔ ۴

قیمت: Rs.250

ملنے کے پتے: (۱) کتاب منزل، سبزی باغ، پٹنہ

(۲) بک امپوریم، سبزی باغ پٹنہ

(۳) جاوید بک سینٹر، بی۔ ایم۔ داس روڈ، پٹنہ

مجاہدین آزادی کے نام

فہرست مضامین

حصہ اول

ہندوستان میں علماء کی تحریک آزادی

عمومی مطالعہ

پیش لفظ

پہلا باب	تحریک آزادی اور علمائے کرام: ایک جائزہ	۱۷
دوسرا باب	انگریزوں کے خلاف باضابطہ تحریک	۲۳
	مولانا شاہ عبدالعزیز دہلوی	
تیسرا باب	۱۸۵۷ء سے پہلے علماء کی تحریک	۳۰
چوتھا باب	تحریک مجاہدین کے قائدین	
	حضرت سید احمد شہیدؒ	۴۲
	شیخ الاسلام مولانا سید عبدالحیؒ	۴۵
	حضرت سید شاہ محمد اسمٰعیل شہیدؒ	۴۶
پانچواں باب	تحریک مجاہدین کے علمائے کرام	
	مولانا امیر الدین مالدھی	۴۸
	مولانا سید نصیر الدین دہلوی	۵۰
	مولانا محمد بشیر فیروزپوری	۵۲

	مولانا غلام جیلانی رفعت	۵۳
	مولانا سلیم حیدر آبادی	۵۳
	مولانا عبدالرزاق حیدر آبادی	۵۴
	مولانا پیر محمد حیدر آبادی	۵۴
	مولانا علاؤ الدین حیدر آبادی	۵۵
چھٹا باب	۱۸۵۷ء کا غدر اور علمائے کرام	۵۷
ساتواں باب	غدر کے چند مشاہیر علمائے کرام	
	مولانا محمد جعفر تھانیسری	۷۶
	مولانا فضل حق خیر آبادی	۷۷
	مولانا امام بخش صہبائی	۷۸
	مولانا احمد اللہ شاہ مدراسی	۸۰
	مولانا کفایت علی کافی شہید	۸۲
	مولانا مفتی عنایت احمد کاکوری	۸۳
	مفتی صدر الدین خاں آزردہ دہلوی	۸۴
	مولانا قاسم نانوتوی	۸۶
	مولانا مظہر نانوتوی	۸۸
	مولانا رحمت اللہ کیرانوی	۸۹
	حاجی امداد اللہ مہاجر مکی	۹۱
	مولانا رشید احمد گنگوہی	۹۳

مولانا وہاج الدین مراد آبادی ۹۵
مولانا منیر نانوتوی ۹۶
آٹھواں باب ۱۸۵۷ء کے بعد علماء کی تحریکیں
تحریک مجاہدین (۱۸۵۷ء کے بعد) ۹۸
دارالعلوم دیوبند ۱۰۰
ریشمی رومال تحریک ۱۰۷
ثمرۃ التربیت ۱۱۱
جمعیۃ الانصار ۱۱۳
تحریک قیام مدارس ۱۱۶
جنود اللہ کی تشکیل ۱۱۸
خلافت کمیٹی ۱۱۸
جمعیۃ علماء ہند ۱۲۲
نواں باب علمائے کرام۔مجاہدین آزادی
غدر ۱۸۵۷ء کے بعد سے ۱۹۴۷ء تک
مولانا عزیز گل پشاوری ۱۲۶
شیخ الہند مولانا محمود حسنؒ ۱۲۶
مولانا سید محمد فاخر میاں بجنوری ۱۳۰
مولانا محمد میاں عرف مولانا منصور انصاری ۱۳۰
مولانا عبیداللہ سندھی ۱۳۲

مولانا احمد اللہ پانی پتی ۱۳۳
مولانا شبیر احمد عثمانی دیوبندی ۱۳۴
مولانا مرتضی حسن چاند پوری ۱۳۴
حضرت مفتی کفایت اللہ دہلوی ۱۳۵
مولانا صادق کراچوی ۱۳۶
مولانا سید حسین احمد مدنی ۱۳۸
مولانا احمد سعید دہلوی ۱۴۱
مجاہد ملت مولانا حفظ الرحمان سیوہاروی ۱۴۲
مولانا عبدالحلیم صدیقی ۱۴۳
مولانا خلیل احمد امیٹھوی ۱۴۴
مولانا عبدالباری فرنگی محلی ۱۴۵
مولانا ابوالکلام آزاد ۱۴۶
مولانا آزاد سبحانی ۱۴۸
مولانا ظہور محمد خاں سہارنپوری ۱۴۸
مولانا ابوالحسن تاج ۱۴۹
مولانا محمد مبین دیوبندی ۱۴۹
مولانا شاہ عبدالرحیم رائپوری ۱۴۹
مولانا احمد اللہ چکوالی ۱۵۰

مولانا سلامت اللہ فرنگی محلی لکھنوی ۱۵۰
مولانا غلام محمد بھاولپوری ۱۵۱
مولانا عبدالرحیم پوپلزئی ۱۵۱
مولانا محمد اکبر یاغستانی ۱۵۲
مولانا عبدالجلیل شہید ۱۵۳
مولانا فیض احمد بدایونی ۱۵۴
مولانا فضل ربی پشاوری ۱۵۵
مولانا ابوالوفا ثناء اللہ امرت سری ۱۵۵
مولانا ابوالسراج غلام محمد بھاول پوری ۱۵۶

حصہ دوم
بہار میں علماء کی تحریک آزادی
خصوصی مطالعہ

دسواں باب بہار پر انگریزوں کا تسلط ۱۵۸
گیارہواں باب ۱۸۵۷ء سے پہلے بہار میں علماء کی تحریک ۱۶۸
بارہواں باب ۱۸۵۷ء کا غدر اور بہار کے علمائے کرام ۱۷۸
تیرہواں باب بہار میں تحریک مجاہدین کے علمائے کرام
مولانا ولایت علی صادق پوری ۱۸۵
مولانا عنایت علی صادق پوری ۱۸۷
مولانا فرحت حسین صادق پوری ۱۸۹
مولانا احمد اللہ صادق پوری ۱۹۱

مولانا عبداللہ صادق پوری ۱۹۳
مولانا فیاض علی صادق پوری ۱۹۶
مولانا یحییٰ علی صادق پوری ۱۹۷
مولانا عبدالرحیم صادق پوری ۱۹۷
چودھواں باب ۱۸۵۷ء کے بعد بہار میں علماء کی تحریکیں
تحریک مجاہدین بہار میں (۱۸۵۷ء کے بعد) ۱۹۹
امارت شرعیہ بہار واڑیسہ ۲۰۱
انجمن علمائے بہار ۲۰۳
خلافت کمیٹی بہار ۲۰۵
جمعیۃ علماء ہند بہار ۲۰۶
قیام مدارس ۲۰۹
مسلم انڈیپنڈنٹ پارٹی ۲۱۳
پندرہواں باب بہار کے علمائے کرام۔۔۔۔مجاہدین آزادی
غدر ۱۸۵۷ء سے ۱۹۴۷ء تک
مولانا سید محمد نذیر حسین عرف میاں صاحب ۲۱۵
مولانا عبدالعزیز رحیم آبادی ۲۱۶
مولانا سید شاہ بدرالدین قادری پھلرویؒ ۲۱۶
مولانا ابراہیم دربھنگوی ۲۱۸
مولانا سید محمد اسحٰق مونگیری ۲۱۹
مولانا خدا بخش مظفر پوری ۲۱۹
مولانا ابوالمحاسن محمد سجاد ۲۲۰

مولانا سید سلیمان ندوی	۲۲۱
مولانا عبدالحکیم گیاوی	۲۲۳
مولانا حکیم عبدالرحمٰن وفا عظیم آبادی ثم ڈمرانوی	۲۲۳
مولانا سید شاہ محی الدین قادری پھلواروی	۲۲۴
مولانا ابولبرکات عبدالرؤف داناپوری	۲۲۵
مولانا عبدالوہاب دربھنگوی	۲۲۵
مولانا شائق احمد عثمانی بھاگلپوری	۲۲۶
مولانا محمد سہول عثمانی بھاگلپوری	۲۲۶
مولانا عبدالودود محی الدین نگری سمستی پوری	۲۲۷
مولانا سید عطاء اللہ شاہ بخاری	۲۲۸
مولانا سید نثار احمد انوری دربھنگوی	۲۲۹
مولانا عتیق الرحمان آروی	۲۳۰
مولانا عبدالباری جھمکاری	۲۳۲
مولانا محمد رحمت اللہ چتراوی	۲۳۲
مولانا عثمان غنی دیوری	۲۳۴
مولانا سید محمد قریش باروی	۲۳۴
مولانا عزیز الرحمٰن دربھنگوی	۲۳۵
مولانا حکیم یوسف حسن خان سوری	۲۳۶
مولانا اصغر حسین بہاری	۲۳۷
مولانا عبدالعلیم آسی دربھنگوی	۲۳۸
مولانا محمد ابراہیم تاباں پورینوی	۲۳۹

مولانا حافظ عبدالرشید سمستی پوری	۲۳۹
مولانا عبدالرحیم دوگھروی دربھنگوی	۲۴۰
مولانا عبدالرشید حسرت بیلہیاوی	۲۴۱
مولانا لطف الرحمان ہرسنگھ پوری	۲۴۲
مولانا سید نور اللہ رحمانی	۲۴۳
مولانا محمود عالم سمستی پوری	۲۴۴
مولانا محمد قاسم سوپولوی	۲۴۴
مولانا سید منت اللہ رحمانی	۲۴۵
مولانا محمد سلیمان آواپوری	۲۴۶
مولانا سید عبدالرب نشتر کھگڑیاوی	۲۴۷
مولانا سید شاہ عون احمد قادری پھلواروی	۲۴۸
مولانا مفتی ظفیر الدین دربھنگوی	۲۴۹
مولانا حبیب اللہ گیاوی	۲۴۹
مولانا محمد عبدالحمید بھاگلپوری	۲۵۰
مولانا نورالدین بہاری	۲۵۰

حصہ سوم

حاصل مطالعہ	۲۵۲
کتابیات	۲۵۸

پیش لفظ

تحریک آزادی میں علمائے کرام کی جد وجہد وقربانی کو خاص اہمیت حاصل ہے۔ ان کی تحریک اس وقت شروع ہوئی، جب ہندوستان کی آزادی کے لئے ملک میں کوئی دوسری تحریک شروع نہیں ہوئی تھی۔ ملک کی آزادی کے لئے انہوں نے ہر طرح کی قربانیاں دیں۔ قید وبند کی تکلیفیں برداشت کیں، پھانسیاں دی گئیں، کالا پانی بھیجے گئے۔ اس تحریک میں خود حصہ لیا۔ برادران وطن کو دعوت دی۔ اور ان کے ساتھ مل کر ملک کو آزاد کرانے میں پیش پیش رہے۔ آخر ہمارا ملک آزاد ہوگیا۔ اور ہم آزاد ملک میں زندگی گذار رہے ہیں۔

دیگر مجاہدین آزادی کی طرح علمائے کرام کی بھی تعداد کثیر ہے۔ ان میں سے بہت کے نام محفوظ ہیں اور بہت کے نام تک معلوم نہیں۔ افسوس کی بات ہے کہ جب کبھی مجاہدین آزادی کی بات آتی ہے، تو صرف چند نام ہماری زبان پر ہوتے ہیں۔ ان کے علاوہ دیگر مجاہدین آزادی کے نام اور کارناموں کو معلوم کرنے کی ہمیں توفیق نہیں ہوتی ہے۔ ہمیں ان کا نام یاد نہیں، نئی نسل کی بات تو دور کی ہے۔

آپ یقین جانئے، وہ قوم زندہ رہتی ہے، جو اپنے بزرگوں کے کارناموں کو یاد رکھتی ہے، اور وہ قوم مرجاتی ہے، جو اپنے بزرگوں کے کارناموں کو بھول جاتی ہے۔ ہمارا فریضہ ہے کہ دیگر مجاہدین آزادی کے ساتھ ساتھ ان مجاہدین آزادی کو بھی یاد رکھیں، جنہیں اب لوگ بھلاتے جارہے ہیں، وہ مجاہدین آزادی علمائے کرام ہیں۔ اسی مقصد کے تحت یہ کتاب ترتیب دی گئی ہے۔ اس کتاب میں تمام علمائے کرام کا احاطہ نہیں کیا گیا ہے۔ ان کی تعداد بہت ہے۔ یہ تو ایک جھلک ہے۔

آج فرقہ وارانہ فسادات کا زہر پھیلا کر قومی یکجہتی کی فضاء کو مسموم کرنے کی منظم سازش کی

جارہی ہے۔ اور کچھ تنگ نظر اور مفاد پرست لوگ ایک سوچی سمجھی سازش کے تحت طرح طرح کی غلط فہمیاں پھیلا رہے ہیں۔ مدارس کو دہشت گردی کے ساتھ جوڑنے کی سازش ہو رہی ہے۔ جبکہ ان مدارس کا تحریک آزادی میں اہم رول ہے۔ ان میں اخلاق ومحبت کی تعلیم دی جاتی ہے۔ ایسے وقت میں ایسی کتابوں کی اہمیت زیادہ بڑھ جاتی ہے۔

اس کتاب کی ترتیب میں ندیم اختر، مولانا محمد رضوان قاسمی اور محمد شہباز نے پورا تعاون کیا۔ اس کو کمپوز کر کے اس کی تصحیح کی۔ میں ان کے لئے دعاگو ہوں۔

کتاب کا مسودہ کئی سال پہلے کمپوز ہو چکا تھا، طباعت وقت پر نہیں ہوسکی۔ یہاں تک کہ اس درمیان میں کئی دوسری کتابیں اس موضوع پر طبع ہوگئیں۔ ان کے تناظر میں پھر سے مسودہ پر نظر ثانی کی ضرورت محسوس ہوئی۔ مسودہ پر نظر ثانی کے بعد یہ بات سامنے آئی کہ کتاب کا موضوع انگریزوں کے خلاف جنگ آزادی ہے۔ اس اعتبار سے کتاب اپنے موضوع پر محیط ہے۔

مجاہدین آزادی کے کارناموں سے نئی نسل کو باخبر رکھنے کے لئے ضرورت ہے کہ اسکول اور مدارس کے نصاب میں اس موضوع کو شامل کیا جائے، تاکہ نئی نسل اپنے اسلاف کے کارناموں اور ان کی قربانیوں سے واقف ہوسکے۔ اور ان میں جرأت وہمت پیدا ہو۔

میں ان تمام حضرات کا ممنون ہوں، جن کی کتابوں اور تحریروں سے میں نے استفادہ کیا۔ اور علمائے کرام کے کارناموں کو میں منظر عام پر لا سکا۔ خاص طور پر گورنمنٹ اردو لائبریری پٹنہ اور خدابخش اورینٹل پبلک لائبریری پٹنہ کا ممنون ہوں کہ ان کے علمی ذخیرے سے استفادہ کیا۔

کتاب آپ کے ہاتھوں میں ہے۔ علمائے کرام کی قربانیوں کو یاد کر کے ان کی خدمات کا اعتراف کریں۔ اور نئی نسل کو پڑھنے کی تلقین کریں۔

میری دعاء ہے کہ اللہ میری اس خدمت کو قبول کرے۔

ابوالکلام قاسمی شمسی
سابق پرنسپل مدرسہ اسلامیہ شمس الہدیٰ، پٹنہ
نیو عظیم آباد کالونی، سیکٹر ڈی، پٹنہ۔۶

۱۵؍ اگست ۲۰۱۳ء

حصہ اول

ہندوستان میں علماء کی تحریک آزادی

عمومی مطالعہ

پہلا باب

تحریک آزادی اور علمائے کرام

ایک جائزہ

آزادی ہر قوم کا پیدائشی حق ہے اور یہ انسانی فطرت کا خاصہ بھی ہے۔ اس حق اور فطرت کا تقاضہ ہر ملک کے انسانوں میں ہے۔ اسی تقاضہ کا نتیجہ تھا کہ ہندوستان کی تحریک آزادی میں ہر طبقہ کے لوگوں نے حصہ لیا۔ لیکن ہندوستان کے علماء تاریخ عالم کے خلاف جذبہ آزادی سے خاص طور پر سرشار تھے۔ دنیا کی تاریخ میں عام طور پر مذہبی لوگوں نے ہر آنے والے انقلاب اور آزادی کا راستہ روکا ہے، مگر ہندوستان کا حال مختلف ہے۔ یہاں کے علماء نے انقلاب اور آزادی کے لئے ہراول دستہ کے طور پر کام کیا ہے۔ مفتی انتظام اللہ شہابی تحریر کرتے ہیں:

> ''ہندوستان کی سیاسی تاریخ میں علماء کا جس طرح شاندار کارنامہ اور جذبہ وطنیت کا مظاہرہ ہے، اس کی مثال کسی دوسری جگہ نظر نہیں آتی۔ ایسٹ انڈیا کمپنی کے اقتدار، تغلب اور استیلا کے خلاف سب سے پہلے علماء ہی کی آواز مخالف اٹھی۔''(۱)

علمائے کرام میں جذبہ آزادی کی وجہ بیان کرتے ہوئے شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنیؒ تحریر کرتے ہیں:

> ''انگریزوں کے سفاکانہ مظالم نے عام مسلمان بالخصوص علمی طبقہ میں آزادی کی عام تڑپ پیدا کی۔''(۲)

۱۸۰۳ء میں ملکی غلامی کے پروانے پر شاہ عالم کے دستخط کے بعد ہندوستان کی آزادی کا خاتمہ ہو رہا تھا۔ ایسٹ انڈیا کمپنی کے اقتدار اور غلبہ کے خلاف کسی میں کچھ بولنے کی ہمت نہیں تھی۔ اسی وقت

---

(۱) غدر کے چند علماء ص:۳۵، امام بخش صہبائی کی ادبی خدمات۔ ص:۸۲ (۲) نقش حیات جلد ا۔ ص:۷

ایک عالم اٹھا اور اس نے انگریز کے خلاف پہلا نعرہ بلند کیا، اور اس کے خلاف جہاد کا فتوی صادر کیا، وہ شخصیت تھی حضرت شاہ عبدالعزیز دہلویؒ کی، جو حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی کے فرزندار جمند تھے۔ ساتھ ہی شاہ عبدالعزیزؒ کے داماد حضرت مولانا سید عبدالحیؒ نے حکم دیا کہ دہلی سے کلکتہ تک انگریز کے خلاف جنگ کرنا خدائی فیصلہ ہے۔ یہی وہ اعلان جہاد اور فتوی تھا جس کے مطابق ہندوستان کے علمائے کرام ہندوستان کی آزادی کے لئے آگے بڑھے۔ اور اس اعلان نے تو علماء کی ایک جماعت کو میدان جنگ میں کھڑا کر دیا، جس کی تفصیل آئندہ صفحات میں مذکور ہے۔

ڈاکٹر ہنٹر نے لکھا ہے:

''علماء میں سے جو لوگ زیادہ زیرک (عقلمند) تھے۔ انہوں نے ہندوستانی مسلمانوں کی حیثیت میں آنے والے تغیر کو بہت پہلے بھانپ لیا تھا۔ یہ تغیر اب ایک حقیقت بن چکا ہے۔ وقتاً فوقتاً شائع ہونے والے فتوؤں سے یہ بات ظاہر ہو جاتی ہے۔'' (۳)

ڈاکٹر اقبال حسین خاں تحریر کرتے ہیں:

''پوری جنگ آزادی میں مسلم علماء نے بہت اہم کردار ادا کیا۔ اس لئے انگریز ایک طرف ان سے خائف بھی رہتے تھے، دوسری طرف در پردہ انہیں زک پہنچانے کے لئے کوشش کرتے رہتے۔ انگریزوں نے بڑی کوشش کی کہ علماء کی توجہ اپنی طرف سے ہٹا کر ان کو داخلی مسائل میں الجھا دیں۔ اس سلسلہ میں انہوں نے کثرت سے مذہبی اختلافات پیدا کرا دیئے، جو بیشتر بے بنیاد یا انتہائی سطحی بنیادوں والے تھے۔ علماء کے لئے روز افزوں داخلی انتشار سد راہ ضرور بنا۔ لیکن اصل مرکز انگریز ہی رہے۔'' (۴)

مزید تحریر کرتے ہیں۔

''علماء نے اپنے وقار و منزلت سے فائدہ اٹھاتے ہوئے قوم کو غیر ملکی اقتدار کے خلاف اٹھ کھڑے

(۳) ہمارے ہندوستانی مسلمان۔ ص:۱۹۹ (۴) شیخ الہند مولانا محمود حسن حیات اور علمی کارنامے۔ ص:۸۸

ہونے کے لئے آمادہ کیا۔ اس مقصد سے انہوں نے ہندوستان کو دارالحرب قرار دیا۔ (۵)

مسٹر ہمفرے نے جو برطانوی جاسوس تھا، لکھا ہے:

''مسلمان علماء بھی ہماری تشویش کا باعث تھے۔ یہ لوگ اس قدر متعصب تھے کہ اپنے موقف سے ایک انچ پیچھے ہٹنے کو تیار نہیں تھے۔ بادشاہ اور امراء تمام افراد ان کے آگے جھوٹے تھے۔'' (۶)

ہنری ہملٹن تھامس (Henry Hemilton Thomes) نے ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھا ہے:

''میں نے پہلے بیان کیا ہے کہ غدر ۱۸۵۷ء کے بانی اور اصل محرک ہندو نہ تھے۔ اور اب میں یہ دکھانے کی کوشش کرونگا کہ یہ غدر مسلمانوں کی سازش کا نتیجہ تھا۔ ہندو اگر اپنی مرضی اور خواہشات تک محدود ہوں تو وہ کسی ایسی سازش میں شرکت نہیں کر سکتے تھے، نہ کرنا چاہتے تھے۔'' (۷)

پنجاب میں سکھ انگریزوں سے معاہدے کر رہے تھے۔ اس سے آزادی کی تحریک کے لئے خطرات تھے۔ اس لئے علماء نے سرحد بالاکوٹ میں پہلے سکھوں اور پھر انگریزوں کے خلاف لڑائی کی۔ اس جنگ کے رہنما حضرت سید احمد شہیدؒ اور مولانا اسمٰعیل شہیدؒ تھے۔ حضرت سید احمد شہیدؒ نے شروع میں نواب امیر خان والی ٹونک کو مدد پہنچائی۔ لیکن جب نواب صاحب نے انگریزوں سے صلح کا فیصلہ کیا، تو حضرت سید احمد شہیدؒ نے ان کے سامنے ان الفاظ میں اپنی برہمی کا اعلان کیا:

''نصاریٰ (انگریزوں) سے نہ ملیں بلکہ لڑیں۔ خدائے تعالیٰ آپ کے ساتھ ہے۔'' (۸)

پھر جب وہ نہ مانے تو فرمایا:

''اگر آپ نصاریٰ (انگریزوں) سے ملنے جاتے ہیں تو میں آپ سے رخصت ہوتا ہوں۔'' (۹)

(۵) ہمفرے کے اعتراضات۔ ص:۱۲ تحریک آزادی میں علماء کا کردار۔ ص:۵۲ (۶) مسلمان ایک تاریخی جائزہ۔ ص:۱۴۸۔۱۴۷
(۷) وقائع احمدی۔ ص:۸۲ تحریک آزادی میں علماء کا کردار۔ ص:۳۲۰ (۸/۹) وقائع احمدی۔ ص:۸۲ تحریک آزادی میں علماء کا کردار۔ ص:۳۲۰

اپنی تحریک کومضبوط کرنے کے لئے علمائے کرام نے ہراس شخص کودعوت دی، جوانگریزوں کے خلاف لڑنے کے لئے تیارتھا۔ چنانچہ انہوں نے سرحد کی انقلابی تحریک میں مہاراجہ گوالیارکوبھی شرکت کی دعوت دی۔

۱۸۲۰ء میں حضرت سید احمد شہیدؒ اور مولانا اسمٰعیل شہیدؒ کی قیادت میں آزاد حکومت بھی قائم ہوئی۔ مگرانگریزوں کی سازش اوراپنوں کی بے وفائی سے یہ حکومت ناکام ہوگئی۔ بالآخر ۱۸۳۱ء میں دونوں مجاہد بالاکوٹ میں شہید کردیئے گئے۔ مگر یہ تحریک ''تحریک مجاہدین'' کے نام سے جاری رہی۔

حضرت سید احمد شہیدؒ اور مولانا اسمٰعیل دہلوی کی شہادت کے بعد تحریک مجاہدین کی قیادت علمائے صادقپور کے حصہ میں آئی۔ علمائے صادقپور نے اس تحریک کو آگے بڑھایا۔ اس تحریک کے قائد مولانا ولایت علیؒ نے سرحدی علاقوں کے مرکز کی کمان اپنے ہاتھ میں لیا۔ مولانا ولایت علیؒ اور مولانا عنایت علیؒ دونوں حضرات سرحد پار انگریزوں سے لڑائی کرتے ہوئے گرفتار کر لئے گئے۔ اورانہیں پٹنہ بھیج دیا گیا۔ مولانا عنایت علی نے ۱۸۵۴ء میں انگریزوں کے حلیف نواب امب پرحملہ کیا۔ اوران کی سرسڈنی کاٹن کی فوج سے ٹکرہوئی۔ آخرانگریزی فوج کے محاصرہ میں بھوک پیاس اور بیماری سے جان دیدی۔ اس تحریک میں علمائے صادقپور (عظیم آباد) نے نہایت اہم رول ادا کیا۔ مولانا عبداللہ صادقپوریؒ نے ۱۲۰۰ مجاہدین کی فوج تیار کی اور انگریزوں سے مقابلہ کیا۔ جس کے نتیجہ میں مولانا یحیی علیؒ اور مولانا احمد اللہؒ پر انبالہ اور پٹنہ میں مقدمہ سازش چلایا گیا۔ ان حضرات کی خانہ تلاشی ہوئی۔ ۱۸۵۷ء کی ۱۸رجون کو مولانا احمد اللہ صادقپوریؒ، مولانا شاہ محمد حسین صادقپوریؒ اور مولانا واعظ الحقؒ ساکن بخشی محلہ نظر بند کردیئے گئے۔ انہیں ویلیم ٹیلر کمشنر پٹنہ نے تین مہینہ نظر بند رکھا۔ ان واقعات کے بعد ۱۸۵۷ء کا غدر ہوا۔

۱۸۶۳ء میں پھرمجاہدین کا انگریزوں سے مقابلہ ہوا۔ جس کے نتیجہ میں صادقپور کے علماء میں سے مولانا احمد اللہ کے چھوٹے بھائی مولانا یحیی علی اور مولانا عبد الرحیم صادقپوریؒ گرفتار کر لئے گئے۔ اسی موقع پر مولانا جعفر تھانیسریؒ کوبھی گرفتار کرلیا گیا۔ اور یہ سبھی حضرات انبالہ بھیج دیئے گئے۔ اورانہیں مقدمہ کے بعد کالا پانی میں عمر قید کی سزا ملی۔ پھر ۱۸۸۵ء میں مولانا احمد اللہ پر بغاوت کا مقدمہ قائم کیا گیا۔ اورانہیں بھی عمر قید کی سزا ملی۔ ان کی ساری جائدادیں ضبط کر لی گئیں۔ مولانا

احمد اللہؒ نے ۱۸۸۲ء میں اور مولانا یحیی علیؒ نے ۱۸۸۶ء میں جزیرہ انڈمان میں وفات پائی۔ اسی سلسلہ میں مولانا محمد حسن کوبھی ۱۸۶۸ء میں گرفتار کیا گیا۔ اوران پر اتنا ظلم ڈھایا گیا کہ وہ شہید ہوگئے۔

۱۸۵۷ء میں شاملی کے میدان میں علمائے کرام نے انگریزوں کے خلاف جنگ شروع کی۔ جس کی امامت حضرت حاجی امداد اللہؒ اور قیادت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ، مولانا رشید احمد گنگوہیؒ، مولانا منیر اور حافظ ضامن شہید کررہے تھے۔ ان قائدین کے پیچھے مسلمانوں کی ایک بڑی فوج تھی۔ اس فوج کا ایک دستہ مولانا رشید احمد گنگوہیؒ کی قیادت میں ہتھیار اور بندوق سے لیس ہوکر باغ میں چھپ گیا۔ جب انگریزی فوج وہاں سے گذری، تواس دستہ نے فائر شروع کردیا۔ جس سے انگریزی فوج توپخانہ چھوڑ کر بھاگ کھڑی ہوئی۔ اس کے بعد مجاہدین نے شاملی کے فوجی کیمپ پر حملہ کردیا۔ وہاں فوج نے ہتھیار ڈال دیئے۔ یہ جنگ جاری ہی تھی کہ دہلی پر انگریزوں کا قبضہ ہوگیا۔ اس جنگ میں حافظ ضامن شہید ہوگئے۔ حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ مظفر نگر جیل میں ڈال دیئے گئے۔ مولانا محمد قاسم نانوتویؒ تہ خانہ میں چھپ گئے۔ انگریز فوج ان کی تلاش کرتی رہی۔ حضرت حاجی امداد اللہؒ ہجرت کر کے مکہ معظّمہ چلے گئے۔ شاملی کے محاذ کے پس منظر میں حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ نے ۱۸۵۷ء کے دس سال بعد ۱۸۶۶ء میں دارلعلوم دیوبند کی بنیاد رکھی۔ اور انقلابیوں کی ایک جماعت پیدا ہونے لگی۔ اس انقلابی مرکز کی قیادت حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسنؒ کے ہاتھوں میں تھی۔ چنانچہ حضرت شیخ الہندؒ نے آزادی کے لئے ایک خفیہ محاذ ۱۹۰۵ء میں قائم کیا۔ اور پھر اندرونی اور بیرونی دونوں ہی طریقوں پر ملک کی آزادی کے لئے جدوجہد شروع کی۔ بیرونی ملک کا کمان مولانا عبید اللہ سندھیؒ کے حوالہ کیا گیا۔ مولانا سندھی نے اس سلسلہ میں قابل قدر خدمات انجام دیئے۔ اور بہت حد تک آزادی کے لئے راستہ ہموار کرلیا۔ انہوں نے کابل پہنچ کر ۱۹۱۹ء میں کانگریس کمیٹی کی بنیاد بھی رکھی، جس کے الحاق کی منظوری آل انڈیا کانگریس نے اپنے سیشن میں دیدی۔ اس طرح ۱۹۰۵ء سے ۱۹۱۵ء تک حضرت شیخ الہندؒ کی قیادت میں ریشمی خطوط کی سازش چلتی رہی۔ اس تحریک کے دوسرے قائد مولانا منصور انصاریؒ تھے۔ مولانا سندھیؒ اور مولانا منصور انصاریؒ اس سازش کے سلسلہ میں تیس سال افغانستان، روس، ترکی، آذر بائیجان اور یاغستان کے پہاڑوں میں دربدر پھرتے رہے۔ یہاں تک کہ جنوری ۱۹۴۶ء میں بحالت جلاوطنی مولانا منصور انصاریؒ کا کابل میں انتقال بھی ہوگیا۔ اسی ریشمی خطوط سازش کے نتیجہ میں حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسنؒ حجاز میں اپنے ساتھیوں کے ساتھ گرفتار کر لئے گئے۔ گرفتار ہونے والوں میں شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنیؒ، حکیم نصرت حسین، سید ہاشم اور مولانا عزیز گل سرحدی بھی شامل تھے۔ یہ مجاہدین تین سال دو ماہ تک مالٹا میں انگریز حکومت کے قید کی سختیاں برداشت کرنے کے بعد رہا ہوکر وطن واپس ہوئے۔ شیخ الہند کی گرفتاری کے بعد علمائے کرام نے ہندوستان کی آزادی کے لئے اپنی تحریک کو اور تیز کیا اور باضابطہ تنظیم قائم کی، اس طرح ۱۹۱۹ء میں جمعیۃ علماء ہند کا قیام عمل میں آیا۔ اور ملک کی آزادی کے لئے مسلسل کوشش شروع ہوگئی۔ ملک کی آزادی کے سلسلہ میں جمعیۃ علماء ہند نے جو کام کیا، وہ ہندوستان کی تاریخ کا اہم باب ہے۔ جمعیۃ علماء ہند نے تحریک مجاہدین اور ریشمی رومال تحریک کے تجربہ کی

بنیاد پر اس کو محسوس کیا کہ تنہا ملک کی آزادی حاصل کرنا آسان نہیں ہے۔ چنانچہ جمعیۃ علماء ہند نے ۱۹۲۰ء میں ہندو اور مسلمان دونوں کے باہمی اتحاد سے جنگ آزادی میں حصہ لینے کا فیصلہ کیا۔ اور اس فتوی پر علماء نے دستخط کئے۔ اس فتوی کے نتیجہ میں تقریباً پچاس ہزار مسلمان یا تو جیل گئے یا وطن سے بے وطن کر دیئے گئے۔ ۱۹۲۰ء سے ۱۹۳۰ء تک جمعیۃ علماء ہند کی قیادت حضرت مولانا ابوالکلام آزاد، حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ اور حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ دہلوی نے فرمائی۔ ۱۹۳۰ء کے بعد جمعیۃ علماء ہند میں قابل ذکر علماء کی ایک بڑی تعداد شامل ہے۔ جن میں مجاہد ملت مولانا حفظ الرحمن، مولانا احمد سعید، مولانا سید محمد میاں، مولانا عطاء اللہ شاہ بخاری، مولانا شاہد فاخری، مولانا عبدالحلیم صدیقی، مولانا ابوالمحاسن محمد سجاد، مولانا ابوالوفاء شاہجہاں پوری، مولانا قاسم شاہجہاں پوری اور مولانا نورالدین بہاری کے نام شامل ہیں۔ پھر ۱۹۴۲ء میں مولانا آزاد کی صدارت میں ہندوستان چھوڑو تحریک شروع ہوئی، تو جمعیۃ علماء ہند اور کانگریس نے اس میں بھرپور حصہ لیا۔ آخر ۱۵/اگست ۱۹۴۷ء کو حضرت مولانا قاسم نانوتویؒ کی پیشین گوئی جو ۱۸۵۷ء میں محاذ شاملی کے بعد کی تھی، وہ پیشین گوئی سچ ہو کر سامنے آئی "ہمارے جسم غلام سہی، مگر ہماری روح کو آزاد رہنا چاہئے۔ اس طرح ہم اگلے ۵۷ء سے پہلے غیر ملکی غلامی کا خاتمہ کر دیں گے"

دوسرا باب

انگریزوں کے خلاف باضابطہ تحریک

حضرت مولانا شاہ عبدالعزیز دہلویؒ

حضرت مولانا شاہ عبدالعزیز دہلویؒ، حضرت مولانا شاہ ولی اللہ دہلویؒ کے دوسرے صاحبزادے اور مشہور محدث، مفسر اور فقیہ تھے۔ آپ کی ولادت ۲۵/رمضان المبارک ۱۱۵۹ھ مطابق ۱۳/اکتوبر ۱۷۴۶ء کو دہلی میں ہوئی۔ اپنے والد محترم سے تعلیم حاصل کی۔ والد محترم کی وفات کے بعد خواجہ محمد امین، شاہ محمد عاشق اور شیخ نوراللہ بڈھانوی سے تعلیم کی تکمیل کی۔ تعلیم سے فراغت کے بعد والد کے مسند درس کو سنبھالا۔ ہندوستان میں اسلامی اقدار کی بحالی، قرآن مجید کی ترجمانی، حدیث کی نشر و اشاعت اور مردان کار کی تربیت آپ کے عظیم کارنامے ہیں۔ تفسیر فتح العزیز، بستان المحدثین، تحفہ اثناء عشر، عجالہ نافعہ وغیرہ آپ کی اہم تصنیفات ہیں۔

حضرت شاہ عبدالعزیز نے انگریزوں کے خلاف باضابطہ تحریک چلائی۔ اور اس کے لئے انہوں نے اسی خاکے کو اپنایا جس کو ان کے والد محترم شاہ ولی اللہ دہلویؒ نے بنایا تھا۔ حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی کے زمانے میں دہلی پر انگریزوں کا غلبہ نہیں ہوا تھا، اور حالات اتنے سنگین نہیں ہوئے تھے کہ شاہ ولی اللہؒ انگریزوں کے خلاف عملی جدوجہد کا آغاز کرتے۔ لیکن انہوں نے انگریزوں کے خطرہ کو پوری طرح محسوس کر لیا تھا۔ اس لئے انہوں نے ہر باطل نظام کو توڑنے پر زور دیا، اور **فک کل نظام** کا اصول پیش کیا۔ اور اس کیلئے انہوں نے مراکز قائم کئے، اور افراد متعین کئے۔ جن کو ان کے بعد حضرت شاہ عبدالعزیز دہلویؒ نے انگریزوں سے مقابلہ کے لئے استعمال کیا۔

اس طرح حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ کی تحریک ہندوستان کی تحریک آزادی کے لئے سنگ میل کی حیثیت رکھتی ہے۔اسی سے عام بیداری پیدا ہوئی اور تحریک کیلئے زمین ہموار ہوئی۔

حضرت شاہ عبدالعزیز دہلویؒ کی وفات ۷ار شوال ۱۲۳۹ھ مطابق ۱۸ر مئی ۱۸۲۴ء کو ہوئی۔اور اپنے والد کے قریب مدفون ہوئے۔

سیاسی حالات:

اٹھارہویں صدی عیسوی کے اختتام تک مسلمانوں کی تمام قابل ذکر طاقتیں ختم ہو چکی تھیں۔جو ختم نہیں ہوئی تھی وہ انگریزی اقتدار کے سامنے بے بس تھی، اور سر جھکا چکی تھی۔۱۸۰۰ء کے آخر میں لارڈ لیک انگریزی فوجوں کو لیکر دہلی کی طرف بڑھا۔سیندھیا کی فوجیں شاہی اقتدار کی محافظ تھیں، اس نے انگریزوں کا جم کر مقابلہ کیا۔ مگر انگریزوں کی فوجی طاقت مرہٹوں کی طاقت سے بہت زیادہ تھی۔مجبوراً انہیں شکست کا سامنا کرنا پڑا۔اور انگریز فوج دہلی میں داخل ہوگئی۔لارڈ لیک نے دہلی پر تسلط کر کے شاہ عالم سے ایک نیا معاہدہ کیا۔

۱۷۵۷ء میں پلاسی کی لڑائی کے ذریعہ سراج الدولہ کو گدی سے اتارا گیا۔۱۷۶۴ء میں بکسر کی لڑائی میں شجاع الدولہ (اودھ) اور شاہ عالم کو شکست ہو چکی تھی۔اور بے اختیار مغل بادشاہ نے ایک فرمان کے ذریعہ کمپنی کو بہار، بنگال اور اڑیسہ کے دیوانی حقوق عطا کر دیئے۔تو فوراً ہی دہلی پر قبضہ کر لینا کوئی مشکل کام نہیں تھا۔کیونکہ انگریزوں کی فوجی طاقت اتنی زیادہ ہو چکی تھی کہ وہ آسانی سے اپنے مقصد میں کامیاب ہو سکتے تھے۔مگر انگریزوں کی پالیسی یہ تھی کہ عوام کو بددل نہ کیا جائے اور مرنے والوں کو اپنی موت مرنے دیا جائے۔ان کے تجارتی مقاصد کا تقاضہ بھی یہی تھا کہ ملک گیری کے لئے وہ راستہ اختیار نہ کیا جائے، جس سے عوام میں بددلی پیدا ہو۔جب ۱۸۰۳ء میں دہلی پر باضابطہ قبضہ کیا، تو یہاں بھی اس نے اسی پالیسی سے کام لیا۔بادشاہ کو معزول اور شاہی تخت و تاج چھیننے کے بجائے بادشاہت کا وہ نمونہ پیش کرنے کی کوشش کی گئی، جو انگلستان کی آزاد پارلیامنٹ نے خود اپنے بادشاہ کیلئے کیا تھا۔اس پالیسی کے تحت بادشاہ کو تاج و تخت کے ساتھ باقی رکھتے ہوئے صرف اقتدار ایسٹ انڈیا کمپنی کے لئے تسلیم کرالئے۔اور اس کی تعبیر یہ کی گئی ''خلق خدا کی، ملک بادشاہ سلامت کا اور حکم کمپنی بہادر کا۔''

مولانا محمد میاں صاحب تحریر کرتے ہیں:

''غور فرمائیے کہ کس قدر نازک پوزیشن ہے۔خدا کی خدائی اور اس کی قدرت کاملہ تسلیم کر کے مذہب کا دامن بھی دونوں ہاتھوں سے تھام لیا گیا ہے۔مغل بادشاہ کی بادشاہت اور آل تیمور کی عظمت بھی محفوظ کر دی گئی ہے۔صرف کاروبار حکومت جو ہندو یا مسلمان امراء اور وزراء کے حوالہ ہوا کرتا تھا، اب ایسٹ انڈیا کمپنی کے حوالہ کر دیا گیا ہے۔تہذیب اور کلچر کے لحاظ سے نہ صرف یہ کہ ان کی حفاظت کا وعدہ کیا گیا ہے۔بلکہ ہندوؤں کے سماجی معاملات پنڈتوں کے اور مسلمانوں کے معاشرتی معاملات قاضیوں کے سپرد کر کے ان کو کلچرل اٹانمی (تہذیبی خود مختاری) بھی دے دی گئی ہے۔عوام تو عوام اس زمانہ کے خواص بھی اس فرق کو نہیں سمجھ سکتے تھے، جو سابق امراء اور وزراء کے اختیارات یا انگلستان کی پارلیامنٹ اور کابینہ اور ہندوستان کے بورڈ آف ڈائریکٹرز کے درمیان تھا۔ان کی نظر مذہب پر، تہذیب پر اور بادشاہ پر تھی، یہ سب محفوظ تھے۔لہٰذا ایک نہایت ہی نازک سوال تھا کہ موجودہ حالت کو آزادی کہا جائے یا غلامی۔اسلامی قوانین کی رو سے پیچیدہ سوال یہ ہے کہ اب ہندوستان کو دارالاسلام مانا جائے جیسا کہ پہلے تھا یا دارالحرب کہا جائے۔جہاں برسر اقتدار طاقت سے جنگ کرنا، ورنہ اس ملک سے نکل جانا مذہباً فرض ہے یا اس کو دارالامن مانا جائے، جہاں اگرچہ حکومت غیر مسلم ہے، مگر مسلمانوں کی جان و مال محفوظ ہے اور مذہبی آزادی ان کو حاصل ہے۔اور اس پر حکومت سے جنگ کرنا درست نہیں ہے۔(۱)

حضرت شاہ عبدالعزیزؒ کا فتوی:

حضرت شاہ عبدالعزیز دہلویؒ نے انگریزوں کی اس شاطرانہ چال کو اپنی فراست سے سمجھ لیا۔اور پھر انگریزی حکومت کے خلاف اپنا فتوی جاری کیا۔اور اس حقیقت کو واضح کیا کہ ہندوستان کے لوگوں کو انگریزوں کی جانب سے دی جانے والی سہولت کے باوجود ہندوستان دارالحرب ہے۔اور ہر محب وطن کا فرض ہے کہ اس اجنبی طاقت سے اعلان جنگ کرے، جب تک اس کو ملک بدر نہ کر دے۔اس میں زندہ رہنا اپنے لئے حرام جانے۔

(۱) علماء ہند کا شاندار ماضی۔جلد دوم۔ص۔۷۸

حضرت شاہ صاحب کا فتوی فارسی زبان میں ہے۔اس کی عبارت یہ ہے

''دریں شہر حکم امام المسلمین اصلاً جاری نیست، وحکم رؤسائے نصاری بے دغدغہ جاری ست ومراد از اجراء احکام کفر اینست کہ درمقدمہ ملک داری وبندوبست رعایا واخذ خراج وباج وعشور، اموال تجارت وسیاست، قطاع الطریق وسراق وفصل خصومات وسزائے جنایات کفار بطور حاکم باشند۔آرے اگر بعضے احکام اسلام را مثل جمعہ، عیدین واذان وذبح بقر تعرض نکنند نہ کردہ باشند۔ لیکن اصل اصول ایں چیز ہا نزد ایشاں ہباء وبدرست۔زیرا کہ مساجد را بے تکلف ہدم مے نمائند و ہیچ مسلمان یا ذمی بغیر استیمان ایشاں دریں شہر و درنواح نے تواند آمد، و برائے منفعت خود از واردین ومسافرین وتجار مخالفت نمی نمایند اعیان دیگر مثلاً شجاع الملک وولایتی بیگم بغیر حکم ایشاں دریں بلاد داخل نے توانند شد واز یں شہر تا کلکتہ عمل نصاری ممتد ست۔آرے در چپ وراست مثل حیدر آباد، لکھنؤ ورام پور احکام خود جاری نہ کردہ اند بسبب مصالحت واطاعت مالکان آں''۔(۲)

یعنی ''اس شہر میں امام المسلمین کا حکم بالکل جاری نہیں ہے۔یہاں رؤساء نصاری (عیسائی افسران) کا حکم بلا دغدغہ اور بے دھڑک جاری ہے۔اور ان کا حکم جاری اور نافذ ہونے کا مطلب یہ ہے کہ ملک داری، انتظامات رعیت، خراج، باج، عشرو مالگزاری، اموال تجارت، ڈاکوؤں اور چوروں کے انتظامات، مقدمات کا تصفیہ، جرائم کی سزاؤں وغیرہ (یعنی سول، فوج، پولیس دیوانی و فوجداری، معاملات، کسٹم اور ڈیوٹی وغیرہ) میں یہ لوگ بطور خود حاکم اور مختار مطلق ہیں۔ہندوستانیوں کو ان کے بارے میں کوئی دخل نہیں ہے۔بیشک نماز جمعہ، عیدین، اذان اور ذبیحہ گاؤ جیسے اسلام کے چند احکام میں وہ رکاوٹ نہیں ڈالتے۔لیکن جو چیز ان سب کی جڑ اور حریت کی بنیاد ہے (یعنی ضمیر ورائے کی آزادی اور شہری آزادی) وہ قطعاً بے حقیقت اور پامال ہے، چنانچہ بے تکلف مسجدوں کو مسمار کردیتے ہیں۔اور عوام کی شہری آزادی ختم ہو چکی ہے۔انتہا یہ کہ کوئی مسلمان یا ہندو ان کے پاسپورٹ اور پرمٹ کے بغیر اس شہر یا اس کے اطراف وجوانب

(۲) فتاوی عزیزیہ۔جلد اول۔ص۔۱۷

میں نہیں آسکتا۔عام مسافروں یا تاجروں کو شہر میں آنے جانے کی اجازت دینا بھی ملکی مفاد یا عوام کی شہری آزادی کی بناء پر نہیں، بلکہ خود اپنے نفع کے خاطر ہے۔اس کے بالمقابل خاص خاص ممتاز اور نمایاں حضرات مثلاً شجاع الملک اور ولایتی بیگم ان کی اجازت کے بغیر اس ملک میں داخل نہیں ہوسکتے۔دہلی سے کلکتہ تک انہیں کی عملداری ہے۔بے شک کچھ دائیں بائیں مثلاً حیدر آباد، لکھنؤ اور رام پور میں چونکہ وہاں کے فرمانرواؤں نے اطاعت قبول کرلی ہے، براہ راست نصاری کے احکام جاری نہیں ہوتے۔''

مگر اس سے پورے ملک کے دار الحرب ہونے پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔

حضرت شاہ صاحبؒ نے ایک دوسرے فتوی میں بھی مخالفوں کے اعتراضات کا جواب دیتے ہوئے ہندوستان کو دار الحرب ثابت کیا ہے۔اس کے لئے فتاوی عزیزی جلد اول صفحہ ۱۰۵ کا مطالعہ کیا جاسکتا ہے۔

مولانا محمد میاں صاحب تحریر کرتے ہیں:

''فتوی کی زبان مذہبی ہے دار الحرب کا اصطلاحی لفظ استعمال کیا گیا ہے مگر روح سیاسی ہے۔

اور مطلب یہ ہے کہ چونکہ

(۱) قانون سازی کے جملہ اختیارات عیسائیوں کے ہاتھ میں ہیں۔

(۲) مذہب کا احترام ختم ہے۔

(۳) اور شہری آزادی سلب کرلی گئی ہے۔

لہذا ہر محب وطن کا فرض ہے کہ اس اجنبی طاقت سے اعلان جنگ کردے اور جب تک اس کو ملک بدر نہ کردے، اس ملک میں زندہ رہنا اپنے لئے حرام جانے۔''(۳)

شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ اس فتوی کے مضمرات پر بحث کرتے ہوئے تحریر کرتے ہیں:

''(۱) حضرت شاہ صاحبؒ نے انگریزوں کے خلاف جو ظلم وستم کی شکایت کی ہے اس میں مسلمانوں کے ساتھ ہندوؤں کا بھی ذکر کیا ہے۔یہ دونوں، شہر دہلی اور اس کے نواح میں امن کا

(۳) علماء ہند کا شاندار ماضی۔جلد دوم۔ص۔۸۱

پروانہ لئے بغیر نہیں آسکتے، اس سے یہ صاف ظاہر ہے کہ شاہ صاحب انگریزوں کے مظالم سے صرف مسلمانوں کی نہیں، بلکہ ہندوؤں کی بھی گلوخلاصی چاہتے تھے۔

(۲) شاہ صاحب کسی ملک کو دارالاسلام ہونے کے لئے اس میں محض مسلمانوں کی آبادی کافی نہیں سمجھتے، بلکہ اس کے لئے وہ یہ بھی ضروری سمجھتے ہیں کہ مسلمان باعزت طریقہ پر رہیں اور ان کے شعار مذہبی کا احترام کیا جائے۔ اس سے یہ ثابت ہوا کہ اگر کسی ملک میں سیاسی اقتدار اعلیٰ کسی غیر مسلم جماعت کے ہاتھ میں ہو، لیکن مسلمان بھی بہرحال اس اقتدار میں شریک ہوں اور ان کے مذہبی اور دینی شعائر کا احترام کیا جاتا ہو، تو وہ ملک حضرت شاہ صاحب کے نزدیک بلاشبہ دارالاسلام ہوگا۔ اور از روئے شرع مسلمانوں کا فرض ہوگا کہ وہ اس ملک کو اپنا ملک سمجھ کر اس کے لئے ہر نوع کی خیرخواہی اور خیراندیشی کا معاملہ کریں۔ (۴)"

مرزا نجف علی خاں کی وفات ۲۶ اپریل ۱۷۸۲ء کو ہوئی۔ اس کے انتقال کے بعد تقریباً بیس سال تک دہلی اور اس کے گردونواح پر مرہٹوں کی حکومت رہی۔ مرہٹوں کا پیشوا مادھو نرائن ناجی راؤ امیر الامراء تھا، اور مادھوجی سندھیا نائب امیر الامراء تھا یعنی پایہ تخت دہلی اور اس کے گردونواح میں ایک غیر مسلم طاقت یعنی مرہٹوں کی حکومت تھی۔

حضرت شاہ صاحب دہلی میں موجود تھے۔ وہ مرہٹوں کے نظام حکومت سے ناراض تھے اور ان پر سخت تنقید بھی کرتے تھے۔ لیکن ان کے باوجود بیس برسوں میں نہ ہندوستان کو دارالحرب قرار دیا اور نہ ہندوستانیوں کے لئے آزادی اور ترک وطن کا فتویٰ صادر کیا۔ بلکہ اس کے خلاف مسلمانوں کا جنگجو طبقہ جو حضرت شاہ عبدالعزیزؒ کے ساتھ گہری عقیدت رکھتا تھا وہ روہیلہ پٹھان تھا، ان کے تعلقات مرہٹوں سے اور زیادہ مضبوط ہوگئے تھے۔ اور مرہٹے اور مسلمان دونوں نے ملکر انگریزی حکومت کا مقابلہ شروع کیا۔

حضرت شاہ عبدالعزیزؒ کے اس فتویٰ کا اثر یہ ہوا کہ لوگوں میں اس کی صلاحیت پیدا ہوئی کہ مذہب کی روشنی میں فیصلہ کرسکیں کہ انگریزی حکومت کے سلسلے میں ان کا طرز عمل کیا ہونا چاہئے۔ چنانچہ اس کا فوری اثر یہ ہوا کہ مسلمانوں کا باہمت طبقہ انگریزوں سے مقابلہ کرنے لئے اٹھ کھڑا ہوا، اور ان طاقتوں سے بھی وابستہ ہوگئے، جو انگریزوں سے مقابلہ کررہے تھے۔ اس زمانہ میں مرہٹے انگریزوں کے خلاف برسرپیکار تھے۔ مرہٹی علاقوں کے مسلمان مرہٹوں کی فوج میں شامل ہوگئے اور آخر تک انگریزوں کے خلاف لڑتے رہے۔ خود حضرت شاہ عبدالعزیزؒ نے اپنے خاص شاگرد و مرید سید احمد صاحب کو امیر علی خاں کے پاس بھیجا، جو جسونت راؤ ہلکر کے ساتھ عرصہ سے انگریزی حکومت کے خلاف لڑائی لڑرہے تھے۔

بہرحال ۱۸۱۸ء تک ہندوستان کی تمام چھوٹی طاقتیں انگریزوں کے سامنے سرجھکا چکی تھیں۔ انگریزی حکومت کا جھنڈا درۂ خیبر سے راس کماری تک اور بمبئی سے لیکر آسام اور برما کے ساحل تک لہرانے لگا تھا۔ انگریزی حکومت کے ساتھ مقابلہ کی کسی میں طاقت نہیں تھی۔

---

(۴) نقش حیات۔ جلد دوم۔ ص۔ ۱۱، علماء ہند کا شاندار ماضی۔ جلد دوم۔ ص۔ ۸۱

صرف ایک شخصیت تھی جو انگریزوں کے سامنے سرجھکانے کے لئے تیار نہیں تھی۔ وہ شخصیت حضرت شاہ عبدالعزیزؒ کی تھی۔ جس نے اپنے بڑھاپے، بیماری اور نابینائی کے باجود انگریزی حکومت کے خلاف ایک پروگرام بنایا اور اپنے شاگردوں اور مریدوں کی صلاحیت کے مطابق ان کے درمیان ذمہ داریوں کو تقسیم کیا۔

انقلابی پروگرام کی ذمہ داریوں کے سلسلہ میں مولانا محمد میاں صاحب تحریر کرتے ہیں:

"(۱) حضرت سید احمد صاحبؒ کے زیر قیادت ایک گروپ بنایا گیا۔ مولانا عبدالحئیؒ صاحب اور مولانا اسماعیل صاحب اس گروپ کے اہم ترین رکن اور سید صاحب کے مشیر خاص قرار دیئے گئے۔ ان تینوں حضرات کی سب کمیٹی کے سپرد کیا گیا کہ:

(الف) ملک میں دورہ کرکے روح انقلاب پیدا کریں

(ب) رضاکار بھرتی کریں، ان کو فوجی ٹریننگ دیں

(ج) مالیہ فراہم کریں

(د) دیگر ممالک سے تعلقات پیدا کریں

(ہ) فوجی کاروائی یعنی باضابطہ جنگ

(۲) دوسرا گروپ جس کی زمام قیادت خود حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب نے اپنے ہاتھ میں لی اور اپنے سن رسیدہ مریدوں اور شاگردوں کو اس کا رکن بنایا۔

(الف) مرکز کو سنبھالنا ان کا فرض تھا

(ب) تعلیم و تربیت کا وہ سلسلہ جو شاہ ولی اللہؒ کے زمانہ میں جاری تھا اور ہمہ گیر انقلاب کے لئے جس کا باقی رکھنا ضروری تھا، اسی گروپ کے ذمہ تھا۔

(ج) اور جب پہلا گروپ محاذ پر پہنچ جائے تو ملک کی فضاء کو ہم نوا بنانا، نئے رضاکاروں کی بھرتی اور فراہمی مالیہ وغیرہ کے تمام فرائض اسی گروپ کے سپرد تھے۔

حضرت شاہ عبدالعزیزؒ قدس سرہ العزیز کے علاوہ اس گروپ کے خاص رکن یہ تھے:

(۱) مولانا شاہ محمد اسحٰق صاحب دہلوی (۲) مولانا شاہ محمد یعقوب صاحب دہلوی (۳) مفتی رشید الدین صاحب دہلوی (۴) مفتی صدرالدین صاحب دہلوی (۵) مولانا حسن علی صاحب لکھنو (۶) مولانا حسین احمد صاحب ملیح آبادی (۷) مولانا شاہ عبدالغنی صاحب دہلوی" (۵)

حضرت شاہ عبدالعزیزؒ نے انقلابی پروگرام کو کامیاب بنانے کے لئے جو لائحہ عمل تیار کیا تھا، اس میں وہ سوفیصد کامیاب رہے۔ ان کی وفات کے وقت تک یہ تحریک ایک طاقتور تحریک بن چکی تھی۔ اور یہ تحریک آگے کی طرف بڑھ رہی تھی اور بڑھتی رہی۔

---

(۵) علماء ہند کا شاندار ماضی۔ جلد دوم۔ ص: ۹۰

تیسرا باب

۱۸۵۷ء سے پہلے علماء کی تحریک

تحریک مجاہدین (۱۸۵۷ء تک)

حضرت سید احمد بریلوی، مولانا عبدالحئی دہلوی اور مولانا اسمٰعیل شہید دہلویؒ کی قیادت میں انگریزی حکومت کے خلاف باضابطہ تحریک چلی۔ یہ تحریک حضرت شاہ عبدالعزیزؒ کے انقلابی پروگرام کا حصہ تھی۔ یہ تحریک ۱۸۱۸ء سے شروع ہوئی۔ اس تحریک نے اس وقت اپنا کام شروع کیا، جب مارکوئس ہسٹنگز کی سخت گیر پالیسی حکومتوں کے تختے الٹ رہی تھی۔ باؤجی راؤ پیشوا، اپا صاحب والی ناگپور اور پنڈاریوں پر پے در پے فوج کشی ہورہی تھی۔ ہلکر، نواب امیر خان اور سندھیا کی طاقتوں کے گرد فوجی حصار قائم کیا جارہا تھا، کہ آزادی کے پروانوں اور خلق خدا کے خادموں کا یہ چھوٹا سا قافلہ جس کی تعداد صرف پچاس تھی۔ ۱۲۳۱ھ/۱۸۱۸ء کو دہلی سے روانہ ہوا۔ اس کے سرپرست حضرت شاہ عبدالعزیز دہلوی تھے اور قیادت حضرت سید احمد کے ہاتھوں میں تھی۔ حضرت مولانا محمد میاں صاحب تحریر کرتے ہیں:

> ''علم وفضل، تحریر وتقریر، مقبولیت اور خاندانی شہرت میں مولانا عبدالحئی صاحب اور مولانا اسمٰعیل شہید، سید صاحب سے بڑھے ہوئے تھے، حتیٰ کہ عمر میں یہ دونوں بزرگ سید صاحب سے بڑے تھے۔ کیونکہ سید صاحب کو اس گروپ کا لیڈر بنایا گیا تھا، تو سید صاحب کی عمر تقریباً چالیس سال تھی اور مولانا عبدالحئی کی عمر تقریباً پچاس سال اور مولانا اسماعیل صاحب کی عمر اڑتالیس سال تھی۔ خاندانی لحاظ سے مولانا عبدالحئی صاحب، حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب کے داماد تھے، اور مولانا اسمٰعیل صاحب حقیقی بھتیجے۔ مگر سید صاحب کو زعیم اور قائد اس لئے بنایا گیا کہ محاذ جنگ کا جو عملی تجربہ سید صاحب کر چکے تھے ان دونوں بزرگوں کو اس کا تجربہ نہیں ہوا تھا۔ اس کے علاوہ سب سے بڑی

> وجہ وہ روحانی کمالات تھے، جن میں سید صاحب کا درجہ پوری جماعت میں سب سے فائق اور بڑھا ہوا تھا۔ یہاں تک کہ سید صاحب کے پیر حضرت شاہ عبدالعزیزؒ صاحب نے اپنے تمام شاگردوں اور تمام اقارب واعزہ کو ہدایت کردی تھی کہ سید صاحب سے باقاعدہ بیعت ہو کر اخلاقی اور روحانی کمالات کا استفاضہ کریں۔(۱)

ہمہ گیر انقلاب جس کا منشاء صرف سیاسی نہ ہو، بلکہ سماجی اصلاح بھی اس کا اہم مقصد ہو، اسی وقت کامیاب ہوسکتا ہے جب اس کا لیڈر صرف مدبر، مفکر یا جرنیل ہی نہ ہو، بلکہ روحانی لحاظ سے بھی یہ درجہ رکھتا ہو کہ اس کو شیخ وقت کہا جاسکے۔ سید صاحب کے یہی روحانی اور اخلاقی کمالات تھے، جنہوں نے بڑے اہل علم کو یہاں تک گرویدہ بنادیا، جیسا کہ ڈبلو۔ڈبلو ہنٹر نے تحریر کیا ہے:

> ''ان کے مرید اُن کی روحانی فضیلت کو تسلیم کرتے ہوئے ان کے ادنی سے ادنی کام کو بخوبی سرانجام دیتے تھے، اور صاحب جاہ اور علماء (مولانا عبدالحئی صاحب، مولانا اسمٰعیل صاحب، مولانا عنایت علی ومولانا ولایت علی وغیرہ) عام خدمت گاروں کی طرح ان کی پالکی کے ساتھ ننگے پاؤں دوڑنا اپنے لئے فخر سمجھنے لگے۔''(۲)

یہ حضرات صرف عالم وبزرگ ہی نہیں تھے، بلکہ ان کی زندگی مجاہدانہ تھی۔ مولانا محمد میاں صاحب تحریر کرتے ہیں:

> ''اصلاحی خدمات اور روحانی مشاغل کے ساتھ سپاہیانہ ورزشیں بھی جاری رہتیں، قصبہ پھلت چونکہ خاندان شاہ ولی اللہ کا اصلی وطن تھا، وہاں دو ہفتہ سے زیادہ قیام کا موقع ملا، تو باقاعدہ مٹی کا ایک تودہ تیار کرالیا گیا۔ جس پر نشانہ کی مشق کی جاتی تھی۔ پہلے تقریباً ایک گھنٹہ ورزش ہوتی، بدن پر مالش کی جاتی، پھر نشانہ کی مشق کی جاتی۔
>
> لکھنؤ میں تقریباً تین ماہ قیام رہا۔ قیام گاہ سے کہیں تشریف لے جاتے، تو بسا اوقات ایک فوجی سپاہی کی طرح پورے ہتھیار لگا کر تشریف لے جاتے۔ ایک روز آپ قندھاریوں کی چھاؤنی میں تشریف لے جارہے تھے، تو آپ بھی پورے ہتھیار لگائے ہوئے تھے۔ آپ کے ساتھی بھی اسی طرح ہتھیار بند تھے۔ عبدالباقی خاں صاحب نے آپ کی یہ شان دیکھی تو عرض کرنے

(۱) علماء ہند کا شاندار ماضی۔ جلد دوم۔ ص۔ ۹۱ (۲) ہمارے ہندوستانی مسلمان۔ ص۔ ۲۲

لگے۔حضرت آپ کی تمام باتیں بہت اچھی ہیں، مگر یہ تلوار بندوق وغیرہ اسباب جہالت آپ کے بدن پر زیب نہیں دیتے۔آپ جس خاندان کے چشم وچراغ ہیں، یہ اسلحہ بندی اس کی روایات کے خلاف ہے۔آپ نے عبدالباقی خان صاحب سے یہ الفاظ سنے، تو غصہ سے چہرہ سرخ ہوگیا۔ فرمانے لگے، جس چیز کو رسول خداؐ نے استعمال کیا، آپ اس کو اسباب جہالت فرماتے ہیں۔ رسول ﷺ ہتھیار باندھ کر میدان جنگ میں تشریف لے جائیں اور آپ اسلحہ بندی کو شان بزرگانہ کے لئے عار قرار دیں، تف ہے اس شان بزرگانہ پر(۳)''

حضرت سید احمد شہیدؒ، حضرت مولانا اسمٰعیل شہیدؒ اور حضرت مولانا عبدالحئیؒ کی اسی تحریک مجاہدین کو انگریزوں نے وہابی تحریک کا نام دیا۔اور اس طرح یہ دہلی میں وہابی تحریک کے نام سے مشہور ہوگئی۔

سید صاحب نے تحریک کی ذمہ داری قبول کرتے ہی ملک کے مختلف علاقوں کا دورہ شروع کیا۔آپ نے پہلا دورہ دہلی سے رائے بریلی اور رائے بریلی سے بنارس ولکھنو کا کیا۔یہ قافلہ جب دہلی سے ۱۸۱۸ء میں روانہ ہوا تو قافلہ کے لوگوں کی تعداد صرف پچاس تھی۔سید صاحب کی تحریک اور دورہ کی خبر مشہور ہوئی، تو ہر علاقہ سے دعوت نامے پہنچنے لگے۔اور جوق در جوق لوگ اس تحریک میں شامل ہونے لگے۔یہاں تک کہ ان کی تعداد ہزاروں میں پہنچ گئی۔ان میں چار سو کے قافلہ کو لے کر سید صاحب حج کے لئے روانہ ہوئے۔حج کے دوران ان کی تربیت کی اور ان میں روح جہاد وحریت پھونکی اور ان کو ہر طرح سے تیار کیا۔

ڈبلو ڈبلو ہنٹر نے اپنی کتاب ''ہمارے ہندوستانی مسلمان'' میں تحریر کیا ہے۔

''اس طرح پٹنہ میں ایک مستقل مرکز قائم کرنے کے بعد انہوں نے دریائے گنگا کے ساتھ ساتھ کلکتہ کی طرف کوچ کیا۔راستے میں لوگوں کو سلسلہ مریدی میں داخل کرتے جاتے۔اور بڑے بڑے شہروں میں اپنے نائب مقرر کرتے جاتے تھے۔کلکتہ میں ان کے اردگرد اس طرح ہجوم جمع ہوگیا تھا، کہ لوگوں کو مرید کرتے وقت اپنے ہاتھ پر بیعت کرانا ان کے لئے مشکل تھا، بالآخر انہیں اپنی پگڑی کھول کر یہ اعلان کرنا پڑا کہ ہر وہ شخص جو اس کے کسی حصہ کو چھولے گا ان کا مرید ہوجائیگا(۴)''۔

حج سے واپسی کے بعد سید صاحب نے ہندوستان سے ہجرت کرنے اور آزاد مرکز میں آزاد حکومت قائم کرنے کا پروگرام بنایا۔چنانچہ ڈبلو ڈبلو ہنٹر نے اپنی کتاب میں لکھا ہے:

''پہلے جو چیز ان کی نظر میں محض خواب وخیال تھی، اب وہ ان کو حقیقی روشنی میں نظر آنے لگی، جس

میں انہوں نے اپنے آپ کو ہندوستان کے ہر ضلع میں اسلامی جھنڈا گاڑتے اور صلیب کو انگریز کافروں کی لاشوں کے نیچے دفن کرتے ہوئے دیکھا''(۵)

''امام صاحب کی اندورنی کیفیات میں جو تبدیلیاں ہوئیں، ان کا علم ان کو یا صرف خدا کو ہوسکتا ہے۔لیکن یہ یقین کے ساتھ کہا جاسکتا ہے کہ ان کی ظاہری عادات بالکل بدل گئیں ،اب ان کی زندگی کا مقصد صرف مرید بنانا ہی نہ تھا۔بلکہ اس مقصد اصلی کو پورا کرنے کے لئے یہ محض ایک ابتدائی ذریعہ تھا''(۶)

ڈاکٹر ہنٹر آگے مزید لکھتے ہیں:

''بمبئی میں جہاں وہ سب سے پہلے جہاز سے اترے، ان لوگوں کی کثرت تھی، جو ان کا وعظ سننے آتے یا مرید ہونا چاہتے تھے، ان کو زیادہ دیر تک ٹھہرنے کے لئے مجبور نہ کرسکی۔وہ جہاں بھی گئے اس سے زیادہ کامیابی حاصل کی، جتنی مکہ معظمہ کے سفر سے پہلے کی تھی۔باایں ہمہ وہ ان پُر امن اضلاع میں اپنی واعظانہ سرگرمیوں کو حقارت آمیز بے صبری سے دیکھتے۔معلوم ہوتا ہے کہ اب ان کی نگاہ ہر وقت سرحد کی دور دراز جنگ جو آبادی پر لگی رہتی تھی(۷)''

بہر حال جب فوجی طاقت فراہم اور ساتھیوں کی پوری تربیت ہوگئی، تو ۱۸۲۶ء میں آپ نے وطن عزیز کو خیر باد کہہ کر آزاد قبائل کا ارادہ کیا۔پنجاب کے راستہ سے گزرنا مشکل تھا، اس لئے آپ راجستھان ہوتے ہوئے سندھ پہنچے، وہاں سے قندھار، پھر کابل ہوتے ہوئے ہندوستان کی شمالی مغربی سرحد میں داخل ہوکر وہاں اپنا مرکز قائم کیا۔

قافلہ نے جیسے ہی اس آزاد مرکز میں پڑاؤ ڈالا۔حالات میں نظم وضبط قائم رکھنے کے لئے نیز مفتوحہ علاقوں کا انتظام سنبھالنے کے لئے باقاعدہ نظام حکومت کی ضرورت محسوس کی جانے لگی۔لہذا ۱۰؍جنوری ۱۸۲۷ء کو عارضی حکومت قائم کی گئی۔

اس عارضی حکومت کا مقصد صرف وطن کو آزاد کرانا تھا۔اس عارضی حکومت کے سربراہ کی حیثیت سے سید صاحب نے سلطان ہرات، والی کابل، شاہ بخارا، رئیس قلات، آزاد قبائل کے سردار، ہندوستان کے سر برآوردہ عمائدین اور سکھ

(۵) ہمارے ہندوستانی مسلمان۔ص۔۸۹ (۶) ہمارے ہندوستانی مسلمان۔ص۔۹۰
(۷) ہمارے ہندوستانی مسلمان۔باب دوم۔ص۔۹۰

حکومت کے ذمہ داروں کے نام جو خطوط لکھے، ان کا مضمون حسب ذیل ہے:

''خدا گواہ ہے ہمارا منشا نہ دولت جمع کرنا ہے نہ اپنی حکومت قائم کرنا، ہم خدائے بالا و برتر کے ناچیز بندے ہیں۔ نہ بندگان خدا پر جبر و قہر کا کوئی وسوسہ ہمارے دل میں ہے۔ اور نہ کسی کی حکومت کو چھین لینے کا کوئی جذبہ۔ ہمارا منشا وطن کو آزاد کرانا ہے۔(۸)''

شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی تحریر کرتے ہیں:

''سید صاحب کا اصل مقصد چونکہ ہندوستان سے انگریزی تسلط و اقتدار کا قلع قمع کرنا تھا، جس کے باعث ہندو اور مسلمان دونوں ہی پریشان تھے۔ اس بناء پر آپ نے اپنے ساتھ ہندوؤں کو بھی شرکت کی دعوت دی اور انہیں صاف صاف بتا دیا کہ آپ کا واحد مقصد ملک سے پردیسی لوگوں کا اقتدار ختم کر دینا ہے۔ اس کے بعد حکومت کس کی ہوگی، اس سے آپ کو غرض نہیں۔ جو لوگ حکومت کے اہل ہوں گے ہندو ہوں یا مسلمان یا دونوں، وہ حکومت کریں گے۔ چنانچہ اس سلسلہ میں سرحد سے ریاست گوالیار کے مدار المہام اور مہاراج دولت راؤ سندھیا کے وزیر و برادر نسبتی راجہ ہندو راؤ کو آپ نے جو خط تحریر فرمایا ہے، وہ غور سے پڑھنے کے قابل ہے:

''بررائے عالی روشن و مبرہن است کہ بیگانگاں بعید الوطن ملوک زمیں و زماں گردیدہ و تاجران متاع فروش بپایئہ سلطنت رسیدہ امارت امرائے کبار و ریاست رؤساء عالی مقدار برباد نمودہ اند و عزت و اعتبار ایشاں بالکل زبودہ۔ چوں اہل ریاست و سیاست در زاویہ خمول نشستہ اند ناچار چندے از اہل فقر و مسکنت کمر ہمت بستہ، ایں جماعت ضعفاء ہرگز از دنیا داران جاہ طلب نیستند محض بناء بر خدمت دین رب ذو الجلال برخاستہ اند نہ بناء بر طمع مال و منال۔ وقتے کہ میدان ہندوستان از بیگانگاں دشمناں خالی گردیدہ تیر سعی ایشاں بر ہدف مراد رسیدہ آئندہ مناصب ریاست و سیاست بطالبین آں مسلم باد۔ بیخ شوکت و سطوت ایشاں محکم شود، ایں ضعفاء را از رؤساء کبار و عظماء عالی مقدار ہمیں قدر مطلوب است کہ خدمت اسلام بجاں و دل کنند و بر مسند مملکت خود متمکن شوند۔''

یعنی ''جناب کو خود معلوم ہے کہ وہ بیگانے اور اجنبی جو وطن عزیز سے بہت دور کے رہنے والے ہیں، دنیا جہاں کے بادشاہ بن گئے ہیں اور سودا بیچنے والے بادشاہت کے درجہ کو پہنچ گئے

ہیں۔ بڑے بڑے امیروں کی امارت اور بلند تر مرتبہ رؤساء کی ریاست کو برباد کر دیا ہے۔ اور ان کی عزت اور ان کا اعتماد بالکل ختم کر دیا ہے۔ چونکہ وہ لوگ جو ریاست و سیاست کے مالک تھے گوشہ گمنامی میں بیٹھ گئے ہیں ناچار چند بے سروسامان فقیر کمر ہمت کس کر کھڑے ہو گئے ہیں۔ کمزوروں کی یہ جماعت محض اللہ کے دین کے تقاضے سے اس خدمت کے لئے کھڑی ہوگئی ہے۔ یہ لوگ جاہ طلب دنیا دار نہیں ہیں بلکہ ایک مذہبی اور اخلاقی فرض سمجھ کر اس خدمت کے لئے اٹھے ہیں۔ مال و دولت کا قطعاً کوئی لالچ نہیں ہے۔ جس وقت ہندوستان کا میدان ان غیر ملکی دشمنوں سے خالی ہو جائیگا اور ہماری کوششوں کا تیر مراد کے نشانے تک پہنچ جائیگا، حکومت کے عہدے اور منصب ان کے سپرد ہوں گے جو اس کے مستحق ہوں گے اور انہیں کی شوکت و عظمت کی جڑیں مضبوط کی جائیں گی۔ ہم کمزوروں کو بڑے بڑے رؤساء اور بلند مرتبہ عمائدین سے صرف اتنی بات درکار ہے اہل اسلام کو ان کا دلی تعاون حاصل رہے اور مسند حکومت ان کو مبارک ہو۔''

ریاست گوالیار کے ایک مسلمان عہدہ دار غلام حیدر خان کو تحریر فرماتے ہیں:

''دریں صورت مناسب وقت چناں می نماید کہ ریاست پیرائیہ سیاست آراء عظمت نشان راجہ ہندو راؤ را ایں معنی فہمانند کہ اکثر بلاد ہندوستان بدست بیگانگان افتادہ و ایشاں ہر جا بنیاد ظلم و جور نہادہ، ریاست رؤساء ہندوستان برباد رفتہ، کسے تاب مقاومت ایشان نمی دارد بلکہ ہر کس ایشاں را آقاء خود می شمارد۔ و چوں رؤساء کبار از مقابلہ ایشاں نشستند لاچار چند کس از ضعفاء بے مقدار کمر بستند، پس دریں صورت رؤساء عالی مقدار را لازم چنانکہ بر مسند ریاست سالہا متمکن ماندہ اند بالفعل در اعانت ضعفاء مذکور ایں مساعی بلیغہ بجا آرند کہ آں را باعث استکار بنیان ریاست خود شمارند۔''

یعنی ''اس صورت میں مناسب وقت یہی معلوم ہوتا ہے کہ آپ سردار والا قدر راجہ ہندو راؤ کو یہ بات سمجھائیں کہ ہندوستان کا بڑا حصہ غیر ملکیوں کے قبضہ میں پہنچ گیا ہے۔ ان لوگوں نے ہر جگہ ظلم و جبر کی بنیاد قائم کر دی ہے۔ رؤساء ہند کی ریاست برباد ہوگئی ہے۔ کوئی شخص مقابلہ کی طاقت نہیں رکھتا۔ بلکہ ہر شخص ان کو اپنا آقا تصور کرتا ہے۔ چونکہ بڑے بڑے صاحب ریاست ان کے مقابلہ کا خیال ترک کر کے بیٹھ گئے ہیں۔ ناچار چند کمزور ناچیز کمر ہمت کس کر کھڑے ہوئے ہیں۔ بس

اس صورت میں رؤساء عالی مرتبت پر لازم ہے کہ جس طرح وہ سالہا سال مسند حکومت پر متمکن رہے ہیں، فی الحال ان کمزور فداکاروں کی امداد میں پوری پوری کوشش کریں اور اس کو خود اپنی حکومت کی مضبوطی کا ذریعہ سمجھیں (۹)۔"

مجاہدین کی تحریک کا مقصد انگریزی اور باہری حکومت کا خاتمہ تھا۔ اس مقصد کے خلاف جس نے بھی کوئی عمل کیا، تحریک مجاہدین نے اس سے اپنا رشتہ توڑ لیا۔ سکھ راجہ اور مسلمان نواب انگریزوں سے مصالحت کر رہے تھے جو تحریک مجاہدین کے نظریہ کے خلاف تھا۔ اس تحریک نے ان کے خلاف بھی جنگ کی۔

انگریزوں نے اس کو محسوس کیا کہ یہ تحریک ہمارے لئے سب سے خطرناک ہے۔ اس وقت اس نے اس جانب توجہ کی۔ ڈبلو ڈبلو ہنٹر نے اس سلسلہ میں تحریر کیا ہے:

"۲۲۔۱۸۲۱ تک سید احمد صاحب کی تبلیغ کی طرف انگریزی حکام نے کوئی توجہ نہ کی، انہوں نے اپنے جاں نثار مریدوں کی ہمراہی میں ہمارے صوبہ جات کا دورہ کیا اور ہزاروں کی تعداد میں لوگوں کو مرید بنایا اور ایک باقاعدہ گدی، مذہبی ٹیکس اور ملکی حکومت قائم کر دی۔ اس اثنا میں ہمارے افسران اپنے اردگرد کی بہت بڑی مذہبی تحریک سے بے خبر ہو کر صرف مالیہ جمع کرنے، انصاف کے لئے عدالتیں قائم کرنے اور فوجیوں کو پریڈ کرانے میں ہی مصروف رہے۔ ۱۸۳۱ میں اپنی اس بے خبری سے بہت بری طرح جھنجھوڑے گئے (۱۰)۔"

ہندوستان مختلف مذاہب اور فرقوں کا گہوارہ رہا ہے۔ ہندوستان جیسے وسیع ملک میں آپسی اختلاف اور تفرقہ کا خطرہ ہمیشہ رہتا ہے۔ اس لئے محب وطن کی کوشش ہوتی ہے کہ مختلف قوموں کو اس طرح معتدل رکھا جائے کہ فرقہ واریت ان کے درمیان نہ ابھرے اور سب مل جل کر رہیں۔ لیکن انگریزوں کی اس ملک میں حکومت کرنے کی یہ پالیسی رہی کہ فرقہ واریت سے زیادہ سے زیادہ فائدہ حاصل کیا جائے۔ چنانچہ انگریزی دور کے حکمرانوں کا نظریہ یہ تھا:

"ہندوستان میں ہماری حکومت کے ہر صیغہ کو خواہ وہ خارجی تعلقات سے واسطہ رکھتا ہو یا عدالتی اور

(۹) مجموعہ خطوط قلمی۔ ص۔ ۱۲، مسلمانوں کے تنزل سے دنیا کو کیا نقصان پہنچا۔ ص۔ ۲۷۳، نقش حیات۔ جلد دوم۔ ص۔ ۱۳۔ (۱۰) ہمارے ہندوستانی مسلمان۔ باب دوم۔ ص۔ ۶۷

حربی نظم و نسق سے، یہ اصول ہمیشہ مدنظر رکھنا چاہئے کہ تفرقہ ڈالو اور حکومت کرو"۔ (۱۱)

انگریزی حکام نے تحریک مجاہدین کو بے اثر کرنے کے لئے اسی فارمولہ کا استعمال کیا۔ اور مجاہدین کو بدنام کرنے کے لئے ایسے لفظ کا استعمال کیا، جس نے دوسرے تو دوسرے اپنوں کو بھی برہم و مخالف بنا دیا۔ وہ لفظ وہابی تھا۔ جس کی نسبت تحریک مجاہدین کی جانب کر دی۔ اور تحریک مجاہدین کو بھی وہابی تحریک کے ساتھ جوڑ دیا۔

اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اپنے بھی تحریک مجاہدین کے مخالف ہو گئے۔ اور اسی کے نتیجے میں جنگ بالاکوٹ ۱۹۳۱ء میں تحریک مجاہدین کے قائدین حضرت سید احمد اور حضرت مولانا شاہ محمد اسمٰعیل شہید کر دیئے گئے۔ اور اس طرح یہ تحریک مجاہدین سست پڑ گئی۔ لیکن علمائے صادق پور نے پھر اس تحریک میں جان ڈال دی۔ ولیم ہنٹر نے لکھا ہے:

"ایک دفعہ پھر ان مجنونوں کی تحریک تباہی کے قریب معلوم ہوتی تھی۔ مگر پٹنہ کے خلیفوں کے تبلیغی جوش اور مال و دولت نے جو ان کے تصرف میں تھی، مقدس جھنڈے کو خاک سے اٹھا کر ایک بار پھر بلند کر دیا۔ انہوں نے تمام ہندوستان میں اپنے مبلّغ دوڑا دیئے۔ اور مذہبیت کو اس حد تک زندہ کیا کہ اس سے پہلے کبھی نہ ہوا تھا۔ ان دونوں خلیفوں (مولانا ولایت علی اور عنایت علی) نے بذات خود بنگال اور جنوبی ہند کا دورہ کیا۔ (۱۲)"

اسی دوران مہاراجہ رنجیت سنگھ کی موت ہو گئی۔ انگریز اور سکھوں کی لڑائی ہوئی۔ بالآخر انگریزوں نے پنجاب پر قبضہ کر لیا۔ ۹؍مارچ ۱۸۴۶ء کی صلح امرتسر کی دفعات کے تحت سکھ دربار نے ۱۵؍لاکھ روپئے کا تاوان ادا کرنے کا وعدہ کیا۔ چونکہ سکھ سرکاری خزانہ میں اتنی رقم موجود نہ تھی، اس لئے دریائے سندھ اور بیاس کے درمیان کا پہاڑی علاقہ بشمول کشمیر اور ہزارہ کا بالائی حصہ ۱۰؍لاکھ روپیوں کے عوض انگریزوں کو دینا پڑا۔ اس علاقہ کے قبائلی سردار انگریزی تسلط قائم کئے جانے کی مخالفت کر رہے تھے۔ مجاہدین سرحدی علاقہ میں پہلے ہی اپنی جوانمردی کے جوہر دکھا چکے تھے۔ قبائلی سرداروں نے پھر انہیں انگریزوں کے اثر کو روکنے کے لئے دعوت دی۔ چنانچہ مولانا ولایت علیؒ اور مولانا عنایت علیؒ ۱۸۵۰ء میں شمال مغربی سرحدی علاقہ میں مجاہدین کے ساتھ پہنچ گئے۔ مولانا ولایت علی اور مولانا عنایت علیؒ نے حضرت سید احمد شہیدؒ کے سرحد پر قائم کردہ مرکز کو ترقی دے کر ایک آزادانہ مملکت بنا دیا۔ مختلف قبائلی علاقوں سے عشری رقمیں وصول کی جاتی تھیں اور بطور خراج کئی لاکھ روپیوں کی آمدنی تھی۔ فوج میں دس ہزار روہیلہ پٹھانوں کی ایک ٹکری سمیت تیس ہزار کی تعداد تھی۔ پیدل فوجوں کی تنخواہ ۶؍روپیہ سے دس روپیہ ماہانہ، حوالدار اور نشانہ باز کی ۹؍روپیہ ماہانہ

(۱۱) حکومت خود اختیاری۔ ص۔ ۵۱۔ ۵۲

(۱۲) ہمارے ہندوستانی مسلمان۔ ص۔ ۷۴

سے ۱۲؍روپیہ تک اور لوہار کو جو بندوق تیار کرتے تھے سب سے زیادہ ۳۰؍روپے ماہانہ دیئے جاتے تھے۔اس دوران تحریک کا مرکز انگریزی حکومت میں بزرگان صادقپور کے مکان میں رہا۔جس کو وہابی خفیہ خط وکتابت اور انگریزی سرکاری کاغذات میں قافلہ کہا جاتا تھا۔اور یہاں سے سرحدی علاقہ میں سامان پہنچائے جاتے تھے۔

اس تحریک نے انگریزوں سے مقابلہ کے لئے سرحدی علاقوں میں جو انگریزوں کی گرفت سے باہر تھے اپنی آزادانہ حکومت قائم کی۔اور وہاں سے انگریزوں کے خلاف سازش شروع کی۔تحریک مجاہدین نے سرحد کے قبائلی علاقوں میں اور پشاور اور راولپنڈی کی فوجی چھاؤنیوں میں ایسٹ انڈیا کے ہندوستانی سپاہیوں سے ساز باز کیا اور مولانا عنایت علیؒ نے باغی سپاہیوں کو سرحد پار سے مدعو کرکے انگریزی فوجوں سے لڑائی کی۔اس طرح تحریک مجاہدین نے ہندوستانی فوجیوں میں بغاوت کی لہر پیدا کردی، جو ۱۸۵۷ء میں بڑھ کر فوجی بغاوت کی ایک مکمل شکل اختیار کرلی۔

اس کے علاوہ خود مجاہدین نے مولانا ولایت علی اور مولانا عنایت علیؒ کی قیادت میں ۱۸۴۵ء و ۱۸۴۶ء میں بالاکوٹ کے میدان میں انگریزوں کے حلیف گلاب سنگھ سے لڑائی کی۔اور گلاب سنگھ کو شکست دیا۔

مولانا محمد میاں صاحب تحریر کرتے ہیں:

’’۱۸۴۵ء و ۱۸۴۶ء کا وہ زمانہ جس میں سکھ حکومت کے خلاف انگریزوں کی سازشیں کامیاب ہورہی ہیں، گلاب سنگھ راجہ جموں کی انگریز پرستی طشت ازبام ہوچکی ہے۔اور مفاد پرست خودغرض عہدہ دار انگریز کے مقابلہ سے جان بچا رہے ہیں اور اسی گلاب سنگھ کو پورے پنجاب کا وزیراعظم بنا کر سرکار کمپنی سے رشتہ جوڑ رہے ہیں۔لیکن دوسری طرف حالت یہ ہے کہ حفاظت وطن کے لئے عوام کے جذبات بھڑک رہے ہیں۔ایک ایک محب وطن انگریز کے مقابلہ کے لئے آتش بداماں اور سربکف ہے اور بقول دہلی پرساد ’’پورے ہندوستان بالخصوص شمال مغربی صوبہ میں غلغلہ مچ رہا تھا‘‘ بالاکوٹ کا رئیس سید ضامن شاہ بھی اپنے علاقہ کی حفاظت کی خاطر تیر کمان سنبھالتا ہے اور جب اپنے حریف راجہ گلاب سنگھ کے مقابلہ میں کمزوری محسوس کرتا ہے، تو مولانا ولایت علی بانی مرکز صادقپور سے امداد کی اپیل کرتا ہے۔یہاں پیمانہ صبر پہلے سے لبریز تھا، وہ جذبات جن کی پرورش سالہا سال سے کی جارہی تھی، چھلکنے کے لئے بیتاب تھے۔سید ضامن شاہ کی اپیل ایک ایسا عنوان تھا جس پر لبیک کہنے کے لئے ہر ایک مجاہد سو جان سے تیار تھا۔مولانا عنایت علی صاحب نے پانچ سو مجاہدین کا ایک دستہ تیار کیا اور مولانا عنایت علی صاحب کی زیر قیادت بالاکوٹ روانہ کردیا۔کچھ دنوں بعد خود بھی رخت سفر باندھا اور ۷؍شوال ۱۲۶۲ھ/ ۹؍اکتوبر ۱۸۴۶ء جمعہ کے دن بالاکوٹ

پہنچ کر کمان اپنے ہاتھ میں لے لی۔

آپ کے رفقاء میں بنگال و بہار وغیرہ کے مجاہدین کے علاوہ مرکز صادقپور کے ممتاز حضرات مولانا فیاض علی صاحب، مولانا یحیی علی صاحب، مولانا اکبر علی صاحب (ابناء مولانا الٰہی بخش و برادران مولانا احمد اللہ صاحب) اور آپ کے سب سے بڑے صاحبزادے مولانا عبداللہ صاحب بھی شامل تھے‘‘ (۱۳)

اس لڑائی میں گلاب سنگھ کو شکست ہوئی۔لیکن اسی درمیان انگریز افسروں نے سید ضامن شاہ کو نواب بنانے کا لالچ دے کر مجاہدین کے خلاف بھڑکا دیا اور ان پر پھر وہابیت کا لیبل لگا دیا۔جس سے نفرت پھر بھڑک اٹھی۔اور مجاہدین قتل کردیئے گئے۔چنانچہ مولانا عبدالرحیم صادقپوری تحریر کرتے ہیں:

’’فوجی افسر وینس ایگینیو اور لیفٹننٹ لمسڈن تھوڑی سی فوج کے ساتھ وہاں پہنچے اور مجاہدین کے علاقہ کے قریب کیمپ قائم کردیا۔یہاں سے خفیہ ریشہ دوانیاں کرکے علاقہ کے لوگوں کو مجاہدین کے خلاف بھڑکا دیا۔سید ضامن شاہ نے بے وفائی کی۔اب پوری راز داری کے ساتھ ایک تاریخ مقرر کرکے سارے مفتوحہ علاقہ میں غدر کرادیا۔عمال یعنی مجاہدین کے مقامی افسروں اور مجاہدین کی پولیس کے ذمہ دار قتل کردیئے گئے۔گویا اپنی دانست میں اس تحریک کی جڑیں اکھاڑ دی گئیں، افسوس صد افسوس (۱۴)

۱۸۵۲ء میں مولانا ولایت علی کے بعد تحریک کی باگ ڈور مولانا عنایت علی نے سنبھالی۔آپ انگریزوں کے حلیف جہاں داد خاں والی امب پر حملہ کرنے کا منصوبہ پورا کرنا شروع کیا۔آپ کا یہ حملہ کامیاب ہوا۔جہاں داد خاں کی قوت ٹوٹ گئی۔انگریزوں کو بار بار امداد کے لئے فوجیں بھیجنی پڑیں جو ناکام رہیں۔اسی درمیان ۱۸۵۸ء میں آپ کا وصال ہوگیا۔

تحریک مجاہدین کی انقلابی سرگرمیوں کی شہادت کے لئے ولیم ولسن ہنٹر کی یہ تحریر ملاحظہ فرمائیں:

’’۱۸۵۲ء کو انہوں (مجاہدین) نے خیال کیا کہ اپنے طے شدہ پروگرام کو عملی جامہ پہنانے کا مناسب وقت آگیا ہے۔روپیہ اور آدمی ہمارے علاقہ سے ستیانا کیمپ کو متواتر جارہے تھے۔اس سلسلہ میں

(۱۳) علماء ہند کا شاندار ماضی۔جلد سوم۔ص۔۴۹،الدرالمنثور۔ص۔۴۱۔۴۲

(۱۴) الدرالمنثور۔ص۔۱۲۳۔۱۲۴

حکومت پنجاب نے ہماری فوج کے ساتھ سازشی خط وکتابت بھی پکڑلی تھی۔یعنی انہوں نے کمال عیاری کے ساتھ ہماری نمبر ۴ دیسی پیادہ فوج کے ساتھ سازش کی تھی جواس وقت راولپنڈی میں مقیم تھی۔اور متعصب نوآبادی کے بہت ہی قریب تھی۔اگروہ ہمارے صوبے پر چڑھائی کرتے تو یہی رجمنٹ تھی جو سب سے پہلے ان کے مقابلے کے لئے بھیجی جاتی۔ان خطوط سے یہ بات پایہ ثبوت کو پہنچ گئی تھی کہ بنگال سے باغی کیمپ تک روپیہ اور آدمی پہنچانے کے لئے ایک باقاعدہ نظام موجود ہے۔

ان ہی دنوں پٹنہ کے مجسٹریٹ نے یہ رپورٹ دی کہ اس شہر میں باغی جماعت کے آدمیوں میں اضافہ ہو رہا ہے اور اس انگریزی حکومت کے دارالخلافہ کے مجاہدین شہر میں بغاوت کی علانیہ تبلیغ کررہے تھے۔ پولیس بھی انہیں دیوانوں کی طرفدار تھی اوران کے لیڈروں میں ایک نے اپنے مکان پر سات سو آدمی اس غرض سے جمع کررکھے تھے کہ اگراس سلسلے میں کوئی مزید تفتیش ہوئی تواس کا مقابلہ ہتھیاروں سے کیا جائے۔سرحد پر مجنونوں کے کیمپ میں روپیہ اورآدمی پہچانے کے لئے جو باغیانہ نظام قائم تھا۔اس کی طرف سے انگریزی حکومت اب زیادہ دیر تک آنکھ بند نہ کرسکتی تھی۔"(۱۵)

"اسی سال (یعنی ۱۸۵۲ء) میں انہوں نے ہمارے حلیف ریاست امب کے نواب صاحب پر حملہ کردیا جس کی وجہ سے انگریزی فوج بھیجنے کی ضرورت محسوس ہوئی۔ ۱۸۵۲ء میں ہمارے بہت سے سپاہی غداروں کے ساتھ خط وکتابت کرنے کے جرم میں سزایاب ہوئے۔"(۱۶)

"میں ان بے عزتیوں، حملوں اور قتل وغارت کی تفصیلات میں جانا نہیں چاہتا جو ۱۸۵۶ء میں سرحدی جنگ کا باعث ہوئے۔اس دوران میں مذہبی دیوانوں نے سرحدی قبائل کو انگریزی حکومت کے خلاف متواتر اکسائے رکھا۔ایک ہی واقعہ تمام حالات کو واضح کردے گا،یعنی ۱۸۵۰ء سے ۱۸۵۷ء تک ہم علیحدہ علیحدہ سولہ ۱۶رفوجی مہمیں بھیجنے پر مجبور ہوئے۔جس سے باقاعدہ فوج کی تعداد ۳۵ر ہزار ہوگئی تھی اور ۱۸۵۶ء سے ۱۸۶۳ء تک ان مہمات کی گنتی بیس(۲۰) ہزار تک پہنچ گئی تھی۔اور باقاعدہ فوج کی مجموعی تعداد ساٹھ ہزار تک ہوگئی تھی ۔بے قاعدہ فوج اور پولیس اس کے علاوہ تھی۔"(۱۷)

"اس اثناء میں ستیانا کیمپ جو ہروقت ہمارے خلاف سرحد میں تعصب کے جذبات کو

(۱۵) ہمارے ہندوستانی مسلمان۔ص۔۳۷۔۳۸ (۱۶) ہمارے ہندوستانی مسلمان۔ص۔۳۸

(۱۷) ہمارے ہندوستانی مسلمان۔ص۔۳۸

ابھارتا رہتا تھا،نہایت عقلمندی سے ہماری فوج کے ساتھ براہ راست مقابلہ کرنے سے گریز کرتا رہا۔لیکن ۱۸۵۷ء میں انہوں نے ہمارے خلاف عام اتحاد کی بناڈالی۔اور یہاں تک گستاخانہ دلیری سے کام لیا کہ انگریزی حاکموں سے بھی تخویف مجرمانہ میں مدد کرنے میں مطالبہ کرنے لگے، چنانچہ ہمارے انکار کرنے پر وہ اس قدر برانگیختہ ہوگئے کہ ہمارے علاقہ پر چڑھ دوڑے۔اور لیفٹننٹ ہورن (Lieut Horn) کے کیمپ پر شبخون مارا جو اس علاقہ کا اسسٹنٹ کمشنر تھا اور اس نے بڑی مشکل سے اپنی جان بچائی۔اس کا بدلہ لینے کے لئے اب زیادہ دیر نہیں کی جاسکتی تھی۔چنانچہ سرسڈنی کوٹن (Sir Sydney Cotton) پانچ ہزار فوج کی معیت میں پہاڑی علاقہ میں داخل ہوگیا، چونکہ یہ جنگ ان جنگوں میں سب سے پہلی تھی جو اس جنونی کیمپ کی وجہ سے ہمیں لڑنی پڑی۔اس لئے میں اس کو یہیں مختصر میں بیان کیئے دیتا ہوں۔اور دوسری لڑائی کو جو ۱۸۶۳ء میں ہوئی صرف بطور مثال پیش کروں گا۔کسی قدر وقت کے بعد جنرل سرسڈنی کوٹن کی فوج نے باغی اتحادیوں کے گاؤں کو جلا کر خاک کردیا۔ان کے دو نہایت اہم قلعوں کو مسمار اور ستیانا کی باغی نوآبادی کو بالکل تہہ وبالا کردیا۔ لیکن مجاہدین نے صرف یہ کیا کہ مہابن پہاڑیوں کی دشوار گزار وادیوں میں پیچھے ہٹ گئے، اوران کی قوت کو ذرا بھی ضعف نہ پہنچنے پایا۔کیونکہ فوراً ہی ہمسایہ قبیلہ نے ملکا کے مقام پر انہیں ایک نوآبادی قائم کرنے کی اجازت دیدی۔"(۱۸)

(۱۸) ہمارے ہندوستانی مسلمان۔ص۔۳۹۔۴۰

چوتھا باب

تحریک مجاہدین کے قائدین

(الف) حضرت سید احمد شہیدؒ

حضرت سید احمد کا پورا خاندان خداترسی، پاکبازی اور خدمت خلق کے لئے مشہور تھا۔ یہی وجہ ہے کہ آپ کے خاندان کی خانقاہ تکیہ شاہ علم اللہ پورے اودھ کا علمی اور روحانی مرکز تھا۔ آپ کے نانا شاہ ابوسعید صاحب حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی کے خاص شاگرد اور آپ کے ماموں شاہ ابواللیث صاحب، حضرت شاہ عبدالعزیزؒ دہلوی کے خاص شاگرد تھے۔

حضرت سید احمد کا ذوق پڑھنے لکھنے کی جانب تو نہیں ہوا، لیکن خدمت خلق کا جذبہ آپ میں کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا تھا۔ محلہ اور پڑوس کے لوگ آپ کے اس جذبہ کے قائل تھے۔ اور آپ کا یہ وصف سبھوں کے دل ودماغ پر چھایا ہوا تھا۔ ۱۷ رسال کی عمر میں آپ کے والد کا انتقال ہو گیا۔ روزگار کی تلاش میں لکھنؤ کا سفر کیا، ہم عصر سات نوجوان تھے۔ سید صاحب نے سفر میں اپنے تمام ساتھی کے سامان کو گٹھری بنا کر اپنے سر پر رکھ لیا۔ اور اس طرح رائے بریلی سے لکھنؤ کا سفر پورا کیا جو تقریباً پچاس میل ہے۔ لکھنؤ پہنچ کر کئی ماہ گزر گئے، کوئی کام نہ ملا۔ آپ نے اپنے ساتھیوں کو مشورہ دیا کہ دہلی چلیں اور شاہ عبدالعزیز صاحب کی خدمت میں حاضر ہو کر دین کی کمائی کریں، ساتھی اس پر راضی نہیں ہوئے تو تنہا دہلی کے لئے روانہ ہو گئے۔

مولانا محمد میاں صاحب تحریر کرتے ہیں:۔

"حضرت سید احمد صحتمند و تندرست تھے۔ آپ کا بدن ورزشی تھا۔ روزانہ صبح کے وقت کم سے کم پانچ سو ڈنڈ لگاتے۔ آپ کے مگدر کا وزن ایک من بائیس سیر تھا۔ ایک خاص مقصد اور پروگرام کے تحت حضرت شاہ عبدالعزیز دہلویؒ نے روحانی کمالات کے بعد آپ کو امیر علی خان کی فوج میں بھرتی کرا دیا۔ فن سپہ گری نے آپ کو مزید ترقی کا موقع دیا۔ سپاہیانہ زندگی کے باوجود آپ خداترس اور

عابد شب بیدار رہے۔

ملازمت کا دور ختم ہوا، آپ دہلی تشریف لائے، حضرت شاہ عبدالعزیز دہلویؒ نے آپ کو امیر قافلہ بنایا۔ اب آپ سیاسی رہنما بھی تھے اور شیخ طریقت بھی۔

حضرت سید صاحب کو انگریزوں کے مقابلہ کے لئے رہبر وقائد بنایا گیا۔ شاہ عبدالعزیز دہلویؒ نے حضرت سید احمد صاحب کے زیر قیادت ایک گروپ بنایا، مولانا عبدالحیٔ صاحب اور مولانا محمد شاہ اسمٰعیل شہید صاحب اس گروپ کے اہم ترین رکن اور سید صاحب کے مشیر خاص قرار دیئے گئے۔

ان تینوں حضرات کی سب کمیٹی کے ذمہ مندرجہ ذیل کام سپرد کئے گئے۔

(۱) ملک میں دورہ کر کے روح انقلاب پیدا کریں

(۲) رضا کار بھرتی کریں اور ان کو فوجی ٹریننگ دیں

(۳) مالیہ فراہم کریں

(۴) دیگر ممالک سے تعلقات پیدا کریں

(۵) فوجی کارواں یعنی باضابطہ جنگ (۱)"

چنانچہ حضرت سید احمد اور ان کے رفقائے کار حضرت مولانا سید عبدالحیٔ اور مولانا سید شاہ محمد اسمٰعیل نے پورے ہندوستان کا دورہ کر کے ملک میں انقلاب کی روح پیدا کر دی، انگریزوں کے خلاف ملک میں بغاوت کیا اور اندرون ملک اپنے آپ کو غیر محفوظ سمجھ کر بیرون ملک سرحدی علاقوں میں آزاد حکومت قائم کی۔ آپ نے تحریک مجاہدین کی بنیاد ڈالی۔ اس تحریک نے ملک کو آزاد کرانے میں اہم رول ادا کیا۔ اس تحریک کی کارگزاریوں کی تفصیل تحریک مجاہدین میں موجود ہے۔

حضرت سید احمد صاحب نے آزاد حکومت قائم کی۔ آپ نے اس کی سربراہی اور امارت کو قبول کیا، مگر آپ نے پہلے واضح کر دیا کہ ان کو نہ حکومت وقیادت کا شوق ہے اور نہ وہ مالک ملک بننا چاہتے ہیں۔ ان کا مقصد صرف اجنبی اقتدار کو ختم کرنا ہے۔ چنانچہ آپ نے جو خطوط لکھے ہیں اس میں اس مضمون کو بار بار دہرایا ہے۔

"خدا گواہ ہے کہ ہمارا منشاء نہ دولت جمع کرنا ہے، نہ اپنی حکومت قائم کرنا، ہم خدائے بالا و برتر کے

---

(۱) سیرت سید احمد شہید مکمل سوانح، علماء ہند کا شاندار ماضی۔ جلد دوم۔ ص ۳۸ تلخیص

ناچیز بندے ہیں۔ نہ بندگان خدا پر جبر وقہر کا کوئی وسوسہ ہمارے دل میں ہے اور نہ کسی کی حکومت چھین لینے کا کوئی جذبہ، ہمارا منشاء وطن کو آزاد کرانا ہے اور بس'' (۲)

راجہ ہندوراؤ کو ایک خط میں تحریر کرتے ہیں:

''جناب کو خوب معلوم ہے کہ وہ بیگانے اور اجنبی جو وطن عزیز سے بہت دور کے رہنے والے ہیں، دنیا جہاں کے بادشاہ بن گئے ہیں۔ اور سودا بیچنے والے بادشاہت کے درجہ پر پہونچ گئے ہیں۔ بڑے بڑے امیروں کی امارت اور بلند مرتبہ رؤساء کی ریاست کو برباد کر دیا ہے۔ اور ان کی عزت اور ان کا اعتماد بالکل ختم کر دیا ہے۔'' (۳)

سکھ اور بعض مسلم سردار انگریزوں سے معاہدہ کر رہے تھے۔ سید صاحب اور ان کے رفقاء اس کے خلاف تھے، اس لئے سید صاحب اور ان کے مجاہدین نے سکھوں اور مسلم سرداروں سے جنگ کی اور جب انگریزوں سے براہ راست سابقہ پڑا تو انگریزوں کے خلاف باضابطہ لڑائی کی۔

سب سے اہم بات یہ ہے کہ سید صاحب اور ان کے مجاہدین نے ایک آزاد مملکت کی حیثیت سے انگریزوں سے جنگ لڑنے کا پروگرام بنایا تھا اور اس کے تحت انہوں نے اپنے مرکز کو آزاد سرحدی قبائل کے علاقے میں قائم کیا تھا۔ اور اپنے خطوط کے ذریعہ سبھوں کو اس حقیقت سے باخبر کیا کہ ہماری لڑائی ان غیر ملکیوں سے ہے، جو ہندوستان میں ایک تاجر کی حیثیت سے آئے اور ہندوستان پر قبضہ کر لیا ہے۔

حضرت سید صاحب کا مہاراجہ رنجیت سنگھ سے نظریاتی اختلاف پہلے سے ہی تھا۔ مہاراجہ جسونت راؤ ہلکر اور امیر علی خان انگریزوں سے لڑتے ہوئے مہاراجہ رنجیت سنگھ اور سکھ سرداروں سے امداد حاصل کرنے کے لئے امرتسر پہونچے تو ان لوگوں نے مدد کرنے سے انکار کر دیا۔ بلکہ تاریخ راجگان پنجاب کے مصنف لیپل گرفن نے تو یہ لکھا ہے کہ مہاراجہ رنجیت سنگھ نے انگریزوں سے یہ معاہدہ بھی کر لیا تھا کہ ہلکر کو امرتسر سے تیس کوس پرے ہٹا دیں گے اور آئندہ اس سے کوئی تعلق نہیں رکھیں گے۔ (۴)

بعض مسلم قبیلے کے سردار بھی مہاراجہ رنجیت سنگھ سے متاثر تھے۔ اور وہ بھی ان کے زیر اثر انگریزوں سے معاہدے کر رہے تھے۔ اس لئے حضرت سید صاحب نے ان سے بھی مقابلہ کیا۔ بالآخر جنگ بالاکوٹ میں ۷ رمئی ۱۸۳۱ کو شہید کر دیئے گئے۔

(۲) علماء ہند کا شاندار ماضی۔ جلد دوم۔ ص۔ ۱۹۲ (۳) نقش حیات۔ جلد دوم۔ ص۔ ۱۳

(۴) علماء ہند کا شاندار ماضی۔ جلد دوم۔ ص۔ ۲۰۹

(ب) شیخ الاسلام مولانا سید عبدالحیؒ

مولانا سید عبدالحیؒ کے والد کا نام ہبت اللہ اور دادا کا نام نور اللہ تھا، جو حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ کے خاص شاگرد تھے۔ اصل وطن بڈھانہ ضلع میرٹھ تھا۔ آپ کی تعلیم وتربیت حضرت شاہ عبدالعزیز دہلویؒ کے زیر سایہ ہوئی۔ آپ حضرت شاہ صاحب کے مشہور ونامور شاگردوں میں سے تھے۔ حضرت شاہ صاحبؒ نے مولانا کو علماء محققین اور شیخ الاسلام تحریر فرمایا ہے۔

علمی کمالات، تدبر، اصابت رائے اور بلند پایہ خطابت کی وجہ سے حد درجہ مقبول تھے۔ آپ کی شہرت صرف دہلی میں نہ تھی، بلکہ اپنے اوصاف کی وجہ سے شمالی ہند کے ممتاز علماء ورہنماء میں شمار ہوتے تھے۔

حضرت شاہ عبدالعزیز دہلویؒ نے انقلابی پروگرام کا قائد حضرت سید احمد بریلویؒ کو بنایا تو ان کے مشیر کار کے طور پر حضرت مولانا سید عبدالحیؒ کو بھی آپ کے ساتھ کر دیا۔ جب آپ حضرت سید صاحب کے حلقہ ارادت میں داخل ہوئے تو اپنی ساری عظمت کو ان کے قدموں پر نثار کر دیا۔ حضرت سید صاحب کی جوتیاں خود اٹھاتے، رکاب تھام کر چلتے اور پالکی کے ساتھ پیدل دوڑتے۔

حضرت مولانا میاں صاحب تحریر کرتے ہیں:

''صاف گوئی اور حق پسندی کا وہ بلند مقام آپ کو حاصل تھا کہ نہ کسی کا ادب واحترام اس پر غالب آسکتا تھا اور نہ کسی کا رعب وطنطنہ وہاں تک پہنچ سکتا تھا۔ (۵)''

حضرت مولانا سید عبدالحیؒ انگریزوں کے خلاف جہاد کے قائل تھے، چنانچہ آپ کے استاد حضرت شاہ عبدالعزیز دہلویؒ نے جب انگریزی حکومت کے تسلط کے بعد ہندوستان کو دارالحرب قرار دیا، اور انگریزوں کے خلاف جہاد کا فتوی صادر کیا تو حضرت مولانا سید احمد عبدالحیؒ نے اس فتوی کی تائید کی۔ پھر کیا تھا، ملک میں انگریزوں کے خلاف علماء کی تحریک شروع ہوگئی۔

انقلابی پروگرام کو کامیاب بنانے کے لئے حضرت شاہ عبدالعزیز دہلویؒ نے حضرت سید احمد بریلوی کی قیادت میں پارٹی کی تشکیل کی، تو ایک مشیر کار کی حیثیت سے آپ کو بھی حضرت سید صاحب کے ساتھ کر دیا۔ چنانچہ سید صاحب کی تمام جدوجہد اور نقل وحرکت میں ایک اعلی مشیر کی حیثیت سے آپ کے ساتھ رہے، ساتھ ہی نہیں رہے، بلکہ دست راست کی حیثیت سے کام کرتے رہے۔

(۵) علماء ہند کا شاندار ماضی۔ جلد دوم۔ ص۔ ۱۶۹

انگریزی حکومت سے محاذ آرائی کے ارادہ سے جب حضرت سید صاحب نے انگریزی حکومت کے دسترس سے دور آزاد سرحدی علاقہ میں آزاد حکومت قائم کی تو آپ اس حکومت کے مشیر اعلی رہے۔ اور آپ کو اس حکومت میں عدالت عالیہ کا جج بنایا گیا۔

جنگ شروع ہونے سے پہلے آپ کو اسہال اور پیچش کی شکایت ہوئی اور اسی میں وفات ہوگئی۔

(ج) حضرت سید شاہ محمد اسمٰعیل شہیدؒ

حضرت سید شاہ محمد اسمٰعیلؒ، حضرت مولانا شاہ عبدالغنی دہلویؒ کے فرزند تھے۔ آپ کے دادا حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ تھے۔ علمی گھرانے میں آپ کی ولادت ہوئی اور اسی فضاء میں تربیت پائی۔ والد کی وفات بچپن میں ہوگئی۔ حضرت شاہ عبدالعزیز دہلویؒ کی صحبت میں پرورش و پرداخت کا موقع میسر آیا۔ حضرت شاہ عبدالعزیز دہلویؒ کی تعلیم وتربیت میں رہ کر حدیث، تفسیر اور فقہ میں مہارت حاصل کی، ساتھ ہی منطق وفلسفہ اور ریاضی واقلیدس میں بھی کمال حاصل کیا۔

آرام وآرائش سے آپ کو نفرت تھی۔ بدن کو تکلیف، مصیبت برداشت کرنے کا خوگر بنایا تھا۔ گرمی وسردی کا کوئی احساس آپ کو نہیں ہوتا تھا۔ دوپہر کے وقت جامع مسجد کے فرش پر ٹہل کر اپنے جسم کو گرمی برداشت کرنے کا عادی بنایا۔ دہلی سے آگرہ تک جمنا میں تیر کر سردی برداشت کرنے کا عادی بنایا اور دہلی سے آگرہ تک جمنا میں تیر کر سردی کے احساس کو ختم کیا، اس طرح اپنے آپ کو تیار کیا کہ کسی بھی وقت خدمت خلق کرسکیں۔ حضرت مولانا میاں تحریر کرتے ہیں:

''گہوارہ علم میں پرورش پانے والا بچہ نازک مزاج ہونا چاہئے تھا، مگر اس کو نزاکت سے نفرت تھی، شوق جہاد اس کی گھٹی میں پڑا تھا، نزاکت آفرینی کے بجائے اس نے اپنے بدن کو شدائد ومصائب کا یہاں تک خوگر بنایا کہ سردی وگرمی کا احساس گویا مفقود ہوگیا تھا۔

اس نے جس طرح منطق وفلسفہ، ریاضی اور اقلیدس میں اعلی کمال حاصل کیا، حدیث وفقہ کا جس طرح وہ ماہر ہوا، ویسے ہی اس نے فن سپہ گری میں بھی استادانہ شان پیدا کی۔ وہ جس طرح مفسر ومحقق، فقیہ اور محدث تھا، ایسے ہی وہ بہترین شمشیر زن اور اعلی درجہ کا

نشانہ باز بھی تھا۔ وہ اعلی درجہ کا مدبر اور مفکر تھا، نظم ونسق کا بہترین ماہر اور ایسے ہی میدان جنگ کا بہترین جرنیل اور فیلڈ مارشل''۔ (۶)

حضرت شاہ عبدالعزیز دہلویؒ نے انقلابی پروگرام بنایا، اور اس کی قیادت حضرت سید احمد شہیدؒ کے ہاتھوں میں دیا تو حضرت شاہ محمد اسمٰعیل صاحبؒ کو بھی آپ کے ساتھ کر دیا۔ حضرت شاہ اسمٰعیل دہلویؒ نے حضرت سید احمد شہیدؒ سے ایسی وابستگی کا اظہار کیا کہ حضرت سید صاحبؒ کے رکاب کو تھامے ہوئے پا پیادہ دوڑتے تھے۔ تحریک مجاہدین میں حضرت سید احمدؒ کے خاص مشیر اور تحریک کے سرگرم قائد تھے۔ ہر موقع اور ہر وقت حضرت سید صاحب کے ساتھ رہے۔ جس امید کے ساتھ حضرت شاہ عبدالعزیز دہلویؒ نے آپ کو سید صاحب کے ساتھ کیا تھا، آپ نے اس کو پورا کیا۔

حضرت مولانا اسمٰعیل دہلویؒ نے تحریک مجاہدین میں سرگرم حصہ لیا۔

''حضرت سید احمد بریلویؒ کے ساتھ اندرون ملک انقلاب پیدا کرنے کے لئے دورہ کیا۔ سید صاحب کے ساتھ حج کے لئے گئے۔ حج سے واپسی کے بعد ہجرت کا ارادہ کیا۔ اور سرحدی علاقہ میں آزاد حکومت قائم کرنے میں حضرت سید احمد صاحبؒ کی قیادت میں اپنی سرگرمیوں کا مظاہرہ کرتے رہے۔

حضرت سید احمد صاحبؒ کی قیادت میں انگریز دوست طاقتوں سے ٹکراتے رہے۔ اسی حالت میں جنگ بالاکوٹ میں ۷ رمئی ۱۸۳۱ء کو شہادت پائی۔'' (۷)

(۶) علماء ہند کا شاندار ماضی۔ جلد دوم۔ ص۔ ۱۷۱

(۷) علماء ہند کا شاندار ماضی۔ جلد دوم۔ ص۔ ۱۷۰

پانچواں باب

تحریک مجاہدین کے علمائے کرام

(۱) مولانا امیر الدین مالدھی

مولانا امیر الدین ضلع مالدہ کے باشندے تھے، ان کے والد رفیق منڈل مولانا عبدالرحمٰن کے معتقد اوران کی تحریک کے خاص رکن تھے۔

مولانا عبدالرحمٰن صاحب لکھنؤ کے باشندہ اور مولانا ولایت علی صاحب کے خلیفہ تھے۔ تقریباً ۱۸۴۰ء میں جب مولانا ولایت علی کے زیر قیادت پورے ہندوستان بالخصوص بہار و بنگال میں بغاوت کے لئے زمین ہموار کی جارہی تھی' مولانا عبدالرحمٰن ضلع مالدہ کے ایک گاؤں میں پہنچے اور ایک مدرسہ میں تعلیمی خدمت انجام دینے لگے۔ اور اجنبیت ختم کرنے کے لئے وہیں ایک خاتون سے عقد کرلیا۔ آپ کی جدوجہد بارآور ہوئی، زمینداروں کے نوجوان لڑکے آپ کے گرد جمع ہوگئے۔ رفیق صاحب بھی انہیں میں سے تھے۔ اور چونکہ اپنے علاقہ کے چودھری تھے اس لئے ان کو منڈل کہا جاتا تھا۔

منڈل صاحب نے اپنے استاد سے بھی بڑھ کر کام کیا اور اس تنظیم کو پورے ضلع بلکہ آس پاس کے دوسرے اضلاع میں پھیلا دیا۔ جماعت کے نظام کے مطابق مجاہدین کی بھرتی کرنے لگے اور مالیہ کی فراہمی کر کے صادقپور کے مرکز میں بھیجنے لگے۔ ۱۸۵۱ء میں سرحد پر کچھ مقابلہ ہوا اس وقت مقامی حکام کی نظر رفیق صاحب کی سرگرمیوں پر پڑی، ان کو گرفتار کرلیا گیا مگر پھر چھوڑ دیا گیا۔ اب رفیق صاحب کے صاحبزادے مولانا امیر الدین صاحب میدان میں آئے اور اتنی سرگرمی سے کام کیا کہ تین ضلع ان کے چارج میں دیئے گئے۔

دسمبر ۱۸۶۳ء میں مقدمہ سازش انبالہ دائر ہوا۔ اور داروگیر کی ایک لہر ایک سرے سے دوسرے سرے تک پورے شمالی ہند میں پھیل گئی۔ لیکن بقول ڈاکٹر ہنٹر "۱۸۶۴ء کا سیاسی مقدمہ غداروں کا جوش کو ٹھنڈا کرنے میں ایسا ہی ناکام ثابت ہوا جیسا کہ ۱۸۶۳ء کی تادیبی مہم۔" (۱)

(۱) ہمارے ہندوستانی مسلمان۔ ص۔ ۱۴۴

مولانا امیر الدین صاحب کی سرگرمی حد سے زیادہ بڑھی ہوئی تھی' ڈاکٹر ہنٹر لکھتے ہیں:

"مگر یاد رکھنا چاہئے کہ ہماری سرحد پر ان غداروں کی ایک سرحدی چوکی میں کل ۴۳۰ جنگ جو تھے۔ اور ان میں سے دس فیصدی اسی شخص کے زیر اثر علاقوں سے آئے ہوئے تھے۔ پھر اسی پر قناعت نہیں کی بلکہ ۱۸۶۸ء میں ایک طرف سرحد پر میدان کارزار گرم تھا اور دوسری جانب مولانا امیر الدین صاحب کی سرگرمی کی یہ حالت تھی کہ خلیفہ کے لڑکے کو مدد کے لئے بلا بھیجا۔" (۲)

"اس کے علاوہ چونکہ ان کا مرکز جنوبی بنگال سے شمال مغرب کو جانے والی سڑک پر واقع تھا۔ لہٰذا ہر بغاوت پھیلانے والے مبلغ کی قیامگاہ تھا، جن کا وہاں سے گذر ہونا رہتا ہے۔ دونوں خلیفہ (مولانا ولایت علی صاحب اور مولانا امیر الدین صاحب) اس کے یہاں قیام کرچکے تھے۔ اور باغی کیمپ کے موجودہ (۱۸۷۰ء کے) سرداروں میں سے ایک شخص سرحد کو جاتے ہوئے یہاں فروکش ہوچکا ہے۔" (۳)

مولانا یحیٰ علی صاحب نے بنگال کی انقلابی پارٹی "فرازی" کو اس تحریک میں شریک کرلیا تھا۔ یہ جماعت اسی علاقہ کی تھی جو مولانا امیر الدین صاحب کے چارج میں تھا۔

ہنٹر آگے لکھتے ہیں:

"۱۸۶۴ء سے ۱۸۶۸ء تک جمع شدہ سرمایہ اور آدمی حسب دستور سرحد جاتے رہے چنانچہ اس سازش کو قابو میں لانے کے لئے ہمیں ایک علیحدہ محکمہ قائم کرنا پڑا۔ اس وقت وہابیوں کی دیکھ بھال اور ان کو اعتدال پر رکھنے کے لئے صرف ایک ہی صوبہ کا خرچ اس قدر بڑھ گیا تھا جتنا ایک انگریزی ضلع کا۔ جس میں اسکاٹ لینڈ کے ایک تہائی انسان بستے ہیں۔ بندوبست، عدالت اور جرائم پر خرچ کرنا پڑتا ہے۔ یہ شر انگیزی اس حد تک پھیل چکی ہے کہ ہمارے لئے اس بات کا معلوم کرنا بہت ہی مشکل ہوگیا ہے کہ اصلاح شروع کی جائے تو کہاں سے۔ ہر

(۲) ہمارے ہندوستانی مسلمان۔ ص۔ ۱۱۹ (۳) ہمارے ہندوستانی مسلمان۔ ص۔ ۱۱۹

ایک ضلع کا مرکز ہزاروں خاندانوں میں بے اطمنانی پھیلاتا ہے اور ان کے خلاف وہی لوگ شہادت دے سکتے ہیں جو ان کے مرید ہوں۔لیکن ان کا یہ حال ہے کہ اپنے سردار سے غداری کے بجائے موت کو ترجیح دیتے ہیں۔

۱۸۶۸ء میں ہماری سلطنت میں پولیس کی تگ ودو اور سرحد پر فوجی چوکیوں کے باوجود ان مجاہدین کی سازشوں نے حکومت ہند کو ایک اور خوں ریز جنگ میں دھکیل دیا' جس میں ہمارا بہت سارو پیہ خرچ ہوا۔اسی سال مالدہ کے مرکز نے بے خطر ہو کر پٹنہ کے خلیفہ کے لڑکے کو دعوت دی کہ وہ بنگال کے عین وسط میں پہنچ کر بغاوت کی تبلیغ کرے۔روزمرہ کی عدالتی کاروائیاں اس بحران کو روکنے کے لئے بالکل بے کار ثابت ہوئیں۔(۴)

ہنٹر مزید لکھتے ہیں:

''سرحد پر فیصلہ کن جنگیں اور عدالتی سزائیں اس قابل نہ ہوئیں کہ مجاہدین کی اتحاد کو توڑ سکیں۔تب ۱۸۶۸ء میں گورنمنٹ نے فیصلہ کیا کہ مجرموں کو گرفتار کرنے کے لئے اپنے استحقاق گرفتاری کو سختی کے ساتھ استعمال کرے۔(۵)''

ہنٹر آگے لکھتے ہیں:

''اس وقت (۱۸۶۳ء) قیدیوں کا ایک گروہ جس کو محکمہ منتظمہ گرفتار کیا تھا مجسٹریٹ کی باقاعدہ تحقیقات کے بعد سیشن کے سپرد ہو چکا ہے۔اور ان کے خلاف پٹنہ میں قانونی کاروائی ہو رہی ہے۔''(۶)

چنانچہ مولانا امیر الدینؒ پر بھی ۱۸۷۰ء کو مالدہ میں مقدمہ چلایا گیا، ہائی کورٹ سے ضبطی جائداد اور کالا پانی کی قید کی سزا ہوئی، مولانا امیر الدینؒ مارچ ۱۸۷۲ء میں انڈمان پہنچے، دس گیارہ سال سختی وجلاوطن گذار کر ۱۳۰۰ھ/ ۱۸۸۳ء میں رہا ہوئے۔(۷)

(۲) مولانا سید نصیر الدین دہلوی

مولانا سید نصیر الدین دہلوی کا ننہیالی رشتہ حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ سے ہے، وہ حضرت شاہ رفیع الدینؒ کے نواسے تھے۔جدید رشتہ کے اعتبار سے حضرت شاہ اسحاق دہلویؒ کے داماد تھے۔آپ نے دہلی میں تعلیم وتربیت حاصل کی۔پھر تدریس کی خدمت انجام دینے کے لئے کلکتہ تشریف لے گئے، حضرت سید احمد شہید قافلہ لے کر حج کے لئے

(۴) ہمارے ہندوستانی مسلمان۔ص۔۱۴۶ (۵) ہمارے ہندوستانی مسلمان۔ص۔۱۵۱
(۶) ہمارے ہندوستانی مسلمان۔ص۔۱۵۲ (۷) علماء ہند کا شاندار ماضی۔جلد سوم۔ص۔۱۲۵

تشریف لے گئے۔اس وقت آپ کا قیام کلکتہ ہی میں تھا۔

حضرت سید احمد اور حضرت مولانا شاہ اسمٰعیل بالاکوٹ میں شہید ہو گئے۔پھر بھی مجاہدین کی جماعت وہاں پہنچتی رہی اور یہ حضرات ان بزرگوں کی شہادت کے بعد بھی ان کے علم جہاد کو بلند کئے ہوئے تھے۔اور یہ تحریک آہستہ آہستہ کمزور پڑتی جارہی تھی۔چنانچہ سید صاحب کی تحریک جہاد کے کارفرماؤں کو ضرورت محسوس ہوئی کہ دوبارہ جماعت تیار کی جائے۔اور سید صاحب کے شروع کئے ہوئے کام میں پھر سے نئی روح پھونکی جائے۔اسی موقع پر لوگوں نے حضرت مولانا سید نصیر الدین دہلوی کو امیر جماعت منتخب کیا اور ان کی نگرانی میں کام شروع کیا گیا۔چنانچہ مولانا نے سید صاحب کے نقش قدم پر چلتے ہوئے ملک کے مختلف حصوں کا دورہ کیا اور دعوت جہاد کے لئے ایک جماعت تیار کی اور سید صاحب کی طرح وطن سے ہجرت کر کے جہاد کی تجدید کے لئے کام شروع کیا۔اس کے بعد آپ نے ٹونک' میرٹھ' اجمیر' امروہہ' رام پور وغیرہ کا دورہ کیا۔حاجی سید عبدالرحیم سورتی' مولوی بہاء الدین چنیا پٹنی' احمد سادہ کار' امام الدین سوزن ساز وغیرہ آپ کے رفیق خاص تھے۔

مولانا کی والدہ باحیات تھیں' ان سے اجازت لے کر ۳/ذی الحجہ ۱۲۵۰ھ/۱۸۳۵ء میں اپنے اہل وعیال کو چھوڑ کر روانہ ہوئے۔اور عرب سرائے میں ٹھہرے، وہاں سے ۶/ذی الحجہ کو روانہ ہوئے اور قطب صاحب میں حوض شمسی کے کنارے مسجد اولیاء کے متصل قیام کیا۔۷/ذی الحجہ کو ریواڑی پہنچے' عید الاضحیٰ کی نماز ادا کی۔وہاں سے ٹونک پہنچے۔ٹونک سے اجمیر پھر جودھپور پہنچے۔جودھپور سے جیسلمیر ہوتے ہوئے سندھ میں داخل ہوئے۔ہر جگہ علماء، زعماء اور مشائخ سے تبادلہ خیال کیا۔اور ساز وسامان فراہم کیا۔پھر وہاں سے یہ قافلہ مزاری بلوچوں کے علاقہ میں پہنچا۔اور وہیں انگریزوں کے خلاف جہاد کیا۔پھر وہاں سے ستھانہ تشریف لے گئے اور اسی کو جہاد حریت کا مرکز بنایا۔

حضرت مولانا نے اس تحریک کو خاص طور پر شمالی ہند میں پھیلایا، سینکڑوں عمائدین اور اپنے علاقہ کے علماء اور زعماء کے نام خطوط بھیجے اور ان سے خط وکتابت کا سلسلہ جاری تھا۔ان حضرات میں سے تقریباً چھ سو حضرات کا تذکرہ سرگذشت مجاہدین میں ملتا ہے۔

حضرت مولانا کی کوشش اور سفر سے پورا شمالی ہند کا مرکز آزادی سے سرشار ہو گیا، اس کے علاوہ دہلی سے

ستھانہ تک کا پورا علاقہ بھی پورے طور پر شعلہ بن چکا تھا۔اسی اثناء میں مولانا کا انتقال ہو گیا۔

حضرت مولانا نے جو کوشش کی تھی، وہ کوشش آتش فشاں کی شکل میں پھٹنے والا تھا۔صرف اس کے لئے ایک حرکت کی ضرورت تھی۔ چنانچہ آپ آئندہ صفحات میں ملاحظہ کریں گے کہ حضرت مولانا کے اس سفر کا ۱۸۵۷ء کے غدر پر کیا اثر پڑا۔اور وہ چنگاری جو دبی ہوئی تھی کس طرح شعلہ بن کر نکلی اور پورا ملک اس کی لپیٹ میں آ گیا اور ہر طرف ملک کی آزادی کے لئے کوشش ہونے لگی۔(۸)

(۳) مولانا محمد بشیر فیروز پوری

مولانا کا اصل نام عبدالرحیم تھا' نام بدل کر محمد بشیر رکھ لیا تھا۔ان کی پیدائش ۱۸۸۵ء میں ہوئی۔ان کے والد مولانا رحیم بخش ماہلو وال ضلع فیروز پور کے رہنے والے تھے۔سید احمد شہید کے ایک خلیفہ سے ان کے بھائی بیعت تھے۔مولانا بشیر عالم عالم فاضل تھے۔ابتداء ہی سے آپ جماعت مجاہدین کے کام میں حصہ لینے لگے تھے۔اگرچہ انکا کاروبار اچھا خاصہ تھا۔لیکن مجاہدین کے ساتھ وہ قلبی تعلق پیدا ہوا کہ سب کچھ چھوڑ کر ہجرت کر گئے۔ ان کے گھر کی معاشی حالت خراب ہوگئی۔لیکن ان کے پائے استقامت میں لغزش نہیں آئی۔ایک بار ایک شخص نے ان وطن لوٹنے کے بارے میں کہا تو اس کے جواب میں انہوں نے کہا کہ:

"میں جس دن گھر بار چھوڑ کر نکلا تھا خدا سے عہد کیا تھا کہ جب تک ہندوستان کی سرزمین پر انگریزوں کا سایہ بھی موجود ہے۔خواہ اس کی حیثیت کچھ بھی ہو، کبھی واپس نہیں آؤنگا۔اور غلام ہندوستان میں سانس لینا بھی اپنے لئے حرام سمجھونگا۔میں یہ عہد اپنے آخری دم تک نبھاؤنگا"

مولانا محمد بشیر اس جذبے کے آدمی تھے۔افغانستان حکومت کی ہمدردی حاصل کرنا ضروری تھا۔اور امیر حبیب اللہ خاں انگریزوں سے مرعوب تھا۔اور ہر ایسے اقدام سے بچتا تھا جس سے انگریزوں کو بدگمانی ہو۔مولانا بشیر نے اس ناممکن کو ممکن بنا دیا۔انہوں نے امیر کے مزاج میں اتنا دخل پیدا کر لیا کہ امیر نے انہیں یاغستان میں تنظیم کے کام کے لئے مامور کیا۔اور ہزاروں ہزار سالانہ اخراجات کے لئے دیا۔مشاہدات کابل و یاغستان کے مصنف نے لکھا ہے کہ امیر پر انگریزوں کا اس قدر خوف تھا کہ وہ علانیہ ان کے خلاف کسی سازش میں شرکت کرنے سے ڈرتا تھا۔ملا بشیر کا یہ کمال ہے کہ

(۸) علماء ہند کا شاندار ماضی۔جلد چہارم۔ص۔۶۲

وہ امیر کو خوف وہراس کے اس گنبد سے نکال لائے۔

کابل کی عارضی حکومت میں وزیر دفاع بنائے گئے تھے اور یاغستان میں لشکر تیار کرنے کی ان کو ذمہ داری دی گئی تھی۔وہ یاغستان میں فوجی تنظیم کے کاموں میں مصروف تھے کہ ایک شخص نے ان پر غفلت میں حملہ کر دیا اور وہ شہید ہو گئے۔"(۹)

(۴)۔ مولانا غلام جیلانی رفعت

مولوی غلام جیلانی بنگش پٹھان تھے۔ملا بحر العلوم اور شاہ عبد العزیز دہلوی کے ارشد تلامذہ میں تھے۔شعر گوئی میں کامل دستگاہ تھی۔رفعت تخلص تھا۔مولوی عبدالقادر خاں لکھتے ہیں:

"فاضل، عارف اور نظم ونثر کے ماہر تھے۔خود بھی اردو و فارسی میں شعر کہتے تھے۔ایک عربی غزل بھی ہے جس کو مفتی امیر اللہ نے اپنی طرف منسوب کر لیا ہے۔اور شیخ احمد یمنی نے بھی انہی کے نام سے لکھ دیا ہے۔ان کے زور طبع کی دلیل ہے۔

ان کے شاگردوں میں مفتی شرف الدین رامپوری، مولوی احمد علی عباسی چڑیا کوٹی، مولوی غیاث الدین عزت (مصنف غیاث اللغات) اور مولانا سید حیدر علی رامپوری مشہور ہیں۔آخر الذکر ان کے داماد بھی تھے۔قوت حافظہ کا یہ حال تھا کہ مشاعرہ ختم ہونے کے بعد اکثر شعراء کی غزلیں اول سے آخر تک پڑھ دیتے تھے۔کسی روہیلہ سردار سے کم نہیں تھے۔چنانچہ جنگ دوجوڑہ کے موقع پر انہوں نے اپنی قربانیاں پیش کیں۔اور نہ صرف جنگ میں پوری طرح شریک رہے۔بلکہ "درمنظوم" کے نام سے اس کے حالات وکوائف میں ایک منظوم کتاب بھی لکھی۔جو اپنی تاثیر میں بے نظیر ہے۔اس کے علاوہ ان کا فارسی دیوان مجموعہ رفعت ہے۔نیز ہشت خلد (فارسی) کے نام سے مختلف شعراء کے اشعار جمع کئے ہیں۔

بعض قرائن سے معلوم ہوتا ہے کہ نجو خان (جو جنگ دوجوڑہ کا ہیرو تھا یہاں تک کہ بعض مؤرخین نے اس جنگ کو جنگ نجوخانی کے نام سے موسوم کیا ہے) سے ان کے گہرے روابط تھے اور نجو خان ان کی بڑی عزت کرتا تھا۔اسی برس کی عمر پائی۔۲۷/ذی الحجہ ۱۲۳۴ھ/۱۸۱۹ء کو رامپور میں انتقال کیا۔(۱۰)"

(۵) مولانا سلیم حیدر آبادی

مولانا سلیم نے مبارز الدولہ کی بغاوت (۱۸۱۵ء۔۱۸۳۹ء) میں حصہ لیا۔ان کے سلسلہ میں سید محمد

(۹) سرگزشت مجاہدین۔ص۔۵۸۱ (۱۰) تحریک آزادی میں علماء کا کردار صفحہ (۴۱۴)

جوادرضوی تحریر کرتے ہیں۔

'' وہ مبارزالدولہ کے بہت ہی قابل اعتماد مشیر اور خاص ساتھی تھے۔وہ بہت ہی ذکی، ہوشیار اور عالم آدمی تھے۔وہابی تحریک کو وسعت دینے اور پھیلانے میں انہوں نے اہم کردار ادا کیا تھا۔اس لئے انہیں بجاطور پر وہابی تحریک کا ایک اہم ستون کہا جا سکتا ہے۔مبارزالدولہ پر ان کا بے حد اثر تھا۔برٹش فوج کے سپاہیوں کو انگریز سرکار کے خلاف بغاوت کے لئے آمادہ کرنے میں ان کا بڑا حصہ تھا۔انہیں یہ ذمہ داری بھی سونپی گئی تھی کہ حیدرآباد کے باہر رہنے والے وہابی تحریک کے رہنماؤں سے ربط رکھیں اور ان سے خط وکتابت کا سلسلہ جاری رکھیں۔ان کی باغیانہ مصروفیات کی بنا پر انہیں کئی مرتبہ گرفتار کیا گیا۔اور بالآخر انہیں ۱۸ رسال کی قید کی سزادی گئی۔اور سزا کی مدت ختم ہونے کے بعد انہیں شہر بدر کر دیا گیا۔''(۱۱)

(۶) مولانا عبدالرزاق حیدرآبادی

مولانا عبدالرزاق نے مبارزالدولہ کی بغاوت (۱۸۱۵ء۔۱۸۳۹ء) میں حصہ لیا۔ان کے سلسلہ میں سید محمد جوادرضوی تحریر کرتے ہیں۔

''حیدرآباد کے رہنے والے تھے۔وہ مبارزالدولہ کے قدیم ملازم تھے اور مولوی کے فرائض انجام دیتے تھے۔ان کی اہم ذمہ داری یہ تھی کہ انگریز سپاہیوں میں وہابی تحریک کا پرچار کریں۔وہ یہ کام عام طور پر مسجدوں میں انجام دیتے تھے۔ان کے ایک خط سے جو تحقیقاتی کمیشن کے سامنے پیش ہوا، ظاہر ہوتا ہے کہ برار سے تین ہزار لوگ وہابی تحریک میں شریک ہونے حیدرآباد آئے تھے۔اس سے یہ اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ اس وقت وہابی تحریک عوام میں کتنی مقبول تھی۔انہیں بھی ۱۴ رسال کی سزادی گئی۔''(۱۲)

(۷) مولانا پیر محمد حیدرآبادی

مولانا پیر محمد نے مبارزالدولہ کی بغاوت (۱۸۱۵ء۔۱۸۳۹ء) میں حصہ لیا۔ان کے سلسلہ میں سید محمد

(۱۱) ریاست حیدرآباد میں جدوجہد آزادی۔ص۔۶۲ (۱۲) ریاست حیدرآباد میں جدوجہد آزادی۔ص۔۶۳

جوادرضوی تحریر کرتے ہیں۔

''ان کا تعلق بھی حیدرآباد سے تھا۔اور مبارزالدولہ کے ملازم تھے۔وہ بڑے قوی، راسخ الخیال اور بہت ہی منصف قسم کے آدمی تھی۔جب پولیس انہیں گرفتار کرنے آئی تو انہوں نے کئی پولیس والوں کو زخمی کر دیا۔وہ قاضی آصف کے ساتھ سندھ گئے تھے۔جہاں سے مبارز والدولہ کے خطوط لایا کرتے تھے۔انہیں بھی ۱۴ رسال کی سزادی گئی۔''(۱۳)

(۸) مولانا علاء الدین حیدرآبادی

مولانا علاء الدین کے سلسلے میں سید محمد جوادرضوی تحریر کرتے ہیں:

''۱۷ رجولائی ۱۸۵۷ء کو حیدرآباد میں برٹش رزیڈنسی پر مجاہدین آزادی کا جو شہرہ آفاق حملہ ہوا تھا، اس کے نامور رہنما مولوی علاؤالدین اور ان کے ساتھی طرہ باز خان تھے۔

مولوی صاحب کا حیدرآباد کے ایک مشہور اور اعلیٰ خاندان سے تعلق تھا۔ان کے جداعلیٰ مولوی حافظ شجاع الدین تھے جو نہ صرف اپنی علمی قابلیت، بلکہ روحانی تقدس اور صوفی مشرب ہونے کے لحاظ سے ایک ذی مرتبہ شخصیت تصور کئے جاتے تھے۔مولوی صاحب اقتدارالدولہ جو شمس الامراء امیر پائیگاہ کے بیٹے اور ناصرالدولہ آصف جاہ چہارم کے داماد تھے، کے یہاں ملازم تھے۔کہا جاتا ہے کہ اقتدارالدولہ کو اپنے بھائیوں کے مقابلہ میں سیاست سے گہری دلچسپی تھی۔مکہ مسجد کے جلسوں میں جہاں وہابی تحریک کے رہنماؤں کی تقاریر ہوا کرتی تھیں، وہ عام طور پر شریک ہوا کرتے تھے۔اس لئے اس کا قوی امکان ہے کہ ان کی ہمت افزائی اور ایما پر مولوی صاحب نے ۱۸۵۷ء کی بغاوت میں نمایاں حصہ لیا ہو۔مولوی صاحب نے کمیشن کے سامنے جو ان پر مقدمہ چلانے کے لئے مقرر کیا گیا تھا، اپنے بیان میں کہا کہ رزیڈنسی پر حملہ کے چند روز پہلے انہیں یہ اطلاع ملی تھی کہ ارباب حکومت کے پاس ایسے چار اشخاص کے نام درج ہیں، جو

(۱۳) ریاست حیدرآباد میں جدوجہد آزادی۔ص۔۶۳ (ج) ریاست حیدرآباد میں جدوجہد آزادی۔ص۔۱۱۷

رزیڈنسی پر حملہ کرنے کی تیاریاں کر رہے ہیں۔ یہ تین اصحاب مولوی صاحب کے علاوہ مولوی ابراہیم، مولوی عبداللہ اور مردہ محمد چاند تھے۔

جمعہ کے دن جب وہ تلاوت قرآن میں مصروف تھے، تو جہانگیر خاں نامی ایک پٹھان چند ساتھیوں کے ساتھ مولوی صاحب کے گھر واقع مغل پورہ آیا۔ وہ بندوق سے لیس تھا۔ آس پاس کے لوگ جمع ہونا شروع ہوگئے۔ مولوی صاحب کو یہ اندازہ ہوگیا کہ یہ لوگ ہر طرح سے لیس ہوکر بغاوت برپا کرنے کے ارادہ سے آئے ہیں۔ مولوی صاحب اس مجمع میں شریک ہوگئے جو جمعہ کی نماز سے فارغ ہوکر چارمینار سے نکلا۔ راستہ میں جہانگیر خاں اور طرہ باز خاں کے ساتھ اس جلوس میں شامل ہوگئے۔ ہزاروں کا یہ لشکر ان دو انقلابیوں کی رہنمائی میں رزیڈنسی پر حملہ آور ہوا۔ ۱۸؍جولائی کی صبح کو طرہ باز خاں گھوڑے پر سوار ہوکر چلے گئے۔ لیکن مولوی صاحب پیدل نکل پڑے۔ اور راز دار خاں پیٹھ سے ہوتے ہوئے قریب کی ایک پہاڑی (غالباً دتاتریہ کا پہاڑ) میں پورا دن گزارا۔ اس دوران انہوں نے خنجر سے اپنے سر کے بال اور داڑھی کو چھوٹا کرکے اپنا حلیہ بدل ڈالا۔ اس کے بعد دھول پیٹھ سے گزر کر فتح دروازہ پہنچے۔ اور پھر شمس آباد کا رخ کیا۔ وہاں سے موضع ''کوچل'' گئے۔ یہاں کچھ دیر آرام لینے کے بعد فرخ نگر کے لئے روانہ ہوگئے۔ جہاں انہوں نے ہفتہ عشرہ قیام کیا۔ وہ کسی زیادہ محفوظ مقام پر رہنا چاہتے تھے۔ اس لئے وہ اپنے چچا کے گھر موضع آرپٹلہ میں رہے۔ جہاں ان کی ملاقات سید بھکو سے ہوئی جو موضع بنگلور (معظم جنگ کی جاگیر کا ایک حصہ تھا) کا محصول دار تھا۔ ان کے توسط سے وہ موضع بنگلور کے حولدار علی محمد سے ملے۔ جنہوں نے پیر محمد کے مکان واقع منگل ملی میں ان کے قیام کا انتظام کیا۔ جہاں وہ ۱۵۔۱۶ مہینے روپوش رہے۔ پھر انہیں گرفتار کرلیا گیا۔ ان کی گرفتاری کے لئے (۵) ہزار روپے کے انعام کا اعلان کیا گیا تھا۔ حیدرآباد کی عدالت میں ان پر مقدمہ چلایا گیا اور حبس دوام کی سزا سنائی گئی۔ اور ۲۸؍جون ۱۸۵۹ء کو انڈومان بھیج دیا گیا۔ جہاں ۱۸۸۴ء میں ان کا انتقال ہوا۔ (۱۴)''

(۱۴) ریاست حیدرآباد میں جدوجہد آزادی۔ ص۔ ۱۱۷

چھٹا باب

۱۸۵۷ء کا غدر اور علمائے کرام

تحریک مجاہدین میں تفصیل سے اس موضوع پر گفتگو کی گئی کہ علمائے کرام نے انگریزوں کی حکومت کے خلاف باضابطہ تحریک چلائی۔ انگریزوں اور ان کے حلیفوں سے لڑائی کی، اور انگریزوں کے خلاف عوام کو بیدار کرنے کے لئے دورے کئے۔ اس میں حضرت سید احمد شہید، حضرت مولانا عبدالحئی اور حضرت مولانا اسمٰعیل شہید نے قائدانہ رول ادا کیا۔ حضرت سید احمد شہیدؒ اور حضرت مولانا اسمٰعیل شہیدؒ کے بعد مولانا سید نصیر الدین دہلوی، مولانا ولایت علی صادقپوری اور مولانا عنایت علی صادقپوری نے اس تحریک کو آگے بڑھایا۔ پورے ملک کا دورہ کرکے عوامی بیداری پیدا کی۔ مولانا نصیر الدین دہلوی نے ٹونک، اجمیر، میرٹھ، امروہہ، رام پور وغیرہ کا دورہ کیا۔ حاجی سید احمد عبدالرحیم سورتی، مولوی بہاء الدین چنیا پٹنی، احمد سادہ کار، امام الدین سوزن ساز وغیرہ آپ کے رفیق خاص تھے۔ اسی طرح مولانا عنایت علی صادقپوری اور ان کے بھائی مولانا ولایت علی صادق پوری بہار اور بنگال میں سرگرم عمل تھے۔

مولانا سید نصیر الدین دہلوی کے دورہ کی تفصیل بیان کرتے ہوئے مولانا سید محمد میاں صاحب رقمطراز ہیں:

''مولانا نصیر الدین صاحب کی والدہ محترمہ باحیات تھیں، ان سے اجازت حاصل کی سفر کا نہایت مختصر سامان ساتھ لیا۔ ۳؍ذی الحجہ ۱۲۵۰ھ (۲؍اپریل ۱۸۳۵ء) کو گھر بار، اہل وعیال، اعزاء واحباب سے مفارقت اختیار کرکے عرب سرائے میں جا ٹھہرے۔ ۶؍ذی الحجہ کو

عرب سرائے سے روانہ ہوئے اور قطب صاحب میں حوض شمسی کے کنارے مسجد اولیا کے متصل قیام کیا۔ ۷ رذی الحجہ کو چلتے تو ریواڑی پہونچے، عیدالاضحیٰ کی نماز یہیں ادا کی۔

ریواڑی سے روانہ ہوکر جے پور قیام کیا، پھر ٹونک پہونچے، جہاں نواب وزیرالدولہ کا دور حکومت تھا، نواب وزیر الدولہ (سید احمد شہید کے پروردۂ خاص) مولانا سید نصیرالدین صاحب کی تشریف آوری کے لئے چشم براہ تھے۔ بڑے حوصلے سے خاطر مدارات کی، مجمع کثیر کے ساتھ حلقہ بگوش ارادت ہوئے، اور رخصت کے وقت کافی سامان نذر کیا۔

مولانا سید نصیرالدین صاحب کا قافلہ ٹونک سے روانہ ہوکر اجمیر پہنچا، پھر جودھپور میں قیام ہوا، سندھ کے علماء، زعماء اور مشائخ سے تبادلہ خیالات کیا گیا، جہاد کی ترغیب دی گئی۔ جس قدر ہوسکا سامان جہاد فراہم کیا گیا۔ ان مرحلوں سے گزرنے کے بعد یہ قافلہ مزاری بلوچوں کے علاقہ میں پہونچا، اور اسی علاقہ کو قیام کے لئے منتخب کرلیا۔ جہاں کچھ معرکے ہوئے۔ پھر آپ ستھانہ تشریف لے گئے، اور اسی کو جہاد حریت کا مرکز بنالیا۔ مگر ابھی پوری طرح جمنے نہ پائے تھے کہ پیغام اجل آپہونچا، جس کو لبیک کہنا ناگزیر تھا، رحمہ اللہ وقدس سرہ، یہ چند سطریں جو اوپر گزریں سیرت سید نصیرالدین کا نقش ناتمام ہیں۔

وہ خاص بات جس کے لئے مولانا نصیرالدین صاحب کا تذکرہ یہاں کیا گیا ہے یہ ہے کہ آپ کی جدوجہد چند نفوس کی جانبازی اور سرفروشی تک محدود نہیں تھی بلکہ جذبات حریت کے جو شعلے آپ کے دل و دماغ میں مشتعل تھے، آپ نے ان کی چنگاریاں پورے شمالی ہند میں پھیلادی تھی، وہ سینکڑوں عمائدین اور اپنے اپنے علاقہ کے سربرآوردہ علماء وزعماء جن کے پاس مولانا نصیرالدین نے اعلام نامے بھیجے اور جن سے نامہ وپیام کا سلسلہ جاری رہا، ان میں سے محترم غلام رسول مہر نے ایک سو چھ حضرات کے نام دریافت کرلئے ہیں۔ یہ بزرگ اور رہنما دہلی، میرٹھ، پھلت، نگینہ، گڈھ مکتیسر، امروہہ، مرادآباد، رام پور، بریلی، کانپور، لکھنو، فرخ آباد، باندہ، قنوج، جونپور، غازی پور، بنارس، آرہ، سہسرام، پٹنہ، مظفرپور، چھپرہ، مونگیر، کلکتہ، اور نواح کلکتہ کے رہنے والے تھے۔ (۱)

(۱) علماء ہند کا شاندار ماضی۔ جلد چہارم۔ ص۔ ۶۸۔۶۷

غلام رسول مہر کے مطابق ان حضرات کے نام حسب ذیل ہیں۔

”دہلی ونواح دہلی: مولانا شاہ اسحاق صاحب، مولانا شاہ یعقوب صاحب، مولوی محبوب علی صاحب، مولوی نصیرالدین صاحب، مولوی مظفرحسین صاحب، مولوی شیخ محمد صاحب، حاجی محمد مزمل، مولوی حافظ محمد حسین مولوی کرم اللہ، مولوی الٰہی بخش، مولوی جمال الدین، حافظ عبدالرحمٰن، مولوی وزیرعلی، منشی ایزدبخش، امیرالدین، امین الدین، حافظ عبدالرزاق، مولوی عبداللہ، مولوی محمد علی، مولوی بہاء الدین، مولوی عبدالخالق، مولوی علی امام، حافظ اکرام الدین، مولوی شاہ علی، مولوی عبداللہ خاں علوی، بشارت خاں، مولوی عبدالمجید، قاری احمد زمان، حافظ جھجو بیگ، حافظ احمد خاں، عظیم اللہ خان، مرزا ایوب بیگ، میاں احمد، میاں نجابت علی، قاضی عبدالرحمان عرف سرائے والے، میاں غلام محی الدین، حافظ ولی محمد، میاں رکن الدین، میاں الٰہی بخش آئینہ ساز، مولوی امداد علی، مولوی نذیر حسین۔

میرٹھ: مولوی بزرگ علی' مولوی عنایت احمد' مولوی محمد متقی وغیرہ۔

پھلت ونگینہ: مولوی وحیدالدین، مولوی خدا بخش، مولوی تہور علی، مولوی خیر الدین، مولوی منیرالدین۔

امروہہ: مولوی رمضان علی' مولوی امانت علی' مولوی کریم اللہ' شیخ رحمٰن بخش' صوفی صاحب' شاہ غلام علی، میرہدی۔

مرادآباد:۔ حافظ عبدالرحیم، میاں عثمان، میانجی خلیفہ۔

گڈھ مکتیسر:۔ حاجی صبغۃ اللہ، شیخ محمد حسین۔

رام پور: مولوی حیدرعلی، مولوی نورالاسلام، اخوندزعفران، اکبرعلی خاں، شاہ دل خاں، حافظ احمد علی، مرتضی خاں، اخوندامام الدین وغیرہ۔

لکھنو: مرزا حسن علی، مولوی خرج علی۔

قنوج: سیداولاد حسین۔

جون پور: مولوی سخاوت علی، مولوی کرامت علی، مولوی محمود علی، مولوی الٰہی بخش، مولوی مکارم خاں، وغیرہ ساکنان فرخ آباد، باندہ، بریلی۔

بنارس: مولوی احمد اللہ، مولوی رحمت اللہ، حافظ صدیق۔

غازی پور: شیخ فرزند علی، مولوی محمد فصیح صاحب۔

عظیم آباد: شاہ محمد حسین صاحب، مولوی ولایت علی صاحب، مولوی الٰہی بخش صاحب۔

کلکتہ ونواح کلکتہ: مولوی محمد علی صاحب، مولوی امام الدین صاحب، مولوی مراد صاحب، قاضی عبد الباری صاحب، صوفی نور محمد صاحب، منشی غلام رحمٰن صاحب، مولوی حراست اللہ صاحب، مولوی عبداللہ صاحب، مستری رجب علی صاحب۔

اجمیر: مولوی سراج الدین صاحب۔

ٹونک: مولوی خلیق الرحمٰن صاحب، مولوی بہادر علی صاحب، سید حمید الدین صاحب (خواہر زادہ سید صاحب) سید زین العابدین صاحب، سید ابوالقاسم صاحب (ابناء سید احمد علی خواہر زادہ سید صاحب) سید محمد یعقوب صاحب برادر زادہ سید صاحب۔" (۲)

ادھر مولانا ولایت علی نے شمالی ہند اور جنوبی ہند میں بمبئی کا دورہ کیا۔ پھر آزاد قبائل کا دورہ کر کے وہاں آزاد مرکز قائم کیا۔ مولانا ولایت علی اپنے دورہ میں حیدر آباد بھی گئے۔ اس وقت نواب ناصر الدین کی حکومت تھی ۔وہاں ناصر الدین کے بھائی مبارز الدولہ نے مولانا ولایت علی کی دعوت قبول کر لی۔ پھر آپ نے پٹنہ واپسی کا ارادہ کیا۔ برہان پور، جبل پور، ہرسنگھ پور، کندولی اور سیونی وغیرہ کا دورہ کرتے ہوئے دو سال میں پٹنہ پہنچے اور پھر انقلابی پارٹی کی تشکیل شروع کر دی۔ آپ نے اپنا مرکز صادق پور (عظیم آباد) کو بنایا۔

ادھر مولانا عنایت علی نے بنگال کا دورہ کیا، پھر وہاں سے سرحد پہنچے اور مولانا ولایت علی کا قافلہ اس وقت کہنہ سرائے پنجاب میں ٹھہرا ہوا تھا۔ وہاں ان سے ملاقات کی اور پھر نئے راستے پر چل پڑے، اور منگل تھانہ ہوتے ہوئے ستھانہ تشریف لے گئے۔

اس طرح تحریک مجاہدین کے علماء نے پورے ملک کا دورہ کر کے عوامی بیداری پیدا کی۔

(۲) علماء ہند کا شاندار ماضی۔ جلد چہارم۔ ص۔ ٦٨

۱۸۵۷ء کا غدر یکا یک رونما نہیں ہوا۔ بلکہ یہ برسوں کی کوشش کا نتیجہ تھا۔ اس کے جہاں بہت سے عوامل ہیں، جن میں سب سے بڑا عامل (Factor) انگریزوں کے خلاف عوامی بیداری ہے۔ تحریک مجاہدین کے سلسلہ میں حضرت سید احمد شہیدؒ سے لے کر ۱۸۵۷ء تک کی روداد سے آپ بخوبی واقف ہو چکے ہیں کہ ان حضرات نے انگریزوں کے خلاف کس کس طرح تحریک چلائی۔ لڑائیاں لڑیں اور سفر اور دورے کر کے عوام کو بیدار کیا۔ چنانچہ ۱۸۵۷ء کے غدر کا جب آپ مطالعہ کریں گے، تو ان علاقوں میں غدر کا زیادہ زور پائیں گے، جن علاقوں سے مجاہدین کا تعلق تھا۔ مولانا سید میاں صاحب تحریر کرتے ہیں:

"میرٹھ کے باغی فوج کے سامنے صاحب ریزیڈنٹ بہادر دہلی کی اس تقریر کے بعد اس کے ایک ایک فقرے میں امیدوں کے سرسبز وشاداب باغ دکھائے گئے تھے، میرٹھ سے آئے ہوئے انقلابی فوجیوں کی یہ صدا آج بھی کانوں میں گونج رہی ہے۔

اب سرکار جو چاہے کرے، ہم سب مرنے پر تیار ہیں، اور ہم اپنے آپ کو اس وقت مردہ تصور کر چکے ہیں، جس وقت جیل خانہ توڑ کر افسران کو برآمد کیا تھا۔

کہہ سکتے ہو، فوجوں میں یہ جوش وخروش حال کی پیداوار ہے، لیکن حقیقت تو یہ ہے کہ شمالی ہند کا تقریباً دو ہزار میل لا بناوہ علاقہ جو حضرت سید صاحب اور ان کے رفقاء اور خلفاء کا آماجگاہ رہا تھا، اسی جوش وخروش کے انگاروں میں دہک رہا تھا، کیا اس پورے علاقہ میں عوام کا جوش وخروش انہیں چند ماہ کی پیداوار ہے جب سے کارتوسوں کا معاملہ پیش آیا تھا اور خفیہ طور پر چپاتیاں تقسیم ہونی شروع ہوئیں تھیں۔

عوامی تحریکوں کا جن کو تجربہ ہے وہ سمجھ سکتے ہیں کہ عوام میں بیداری پیدا کرنا کتنا صبر آزما اور کتنا مدت طلب کام ہے۔ بالخصوص ایسی بیداری جوان کو اس پر آمادہ کرے کہ یا تن رسد بجاناں یا جاں زتن برآمد (۳)"

غدر کے موقع پر فوجیوں کا یہ لب ولہجہ کوئی چند دنوں کی پیداوار نہیں تھی، بلکہ مجاہدین کی پیہم کوششوں کا بھی اس میں زیادہ حصہ شامل ہے۔ ہندوستانی فوجیوں کو بغاوت پر اکسانے کے لئے مجاہدین کی خفیہ سازش ہمیشہ جاری رہی، اس سلسلہ میں ولیم ویلسن ہنٹر کی تحریر ملاحظہ ہو:

(۳) علماء ہند کا شاندار ماضی۔ جلد چہارم۔ ص۔ ٦١

''۱۸۵۲ء میں انہوں (مجاہدین) نے خیال کیا کہ اپنے طے شدہ پروگرام کو عملی جامہ پہنانے کا مناسب وقت آ گیا ہے۔ روپیہ اور آدمی ہمارے علاقوں سے ستیانا کیمپ کو متواتر جارہے تھے۔ اس سلسلہ میں حکومت پنجاب نے ہماری فوج کے ساتھ سازشی خط وکتابت بھی پکڑلی تھی' یعنی انہوں نے کمال عیاری کے ساتھ ہماری ۴رنمبر دیسی پیادہ فوج کے ساتھ سازش کی تھی جو اس وقت راولپنڈی میں مقیم تھی' اور متعصب نو آبادی کے بہت ہی قریب تھی۔ اگر وہ ہمارے صوبے پر چڑھائی کرتے تو یہی رجمنٹ تھی جو سب سے پہلے ان کے مقابلے کے لئے بھیجی جاتی۔ ان خطوط سے یہ بات پایہ ثبوت کو پہنچ گئی تھی کہ بنگال سے باغی کیمپ تک روپیہ اور آدمی پہنچانے کے لئے ایک باقاعدہ نظام موجود ہے۔

ان ہی دنوں پٹنہ کے مجسٹریٹ نے یہ رپورٹ دی کہ اس شہر میں باغی جماعت کے آدمیوں میں اضافہ ہو رہا ہے۔ اور اس انگریزی صوبہ کے دارالخلافہ کے مجاہدین شہر میں بغاوت کی علانیہ تبلیغ کر رہے تھے۔ پولیس بھی انہیں دیوانوں کی طرفدار تھی' اور ان کے لیڈروں میں سے ایک نے اپنے مکان پر سات سو آدمی اس غرض سے جمع کر رکھے تھے کہ اگر اس سلسلہ میں کوئی مزید تفتیش ہوئی تو اس کا مقابلہ ہتھیار سے کیا جائے گا۔

۱۸۵۲ء میں ہمارے بہت سے سپاہی غداروں کے ساتھ خط وکتابت کرنے کے جرم میں سزایاب ہوئے۔ (۴)''

''میں ان بے عزتیوں' حملوں' اور قتل وغارت کی تفصیلات میں جانا نہیں چاہتا جو ۱۸۵٦ء میں سرحدی جنگ کا باعث ہوئے' اس دوران مذہبی دیوانوں نے سرحدی قبائل کو انگریزی حکومت کے خلاف متواتر اکسائے رکھا۔ (۵)''

تقی رحیم صاحب اپنی کتاب ''تحریک آزادی میں بہار کے مسلمانوں کا حصہ'' میں تحریر کرتے ہیں:

''پھر اس حقیقت سے کیسے انکار کیا جاسکتا ہے کہ وہابیوں نے ۱۸۳۹ء کے پہلے ہی سے کمپنی کے ہندوستانی فوجیوں سے رابطہ پیدا کر کے ان میں انگریزوں کے خلاف بیزاری اور برہمی کے جذبات ابھارنے کا کام شروع کر دیا تھا' جسے اپنی جہادی حکمت عملی کا ایک لازمی پہلو سمجھ کر انہوں نے برابر جاری رکھا اور جس سے ۱۸۵۷ء کے باغی رہنماؤں نے پورا فائدہ اٹھایا۔ (٦)

---

(۴) ہمارے ہندوستانی مسلمان۔ص۔۳۷ (۵) ہمارے ہندوستانی مسلمان۔ص۔۳۸

(٦) تحریک آزادی میں بہار کے مسلمانوں کا حصہ۔ص۔٦٨

اس سلسلہ میں تقی رحیم مزید رقمطراز ہیں:

''ڈاکٹر قیام الدین نے اپنی کتاب وہابی موومنٹ میں اس مقدمہ پر زیادہ تفصیل سے روشنی ڈالی ہے۔ ان کے بیان کے مطابق راحت علی اور پیر بخش کی ملاقات ستمبر ۱۸۴۵ء کو ہوئی اور اس ملاقات کے وقت ایک شخص سیف علی بھی موجود تھا۔ جس کا راحت علی نے پیر بخش سے تعارف کرایا، اور اس تعارف کی بناء پر سیف علی کچھ کتابیں فروخت کرنے کے بہانے پیر بخش سے ملتا رہا۔ بعد میں سیف علی نے پیر بخش کا تعارف خواجہ حسن علی سے ان کے مکان پر کرایا۔ جہاں انہوں نے مذہبی معاملات میں فرنگیوں کی مداخلت کا ذکر کرتے ہوئے فوج کو بغاوت پر آمادہ کرنے کے اپنے منصوبے کا ذکر کیا۔ پیر بخش کے پوچھنے پر یہ بھی بتایا کہ ہم لوگ کانپور' بنارس' الہ آباد' سگولی اور دورنڈہ کی فوجی چھاؤنیوں میں بھی کام کر رہے ہیں' ساتھ ہی یہ کہا کہ ہم نہیں چاہتے کہ فوجی ابھی ہمارے ساتھ آجائیں' اور جنگ کرنے لگیں' بلکہ جب بغاوت ہو جائے تو وہ ہمارے ساتھ ہوں۔ اگر رجمنٹ کے سردار ہماری دعوت قبول کریں تو انہیں ایک ماہ کی تنخواہ دیں گے۔ ہمیں ایک کروڑ تک روپئے خرچ کرنے کا اختیار ہے۔ ڈاکٹر قیام الدین کے تحقیق کے مطابق سیف علی امیر خاں والی ٹونک کے بیٹے کا فرستادہ اور ایجنٹ تھا۔ (۷)

مولانا سید محمد میاں صاحب ایک دوسری جگہ تحریر کرتے ہیں:

''جہاں تک ۱۸۵۷ء کی تحریک میں ان حضرات کی شرکت کا تعلق ہے تو یہ درست ہے کہ ان میں سے بہت سے وہ ہوں گے جو ۱۸۵۷ء سے پہلے ہی زندگی کے تمام مرحلے طے کر کے دارالبقاء کے منزل گزیں ہو چکے ہوں گے، اور یہ بھی ممکن ہے کہ بہت سوں کے جذبات افسردہ ہو چکے ہوں اور اس دار فناء میں زندہ رہتے ہوئے ان کے جذبات حریت فنا ہو چکے ہوں، لیکن جب ہم دیکھتے ہیں کہ یہی مقام ۱۸۵۷ء کے جہاد آزادی میں قربان گاہ ایثار و

---

(۷) تحریک آزادی میں بہار کے مسلمانوں کا حصہ۔ص۔۷۵

فدائیت بنے اور یہی آتش دان تھے جن کے شراروں نے شمالی ہند کے بڑے حصہ کو آتش کدہ حرب وضرب بنا دیا، تو کیا ہمیں یہ فرض کرنا ضروری ہوگا کہ جو تپش مولانا سید نصیر الدین صاحبؒ نے پیدا کی تھی وہ سرد ہو چکی تھی۔اس کا نام ونشان باقی نہیں رہا تھا، یا قرین قیاس یہ ہے کہ وہی چنگاریاں جن کو مولانا نصیر الدین صاحب نے اپنی پھونکوں سے جگہ جگہ سلگا یا تھا۔ ۱۸۵۷ء کے بادصرصر نے دفعتاً ان کو آتش فروزاں بنا دیا۔تحریکات کی تدریجی رفتار اور ان کے مدوجزر سے جو واقف ہیں، انکا فیصلہ وہی ہوگا جن کو قرین قیاس بتایا گیا ہے۔(۸)

۱۸۵۷ء کے غدر کو علمائے کرام نے مذہبی اصول کے مطابق جہاد میں تبدیل کر دیا۔ابتداء میں جہاں جہاد کی شکل موجود نہیں تھی، وہاں علماء میں سے بعض حضرات نے حصہ نہیں لیا۔لیکن جوں ہی جہاد کے شرائط پورے ہو گئے۔تحریک میں شامل ہو گئے۔اس کا اندازہ اس تحریر سے بھی ہوتا ہے۔جو تاریخ عروج عہد انگلیشیہ میں شمس العلماء ذکاء اللہ خاں نے تحریر کیا ہے۔

’’سب سے اول مولوی رحمت اللہ کیرانہ سے اس ٹوہ میں آئے کہ دہلی میں جہاد کی کیا صورت ہے، وہ بڑے فاضل تھے، عیسائی مذہب کے رد میں صاحب تصنیف تھے۔وہ قلعہ کے پاس مولوی محمد حیات کی مسجد میں اترے، اس دانشمند مولوی کے نزدیک دہلی میں جہاد کی کوئی صورت نہ تھی، بلکہ ایک ہنگامہ فساد برپا تھا وہ یہ سمجھ کر اپنے وطن چلا گیا۔‘‘(۹)

یہ صحیح ہے کہ مولانا رحمت اللہ کیرانوی نے اس وقت کے حالات کے مطابق یہی فیصلہ کیا۔لیکن پھر جب جہاد کی شکل پیدا ہوئی، اس میں شامل ہو گئے، چنانچہ مولانا سید میاں صاحب تحریر کرتے ہیں

’’بظاہر یہ صحیح ہے کہ مولانا رحمت اللہ صاحب نے اس وقت کے حالات دیکھ کر یہی رائے قائم کی جو شمس العلماء نے تحریر فرمائی ہے۔لیکن آخر تک مولانا رحمت اللہ اور ان کی جماعت اس تحریک سے کنارہ کش نہیں رہی، جہاد کا وہ فتوی جس پر اسی کتابچہ میں تفصیل سے بحث ہو چکی ہے، اس پر ایک دستخط ’’رحمت اللہ‘‘ بھی ہے۔ جانے پہچانے مولانا رحمت اللہ یہی ہیں اور

(۸) علماء ہند کا شاندار ماضی۔جلد سوم۔ص۔۶۹ (۹) عروج عہد انگلیشیہ۔ص۔۱۷

اس دستخط کی شہادت یہ ہے کہ مولانا رحمت اللہ اور ان کی جماعت نے تحریک میں پوری سرگرمی سے کام لیا۔البتہ یہ بھی صحیح ہے کہ شروع میں نہیں بلکہ اس وقت جب جنرل بخت خاں اور امیر جماعت مولانا سرفراز علی صاحب دہلی پہنچ کر تحریک کو منظم کر لیا اور انقلابی کاروائیوں میں باضابطہ جہاد کی شکل پیدا کر دی‘‘(۱۰)

غدر کے موقعے پر جامع مسجد میں علماء کا اجتماع ہوا، اور اسی مجلس میں فتوی مرتب کر کے اس کا جواب دیا گیا۔اس پر اس مجلس میں موجود مشاہیر علماء کرام نے دستخط کئے۔اور پھر یہ عذر نہیں رہا۔بلکہ جہاد کی شکل پیدا ہو گئی۔اور جوق در جوق علماء اور جہادی اس میں حصہ لینے لگے۔فتوی اور اس کا جواب حسب ذیل ہے، جو سو تنتر دہلی اور نوائے آزادی میں شائع ہوا، ساتھ ہی صادق اخبار دہلی مورخہ ۲۶ ؍ جولائی ۱۸۵۷ء میں بھی شائع ہوا۔

’’سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین اس امر میں کہ اب جو انگریز دلی پر چڑھ آئے اور اہل اسلام کی جان و مال کا ارادہ رکھتے ہیں، اس صورت میں اب شہر والوں پر جہاد فرض ہے یا نہیں؟ اور اگر فرض ہے تو وہ فرض عین ہے یا نہیں؟ اور لوگ جو اور شہروں اور بستیوں والے ہیں ان کو بھی جہاد چاہئے یا نہیں؟ بیان کرو، اللہ تم کو جزاء خیر دے۔

جواب:۔ درصورت مرقومہ فرض عین ہے، اوپر تمام اس شہر کے لوگوں کے اور استطاعت ضرور ہے اس کی فرضیت کے واسطے۔چنانچہ اب اس شہر والوں کو طاقت مقابلہ اور لڑائی کی ہے بسبب کثرت اجتماع افواج کے اور مہیا اور موجود ہونے آلات حرب کے۔تو فرض عین ہونے میں کیا شک رہا۔اور اطراف و احوال کے لوگوں پر جو دور ہیں، باوجود خبر کے فرض کفایہ ہے۔ہاں اگر اس شہر کے لوگ باہر ہو جائیں، مقابلے سے یا سستی کریں اور مقابلہ نہ کریں تو اس صورت میں ان پر بھی فرض ہو جاوے گا۔اور اسی طرح اور اسی ترتیب سے سارے اہل زمین پر ’’شرقاً وغرباً‘‘ فرض عین ہوگا۔اور جو عدو اور بستیوں پر ہجوم اور قتل و غارت کا ارادہ کریں تو اس بستی والوں پر بھی فرض عین ہو جائیگا بشرط ان کی طاقت کے۔العبد المجیب احقر: نور جمال عفی عنہ اس فتوی کا عکس جو سو تنتر دھلی اور نوائے آزادی میں شائع ہوے ہیں اس میں اس جواب کے نتیجے مندرجہ ذیل علماء کے دستخط اور مہریں بھی ہیں:

(۱) سید محمد نذیر حسین (۲) رحمت اللہ (۳) مفتی محمد صدر الدین (۴) مفتی اکرام اللہ معروف سید رحمت

(۱۰) علماء ہند کا شاندار ماضی۔جلد چہارم۔ص۔۲۵۲

علی (۵) محمد ضیاء الدین (٦) عبدالقادر (۷) فقیر احمد سعید احمدی (۸) محمد میر خان (یا میر محمد خان یا میر خان محمد) (۹) عبدالکریم (۱۰) فقیر سکندر علی (۱۱) محمد کریم اللہ (۱۲) مولوی عبدالغنی (۱۳) خادم العلماء محمد عبدالغنی (۱۴) فریدالدین (۱۵) محمد سرفراز علی (١٦) سید محبوب علی جعفری (۱۷) ابواحمد محمد حامی الدین (۱۸) سید احمد علی (۱۹) الٰہی بخش (۲۰) محمد مصطفی خاں ولد حیدر شاہ نقش بندی (۲۱) محمد انصار علی (۲۲) مولوی سعید الدین (۲۳) حفیظ اللہ خاں (۲۴) محمد نوالحق عفی عنہ (۲۵) سراج العلماء ضیاء الفقہاء مفتی عدالت العالیہ محمد رحمت علی خاں (٢٦) واللہ الغنی وانتم الفقراء (۲۷) حیدر علی (۲۸) سیف الرحمٰن (۲۹) سید عبدالحمید عفی اللہ عنہ (۳۰) محمد ہاشم (۳۱) سید حافظ (۳۲) محمد امداد علی عفی عنہ (۳۳) خادم شرع شریف رسول الثقلین قاضی القضاۃ محمد علی حسین (۱۱)"

علمائے کرام کی تحریک نے عوام میں عام بیداری پیدا کر دی تھی اور ان کے دورے نے لوگوں کے جذبہ جہاد کو بھڑکا دیا تھا۔ چنانچہ جب غدر ہوا تو ملک کے مختلف حصوں سے جہادیوں کا دہلی آنا شروع ہو گیا۔ اسکے علاوہ ملک کے ہر گوشہ میں بغاوت پھوٹ پڑی۔ شمس العلماء ذکاءاللہ خاں تحریر کرتے ہیں:

"(۱) سو دو سو کے قریب وہاں جہادی بن کر ٹونک سے آئے۔

(۲) جے پور، مانسی، فصار، بھوپال سے بھی جہادی آئے، تین چار سو جہادیوں کا مجمع ہو گیا۔

(۳) دہلی میں جب باغی سپاہ کے افسر اعلی بخت خاں اور غوث محمد خاں و مولوی امام خاں رسالدار جمع ہوئے اور ان کے ساتھ مولوی عبدالغفار اور مولوی سرفراز علی آئے تو پھر وہابیوں کا اجتماع دہلی سے شروع ہوا، اور مولوی سرفراز علی جہادیوں کے میر لشکر اور بخت خاں اس کا معاون ہوا (۱۲)"

"(۴) غلام معین الدین رسالدار نے بادشاہ کو عرضی دی کہ فدوی ٹونک سے تقریباً پانچ سو آدمیوں کے ساتھ آیا ہے ان کو سپاہ کی صورت میں مرتب کیا اور پندرہ سو اور جہادی یا شہید بننے کے لئے جمع ہوئے ہیں۔ (۱۳)"

---

(۱۱) علماء ہند کا شاندار ماضی۔ جلد چہارم۔ ص۔ ۱۷۹ (۱۲) تاریخ عروج انگلشیہ۔ ص۔ ٦۷۵
(۱۳) تاریخ عروج انگلشیہ۔ ص۔ ٦۷۰

منشی جیون لال نے بھی اپنے روزنامچہ میں جہادیوں کا تفصیل سے ذکر کیا ہے۔

"۲۵ر جون ۱۸۵۷ء گوڑ گاؤں اور قرب، جوار کے دوسرے علاقوں سے چار سو مجاہدین دہلی میں آئے۔

۳۰ر جون ۱۸۵۷ء:۔ پانچ سو مجاہد انگریزوں کے پاس سے ایک ہاتھی چھین کر لائے اور اسے بادشاہ کی خدمت میں پیش کیا۔

۲ر جولائی ۱۸۵۷ء:۔ بخت خاں نے اطلاع دی کہ شہر کے باہر میں حسب ذیل فوج کے ساتھ لڑنے کی تیاری کر رہا ہوں۔

چار پیدل فوجیں، سات سو سوار، چھ بھاری توپیں جنہیں بھیجنے کے لئے گھوڑے استعمال کئے جاتے ہیں۔ تین میدانی توپیں۔ ایک سو مجاہدین۔

۹ر جولائی ۱۸۵۷ء:۔ جنرل بخت خاں نے سواروں اور پیدل فوج کے سپاہیوں کے ساتھ انگریزی کیمپ میں گھس کر حملہ کیا اور بہت سے افسروں اور سپاہیوں کو تہہ تیغ کر دیا۔ کہتے ہیں توپچیوں نے جنرل بخت خاں کو پہچان لیا۔ اس معرکہ میں جہادی بھی شریک تھے۔

۲۱ر جولائی ۱۸۵۷ء:۔ ٹونک سے چھ مجاہد آئے اور آج بادشاہ کے حضور میں حاضر ہوئے۔ انہوں نے اطلاع دی کہ ابھی دو ہزار مجاہد اور آنے والے ہیں، بادشاہ نے جواب دیا میرے پاس تم لوگوں کے رسد کا انتظام نہیں ہے۔

۲۴ر جولائی ۱۸۵۷ء:۔ نجیب آباد سے تقریباً دو سو جہادی آئے اور شہر کے باہر قیام پذیر ہوئے۔

۳۱ر جولائی ۱۸۵۷ء:۔ جہادیوں کا ایک قائد اعظم ٹونک سے آیا اور بادشاہ کی خدمت میں نذر پیش کی۔

۳ر اگست/ ۱۸۵۷ء: نصیر آباد سے چند جہادیوں کا معروضہ موصول ہوا کہ چھ ہزار سپاہی ایک دل ایک جان ہو رہے ہیں۔

۵ راگست: جہادیوں نے شکایت کی کہ صرف ہم ہی ایسے ہیں جو انگریزوں سے نہایت جوش سے لڑتے ہیں اور فوج کے آدمی ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھے رہتے ہیں۔

۲ رستمبر: خبر ملی کہ چند ہزار جہادی مولوی جلال الدین کی سرکردگی میں کھلے میدان میں لڑنے کے لئے نکلے جس کا نتیجہ ہوا کہ مولوی اور ان کے کئی سو ساتھی مارے گئے۔ (۱۴)

۱۸۵۷ء کی تحریک میں مجاہدین نے سرگرم حصہ لیا۔ مرکز صادقپور کے مجاہد پٹنہ کی حالت دیکھ کر ۱۸۵۷ء کے غدر میں شریک نہیں ہوئے، اس مرکز کے افراد نے تو سرحد پر وہی رول کیا جو رول ہندوستان کے اندر انقلابی فوجوں نے ادا کیا۔ اس کی شہادت کے لئے ڈاکٹر ڈبلیو ڈبلیو ہنٹر کی تحریر پیش ہے:

''میں ان بے عزتیوں، حملوں اور قتل وغارت کی تفصیلات میں جانا نہیں چاہتا جو ۱۸۵۶ء میں سرحدی جنگ کا باعث ہوئے۔ اس دوران میں مذہبی دیوانوں نے سرحدی قبائل کو انگریزی حکومت کے خلاف متواتر اکسائے رکھا، ایک ہی واقعہ تمام حالات کو واضح کر دیگا۔ یعنی ۱۸۵۰ء سے ۱۸۵۷ء تک ہم، علیحدہ علیحدہ سولہ فوجی مہمیں بھیجنے پر مجبور ہوئے۔ جس سے باقاعدہ فوج کی تعداد ۳۵ ہزار ہوگئی تھی، اور ۱۸۵۶ء سے ۱۸۶۳ء تک ان فوجی مہمات کی گنتی بیس تک پہنچ گئی تھی۔ اور باقاعدہ فوج کی تعداد ساٹھ ہزار تک ہوگئی تھی۔ بے قاعدہ فوج اور پولیس اسکے علاوہ تھی۔ اس اثنا میں ستیانا کیمپ جو ہر وقت ہمارے خلاف سرحد میں تعصب کے جذبات کو ابھارتا رہتا تھا، نہایت عقلمندی سے ہماری فوج کے ساتھ براہ راست مقابلہ کرنے سے گریز کرتا رہا۔ لیکن ۱۸۵۷ء میں انہوں نے ہمارے خلاف عام اتحاد کی بنیاد ڈالی۔ جس میں قبیلہ یوسف زئی اور قبیلہ پنج تار نے خاص طور پر حصہ لیا۔ اور یہاں تک گستاخانہ دلیری سے کام لیا کہ اس علاقہ میں معین سرکاری انگریزی حاکموں سے بھی تخویف مجرمانہ میں مدد کرنے کا مطالبہ کرنے لگے۔ چنانچہ ہمارے انکار کرنے پر وہ اس قدر برانگیختہ ہوگئے کہ ہمارے علاقہ پر چڑھ دوڑے اور لفٹنٹ ہورن کے کیمپ پر شب خوں مارا، جو اس علاقہ کا اسسٹنٹ کمشنر تھا۔ اور اس نے

(۱۴) علماء ہند کا شاندار ماضی۔ جلد چہارم۔ ص۔ ۱۸۶

بڑی مشکل سے اپنی جان بچائی۔ اس کا بدلہ لینے کے لئے اب زیادہ دیر نہ کی جاسکتی تھی۔ چنانچہ سر سڈنی کوٹن پانچ ہزار فوج کی معیت میں پہاڑی علاقہ میں داخل ہوگیا۔ (۱۵)''

''اب تو عام بیداری پیدا ہو چکی تھی۔ مجاہدین کے علاوہ علماء کی ایک جماعت میدان میں سرگرم عمل تھی۔ چنانچہ ۱۸۵۷ء کے جیسے حالات پیدا کرنے کے لئے مجاہدین اور علماء کی سرگرمیاں مختلف انداز پر جاری تھیں۔ جب وہ حالات پیدا ہوئے تو اس سے فائدہ حاصل کرنا ان کے لئے ایک غنیمت موقع تھا۔ چنانچہ رمضان کے آخر میں دہلی کے انقلاب کی خبر پہنچی تو نواحی علاقوں کے علماء نے ایک ہنگامی اجلاس کی ضرورت محسوس کی۔ اس کی قیادت حضرت حاجی امداداللہ مہاجر مکیؒ کے ہاتھوں میں تھی، جو حضرت مولانا سید نصیر الدین دہلوی کے پروردہ تھے، اور تھانہ بھون کو مرکز بنائے ہوئے تھے۔ چنانچہ حضرت مولانا قاسمؒ کو نانوتہ سے اور حضرت مولانا سید نصیر الدین کو گنگوہ سے، حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب ان دنوں سہارنپور میں تھے، ان کو وہاں طلب کیا گیا۔ اور اسی موقع پر حضرت مولانا رحمت اللہ کیرانوی کو حقیقت ونوعیت معلوم کرنے کے لئے دہلی بھیجا گیا۔ یہاں ان حضرات نے تھانہ بھون میں امیر کا انتخاب کیا اور ان کی قیادت میں جہاد کا اعلان کیا۔ (۱۶)''

مولانا سید محمد میاں صاحب رقمطراز ہیں:

''یہ مردان احرار جو سالہا سال سے حریت کاملہ اور مکمل آزادی کی تمنائیں دلوں میں لئے ہوئے تھے۔ جن کے دماغوں نے خدا جانے کتنے نقشے بنائے اور بگاڑے تھے۔ ان کے لئے یہ بات بہت ہی تکلیف دہ اور افسوس ناک تھی کہ ایسے وقت جب کہ فضا اس قدر ہموار اور ماحول اتنا سازگار ہو، وہ ہاتھ پر ہاتھ دھرے خاموش بیٹھے رہیں، اور موسم کی خوشگوار تبدیلی سے کچھ فائدہ نہ اٹھائیں۔ لیکن جس شریعت غرا اور جس پاک تعلیم کی روشنی میں وہ آگے قدم بڑھا سکتے تھے، اس کی پہلی شرط یہ تھی کہ قدم بھی بڑھایا جائے وہ ضبط ونظم، سنجیدگی اور قانون کی پوری پابندی کے ساتھ آگے بڑھے۔ بہر حال اس پہلے اجتماع میں اتنا کام تو کر ہی لیا گیا کہ وہ

(۱۵) ہمارے ہندوستانی مسلمان۔ ص۔ ۳۸ (۱۶) نقش حیات۔ جلد دوم۔ ص۔ ۴۲، سوانح مولانا محمد قاسم (مولانا محمد یعقوب)

جماعتی نظم جو اب تک ایک (اصلاحی یا سیاسی) پارٹی کی حیثیت رکھتا تھا' اب اس کو نظام حکومت کی شکل دی گئی۔ حضرت حاجی امداد اللہ صاحب امیر اور مولانا قاسم صاحب، مولانا رشید احمد صاحب، حافظ ضامن صاحب اور مولانا محمد منیر صاحب جیسے زعما اور اکابر کو فوج وحفاظت، فصل خصومات اور عدل وقانون وغیرہ کے شعبے سپرد کئے گئے۔ اور اس موقع پر یہ بھی ضروری سمجھا گیا کہ خود بادشاہ کو بھی ضبط ونظم قائم کرنے اور اس جیسے نظام میں داخل ہونے کا مشورہ دیا جائے۔(۱۷)''

''بہر حال مقامی یا علاقائی حیثیت میں آئین اور دستور کے مطابق حکومت کا ایک نظام زیر قیادت حضرت حاجی امداد اللہ صاحب رمضان شریف کے فوراً بعد مئی کے اواخر یا اوائل جون میں تھانہ بھون میں قائم ہوگیا۔(۱۸)''

''اس وقت کے حالات کے بموجب دہلی میں ایک صالح نظام قائم ہوگیا، علماء کرام اور رہنمایان ملت نے غور وخوض کے بعد جہاد کا فتوی صادر کر دیا تو اب تھانہ بھون والی جماعت کے لئے بھی راستہ صاف ہوگیا۔ اور یہ ممکن ہوگیا کہ اس علاقہ کے امیر حضرت حاجی امداد اللہ صاحب اقدام کا فیصلہ صادر کردیں، تاہم مکمل احتیاط کے پیش نظر یہ مناسبت سمجھا گیا کہ مجلس شوری کا اجلاس کر کے ان تازہ حالات پر ایک دفعہ مزید غور کر لیا جائے۔ ارشاد خداوندی ''وشاورہم فی الامر'' کا مطالبہ بھی یہی تھا اور اسی طرح جملہ اراکین اور اعضاء کی ہم آہنگی اور خوش دلانہ جماعت بھی پوری سرگرمی کے ساتھ میسر آسکتی تھی' چنانچہ ایک اجتماع کیا گیا۔ اجتماع کا ایجنڈا مسئلہ اقدام تھا۔ بعنوان دیگر ''اعلان جہاد''۔

اور موضوع بحث بعینہ وہ تھا جس پر دہلی کے اجتماع میں بحث ہوئی تھی' یعنی بحالت موجودہ ہم میں انگریز کی منظم فوجوں سے مقابلہ کی طاقت ہے یا نہیں اور اس بناء پر اقدام کے متعلق شرعی فیصلہ کیا ہے۔''

اجلاس شوری میں تمام اراکین نے اقدام کا فیصلہ کیا۔(۱۹)

(۱۷) علماء ہند کا شاندار ماضی۔ جلد چہارم۔ ص۔ ۲۶۶ (۱۸) علماء ہند کا شاندار ماضی۔ جلد چہارم۔ ص۔ ۲۶۹

(۱۹) علماء ہند کا شاندار ماضی۔ جلد چہارم۔ ص۔ ۲۷۳

شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنی تحریر کرتے ہیں:

''پھر جہاد کی تیاری شروع ہوگئی اور اعلان کر دیا گیا۔ حضرت حاجی امداد اللہ کو امام مقرر کیا گیا' اور حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی کو سپہ سالار افواج قرار دیا گیا۔ اور حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی کو قاضی بنایا گیا اور مولانا محمد منیر صاحب نانوتوی اور حضرت حافظ ضامن صاحب تھانوی میمنہ اور میسرہ (داہنے بازو اور بائیں بازو) کے افسر مقرر کئے گئے۔ چونکہ اطراف وجوانب میں مذکورہ بالا حضرات کے تقوی' علم وتصوف اور تشرع کا بہت زیادہ شہرہ تھا، ان حضرات کے اخلاص وللّٰہیت سے لوگ بہت زیادہ متاثر تھے' ہمیشہ سے ان کی دینداری اور خدا ترسی دیکھتے رہے تھے۔ اس لئے ان پر بہت اعتماد کرتے تھے۔ علاوہ مریدین اور تلامذہ کے عام مسلمان بھی بے حد معتقد تھے۔ اس لئے بہت تھوڑی مدت میں جوق در جوق لوگوں کا اجتماع ہونے لگا۔ اس وقت تک ہتھیاروں پر پابندی نہیں تھی۔ عموماً لوگوں کے پاس ہتھیار تھے جس کو رکھنا اور سیکھنا مسلمان ضروری سمجھتے تھے۔ مگر ہتھیار پرانی قسم کے تھے۔ بندوقیں توڑے دار تھیں۔ کارتوسی رائفلیں نہ تھیں' یہ صرف انگریزی فوجوں کے پاس تھیں۔ مجاہدین ہزاروں کی تعداد میں جمع ہوگئے' اور تھانہ بھون اور اطراف میں حکومت قائم کر لی گئی اور انگریزوں کے ماتحت حکام نکال دیئے گئے۔

خبر آئی کہ توپ خانہ سہارنپور سے شاملی کو بھیجا گیا ہے۔ ایک پلٹن لا رہی ہے۔ رات کو یہاں سے گذرے گی۔ اس خبر سے لوگوں میں تشویش ہوئی۔ کیونکہ جو ہتھیار ان مجاہدین کے پاس تھے وہ تلوار' توڑے دار بندوقیں اور برچھے وغیرہ تھے' مگر توپ کسی کے پاس نہ تھی۔ توپ خانہ کا مقابلہ کس طرح کیا جائیگا۔ حضرت گنگوہی نے فرمایا فکر مت کرو۔

سڑک ایک باغ کے کنارے گذرتی تھی۔ حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی کو تیس یا چالیس مجاہدین پر حضرت حاجی امداد اللہ صاحب نے افسر مقرر کر دیا تھا۔ آپ اپنے ماتحتوں کو لے کر باغ میں چھپ گئے۔ اور سب کو حکم دیا گیا کہ پہلے سے تیار رہو۔ جب میں حکم کروں' سب ایک دم فائر کرنا۔ چنانچہ جب پلٹن مع توپ خانہ باغ کے سامنے پہنچی، تو سب نے ایک دم فائر کر دیا۔ پلٹن گھبرا گئی کہ خدا جانے کس قدر آدمی یہاں چھپے ہوئے ہیں' توپ خانہ چھوڑ

کرسب بھاگ گئے۔حضرت گنگوہی نے توپ خانہ کھینچ کر حضرت حاجی صاحب کی مسجد کے سامنے لاکر ڈال دیا۔اس سے لوگوں میں ان حضرات کی فراست‘ ذکاوت‘ فنون حربیہ کی مہارت‘ معاملہ فہمی‘ اور ہر قسم کی قابلیت کا سکہ بیٹھ گیا۔

شاملی اس زمانہ میں مرکزی مقام تھا۔ضلع سہارنپور سے متعلق تھا‘ وہاں تحصیل بھی تھی۔کچھ فوجی طاقت وہاں بھی رہتی تھی۔قرار پایا کہ اس پر حملہ کیا جائے۔چنانچہ چڑھائی ہوئی اور قبضہ کرلیا گیا۔جو طاقت پولیس اور فوج کی وہاں تھی وہ مغلوب ہوگئی۔حضرت حافظ ضامن صاحب اسی ہنگامہ میں شہید ہوگئے۔(۲۰)‘‘

’’انگریزی فوج جو شاملی میں موجود تھی وہ مجاہدین کے ہجوم کو دیکھ کر تحصیل کی چہار دیواری میں محصور ہوگئی۔اور اندر سے فائر شروع کردیئے‘ مجاہدین کا ہجوم باہر میدان میں تھا‘ جہاں کوئی آڑ نہیں تھی‘ اس طرح مجاہدین کا جانی نقصان کافی ہوا۔اتفاق سے تحصیل کے قریب ایک چھپّر تھا۔حضرت مولانا قاسمؒ کی نظر چھپّر پر پڑی‘ چھپّر اٹھوا کر تحصیل کے صدر دروازہ پر ڈالا اور اس میں آگ لگادی گئی۔جس سے پھاٹک جل گیا اور اندر جانے کا راستہ کھل گیا۔اب اس فوج میں مقابلہ کی طاقت نہیں تھی‘ اس کے کچھ سپاہی کسی طرح بھاگنے میں کامیاب ہوئے کچھ مقتول ہوئے اور باقی گرفتار ہوگئے۔اور شاملی پر مجاہدین کا قبضہ ہوگیا۔ (۲۱)‘‘

حضرت حاجی امداداللہ صاحب کے سلسلہ میں مولانا عبیداللہ سندھی اپنی مشہور تصنیف التمہید میں تحریر کرتے ہیں:

’’جاء الامیر امداداللہ الی الحرمین فی ۱۲۶۱ھ ولقی الشیخ محمد اسحٰق واخذ عنہ طریق الدعوۃ، ثم عاد الی الہند فی ۱۲۶۲ھ وقصدہ الناس من اطراف البلاد واجتمع الاکابر اہل العلم مثل مولانا محمد قاسم ومولانا رشید والشیخ فیض الحسن السہارنفوری وجمع کبیر من علماء الہند۔(۲۲)‘‘

امیر جماعت حضرت حاجی امداداللہ صاحب (جو ۱۲۶۰ھ میں وطن سے روانہ ہوئے تھے) ۱۲۶۱ھ میں مکہ معظّمہ پہنچے‘ حضرت مولانا شاہ اسحٰق صاحب کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ان سے تحریک کا لائحہ عمل اور پروگرام معلوم کیا پھر ۱۲۶۲ھ میں ہندوستان واپس ہوئے اور وہ لوگ جو اس سلسلہ سے وابستہ تھے‘ انہوں نے حضرت حاجی صاحب کو

(۲۰) نقش حیات۔جلد دوم۔ص۔ ۴۳۔۴۲ (۲۱) سوانح قاسمی۔جلد دوم، علماء ہند کا شاندار ماضی جلد چہارم۔ص۔۲۷۸، حاشیہ

(۲۲) شاہ ولی اللہ کی سیاسی تحریک۔ص۔۱۸۲

اپنے تعلقات کا مرکز بنالیا، اکابر اہل علم مثلاً حضرت مولانا قاسم صاحب نانوتوی‘ مولانا رشید احمد گنگوہی‘ مولانا فیض الحسن سہارنپوری اور ان کے علاوہ علماء ہند کی ایک بڑی جماعت آپ کے گرد جمع ہوگئی۔

تھانہ بھون کے سلسلہ میں مولانا محمد میاں صاحب تحریر کرتے ہیں:

’’۱۹ر ستمبر ۱۸۵۷ء کو بہادر شاہ گرفتار ہوئے‘ دہلی پر انگریزوں کا مکمل قبضہ ہوگیا تو پھر فتح مند فوجوں نے اطراف دہلی پر بھی قبضہ شروع کردیا۔چند روز بعد ہی تھانہ بھون کا نمبر آگیا‘ ایک شب کی تاریکی میں انگریزی فوج کی آمد کی سنسنی پھیلا دی۔اب تو شکست یقینی تھی۔مگر بہادری یہ ہے کہ اس یقین کے باوجود مقابلہ کی ہمت کی گئی۔قصبہ کے گرد فصیل تھی، اس کے دروازے بند کردیئے گئے۔اور وہی ایک توپ جو آغاز جنگ میں حضرت گنگوہی نے انگریزوں سے چھینی تھی، اس کو بلند مقام پر نصب کردیا گیا۔اور عجب اتفاق یہ ہوا کہ اس توپ کا پہلا فائر ایسا کامیاب رہا کہ اسکا گولہ ٹھیک غنیم کی توپ کے دھانہ پر جا کر پڑا۔انگریزی فوج کی یہ توپ ٹکڑے ٹکڑے ہوگئی۔لیکن یہ سلسلہ زیادہ دیر تک قائم نہ رہ سکا، یہاں ایک توپ تھی اور غنیم کے پاس بہت سی۔یہاں توڑے دار بندوقیں تھیں اور وہ بھی بہت کم۔اور دوسری طرف نئی قسم کی رائفلوں کی بہتات تھی۔دو گھنٹہ سے زیادہ مقابلہ جاری نہ رہ سکا۔صبح صادق کے وقت مشرق کی جانب سے تھانہ بھون پر گولہ باری شروع ہوئی تھی۔فصیل توڑ دی گئی۔دروازے اڑادیئے گئے، مٹی کا تیل ڈال کر مکانوں کو آگ لگادی گئی، جو ملا اس کو تہہ تیغ کیا گیا، قیمتی مال واسباب سے فوج نے اپنی جیبیں بھریں جو باقی تھا وہ آس پاس کے گاؤں والوں نے لوٹ لیا۔تھانہ بھون ایک اجڑا دیار بن گیا۔یہ چاروں بزرگ جن کا تذکرہ شروع سے چلا رہا ہے باہر نکلنے میں کامیاب ہوگئے۔(۲۳)‘‘

وہابی تحریک کے مرکز صادقپور کے غدر میں شرکت نہ کرنے پر تبصرہ کرتے ہوئے جناب تقی رحیم تحریر کرتے ہیں۔

’’۱۸۵۷ء میں ہندوستانی فوجیوں کی بغاوت میں وہابیوں کے رویّے کے متعلق مورخوں

(۲۳) علماء ہند کا شاندار ماضی۔جلد چہارم۔ص۔۲۸۱

کے خیال میں بہت اختلاف ہے۔ کچھ لوگوں کا تو یہاں تک کہنا ہے کہ وہ نہ صرف اس بغاوت سے الگ تھلگ رہے، بلکہ اس کے خلاف حکومت کی مدد بھی کی۔ حالانکہ وہابیوں کی تمام سرگرمیوں پر دھیان رکھتے ہوئے اس پر یقین کرنا ممکن نہیں۔ دوسری طرف اس سوال پر وہابیوں کی دفاع کرنے والے حلقوں کی طرف سے کچھ اس طرح کی دلیلیں پیش کی جاتی ہیں، جس سے اس بغاوت کی اصل اہمیت کم ہوجاتی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ وہابیوں نے اس بغاوت کی مخالفت نہیں کی، بلکہ جہاں تہاں حمایت ہی کی، یہ صحیح ہے کہ پٹنہ کے مرکز نے اس بغاوت میں براہ راست حصہ نہیں لیا۔ اور نہ اس سلسلے میں اپنی جماعت کی کوئی راہنمائی کی، لیکن سرحد پر مجاہدین کی جماعت نے تو یقینی طور پر انگریزی فوجوں کو الجھائے رکھنے اور ان کے ناراض سپاہیوں کو استعمال کرنے کی پوری کوشش کی تھی۔ یہ ایک دوسری بات ہے کہ اس معاملے میں وہاں انہیں کوئی خاص کامیابی حاصل نہیں ہوسکی۔

پھر اس حقیقت سے کیسے انکار کیا جاسکتا ہے کہ وہابیوں نے ١٨٣٩ء کے پہلے ہی سے کمپنی کے ہندوستانی فوجیوں سے رابطہ پیدا کر کے ان میں انگریزوں کے خلاف بے زاری اور برہمی کے جذبات ابھارنے کا کام شروع کردیا تھا، جسے اپنی جہادی حکمت عملی کا ایک لازمی پہلو سمجھ کر انہوں نے برابر جاری رکھا۔ اور اس سے ٥٧ء کے باغی رہنماؤں نے پورا فائدہ اٹھایا، افسوس ہے کہ اس پہلو پر کوئی خاص تحقیقاتی کام نہیں ہوا ہے، پھر بھی ڈاکٹر قیام الدین نے اپنی کتاب وہابی تحریک کے ایک باب میں خصوصی طور سے اسی سوال پر روشنی ڈالی ہے۔ اس کے ماسوا صرف پٹنہ مرکز کی عدم شرکت کی وجہ سے اس کے ہمدردوں کی ان خدمات اور قربانیوں کو نظر انداز نہیں کیا جاسکتا، جو انہوں نے ملک کے دوسرے مقامات پر اس بغاوت کی حمایت میں دیں، اصل میں ایک مذہبی تحریک کے علمبردار ہونے کی حیثیت سے اس کے رہنماؤں کے سامنے ہجرت، جہاد اور اسلامی ریاست کے قیام کا نظریہ سب پر مقدم تھا، اسی وجہ سے اپنے مرکز کو بچالینے کی غرض سے پٹنہ کے

اس وقت کے تحریک کے رہنماؤں نے کھل کر اس بغاوت میں حصہ لینا مصلحت کے خلاف سمجھا۔ اور اسے جمہوری اور عوامی نقطہ ونظر کے حساب سے یقیناً اس کی غلطی کہا جائیگا۔ مگر ان کی تحریک جمہوری اور عوامی تھی کہاں! وہ تو خالصتاً ایک مذہبی اور اسلامی تحریک تھی، اس لئے اس کا جائزہ لیتے ہوئے اس کے حدود کا خیال رکھنا ضروری ہے۔ اور اس طرح سے غور کرنے کے بعد کوئی بھی ایماندار آدمی اس سچائی سے انکار نہیں کرسکتا کہ غدر کے چالیس برس پہلے ہی سے بہار اور اتر پردیش کے مسلمانوں کے دلوں میں سید احمد شہید اور ان کے رفقاء انگریزوں کے خلاف نفرت اور غصے کی جو آگ بھڑکانے چلے آرہے تھے، وہ ٥٧ء کے غدر کے موقع پر جو الاکھی کی صورت میں ابل پڑی۔ (٢٤)"

فریڈم موومنٹ ان بہار کے مولف ڈاکٹر کے کے دتہ نے اس سلسلہ میں لکھا ہے:۔

"وہابی کے نام سے موسوم اس تحریک کا انیسویں صدی کے دوران بہار کے اندر آزادی کے جدو جہد میں اہم رول رہا ہے، چھیالیس برسوں (١٨٢٢ لغایت ١٨٦٨) تک پٹنہ اس کا بڑا ہی اہم مرکز رہا تھا۔ جسے اس شہر کے ایک خوشحال خاندان کے لوگ جنہیں اپنے علم اور تقوی کے اعتبار سے بھی اونچا مقام حاصل تھا، چلاتے رہے۔ اس تحریک کو بریلی کے سید احمد نے ہندوستانی مسلمانوں کے اندر بعض سماجی اور مذہبی اصلاحات کے مقصد سے شروع کیا تھا۔ مگر اس وقت سیاسی حالات میں فروغ پا کر ہندوستان سے برطانوی طاقت کو ختم کرنے کے مقصد سے اس نے ایک مذہبی سیاسی کردار اختیار کرلیا۔ (٢٥)"

---

(٢٤) تحریک آزادی میں بہار کے مسلمانوں کا حصہ۔ ص۔ ٦٨

(٢٥) فریڈم موومنٹ ان بہار۔ جلد اول۔ ص۔ ٧٣

ساتواں باب

غدر کے چند مشاہیر علمائے کرام

(۱) مولانا محمد جعفر تھانیسری

مولانا محمد جعفر کی پیدائش تھانیسر میں ہوئی۔ انبالہ سازش کیس کے بڑے ملزمین میں آپ کا شمار تھا۔ تھانیسر میں بڑی خوشحالی کی زندگی گذار رہے تھے۔ بہت بڑی جائیداد اپنی محنت سے پیدا کر لی تھی۔ جماعت مجاہدین میں انکا بڑا اعزاز تھا۔ رقوم اور مجاہدین انہیں کے ذریعہ سرحد بھیجے جاتے تھے۔ غدر ۱۸۵۷ء میں قومی وملی جذبات کے تحت دس بارہ آدمیوں کو لے کر دہلی گئے تھے، تا کہ انگریزوں سے جنگ براہ راست کریں، لیکن جب دہلی پہنچے تو وہ چمن لٹ چکا تھا اور دہلی پر انگریزوں کا قبضہ ہو چکا تھا۔

ابنالہ سازش کیس میں پہلے پھانسی کی سزا تجویز ہوئی اور بعد میں پھانسی کی سزا کو "عبور دریائے شور" اور حبس دوام میں بدل دیا گیا۔ اور آپ کو کالا پانی بھیجدیا گیا۔ آپ نے جزیرہ انڈمان کی زندگی پر بہت مفصل آپ بیتی "تواریخ عجیب" کے نام سے لکھی ہے۔ جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ مجاہدین آزادی نے کتنی تکلیف اور اذیت بھری زندگی گذاری ہے، اور کیسی کیسی ان پر قیامتیں ٹوٹی ہیں۔ اس کے باوجود ان کے دماغ سے آزادی کا نشہ نہیں اترا اور یہ صبر واستقامت کے پیکر بنے رہے۔

بعد میں مولانا محمد جعفر کو انڈمان میں چیف کمشنر کی کچہری میں محرر سیکشن اور میر منشی بنا دیا گیا۔ اور ایک گھر رہنے کے لئے اور ایک نوکر خدمت کے لئے مل گیا۔ جہاں چاہتے آتے جاتے۔ جزیرہ میں ان پر کوئی پابندی نہیں تھی۔

لارڈ میو کے قتل کے بعد انہیں مرکز سے ہٹا کر دوسرے جزیرے میں بھیجدیا گیا۔ انہوں نے رہائی کے

لئے کئی مرتبہ کوشش کی، مگر کامیابی نہ ملی۔ ان کا بیان ہے کہ ۱۸۸۱ء میں دل میں بطور الہام غیبی یہ خیال آیا کہ رہائی ہونے والی ہے۔ چنانچہ ۳۰ر دسمبر ۱۸۸۳ء کو رہائی کا حکم آ گیا۔ ۲۲ر جنوری ۱۸۸۳ء کو یہ حکم انڈمان پہنچا۔ ۹ر نومبر ۱۸۸۳ء کو ۱۷ سال دس مہینے کے بعد انڈمان سے روانہ ہوئے۔ ۱۳ر نومبر ۱۸۸۳ء کو کلکتہ پہنچے۔ پھر الہ آباد، کانپور، علی گڑھ، سہارنپور ہوتے ہوئے ۲۱ر نومبر ۱۸۸۳ء کو رات کے نو بجے انبالہ چھاؤنی اسٹیشن پر پہنچے۔ تقریباً بیس سال کے بعد دوبارہ وطن واپس لوٹے۔ (۱)

غالباً ۱۸۰۵ء میں وفات پائی۔ (۳۹)

(۲) مولانا فضل حق خیر آبادی

علامہ فضل حق خیر آبادی بن مولانا فضل امام ۱۲۱۲ھ/ ۱۷۹۷ء میں پیدا ہوئے، جملہ علوم وفنون کی تحصیل اپنے والد محترم سے کی۔ سند حدیث حضرت مولانا شاہ عبدالقادر دہلوی سے لی۔ دہلی میں صدر الصدور کے عہدہ پر فائز تھے، ساتھ ہی باپ دادا کے طریقہ کے مطابق منتہی طلبہ کو بالخصوص علوم معقول کا درس دیتے تھے۔

اکبر ثانی کا زمانہ تھا۔ دہلی میں ریزیڈنٹ رہا کرتے تھے۔ اس کے محکمہ کے سررشتہ دار ہوگئے۔ بہادر شاہ ظفر سے دوستانہ مراسم تھے۔ قلعہ میں آتے جاتے تھے۔ ایک عرصہ کے بعد ریزیڈنسی میں اپنے آپ کو تبدیل کرالیا۔ علامہ نازک مزاج واقع ہوئے تھے۔ اور حکام تنگ مزاج تھے۔ علامہ نے قدر منزلت نہ دیکھ کر استعفیٰ دیدیا۔

۱۸۵۷ء میں سلطنت مغلیہ کی وفاداری میں فتویٰ جہاد کی پاداش اور جرم بغاوت میں مولانا کو گرفتار کر کے لکھنؤ لایا گیا۔ فیصلہ کے لئے جیوری بیٹھی۔ اس میں مولانا نے برملا اعلان کیا کہ فتویٰ صحیح ہے اور میرا لکھا ہوا ہے۔ اور آج اس وقت بھی میری یہی رائے ہے۔ چنانچہ عدالت نے حبس دوام کا حکم سنایا۔ آپ نے خوشی سے منظور کرلیا۔ حبس دوام کے لئے علامہ کو جزیرہ انڈمان بھیج دیا گیا۔ بہت کوشش کے بعد رہائی کے لئے حکم ہوا۔ علامہ کے صاحبزادے مولوی شمس الحق ان کی رہائی کے لئے انڈمان روانہ ہوئے، وہاں جہاز سے اترے، شہر میں گئے، تو ایک جنازہ پر نظر پڑی۔ اس کے ساتھ بڑا ہجوم تھا۔ انہوں نے پوچھا تو معلوم ہوا کہ کل ۱۲ر صفر ۱۲۷۸ھ/ ۱۸۶۲ء

(۱) تحریک آزادی اور مسلمان۔ ص۔ ۶۹

کو علامہ کا انتقال ہوگیا۔دفن وفاتحہ کے بعد حسرت وغم کے ساتھ وطن واپس لوٹ آئے۔(۲)

(۳) مولانا امام بخش صہبائی

مولانا امام بخش صہبائی خلف مولانا محمد بخش تھانیسری، ایک غریب گھرانے کے فرد۔ پر خانوادۂ علم کے چشم وچراغ، محفل علم وادب کے گوہر شب تاب۔داستان جور وجفا کے شہید ستودہ صفات۔سرسید کے الفاظ میں:

کمالات ظاہری اور جلائل باطنی، حسن خلق اور حمائد اطوار میں پسندیدۂ خالق ومقبول خلائق، خلق نوازش آپ کا آئینہ بہار، اور اوضاع حمیدہ آپ کے محمود روزگار، ایسا فرد زمان ایسی جامعیت کے ساتھ کم کوئی نظر سے گذرا ہے، اور طرفہ یہ ہے کہ فنون متعارفہ وسخن وری مثل تحقیق لغت واصطلاحات زباں وری اور تدقیق مقامات کتابی اور تکمیل عروض وقافیہ واستکمال فن معمہ وغیرہ میں ایسا کمال بہم پہنچایا ہے کہ ہر فن میں یک فنی کہنا چاہئے۔(۳)

خواجہ حسن نظامی مرحوم فرماتے ہیں:

''دہلی کے تمام محلوں سے زیادہ چیلوں کے کوچہ پر مصیبت آئی تھی۔اسی محلہ میں بڑے بڑے شرفاء اور نامور علماء رہتے تھے۔مولانا شاہ ولی اللہ اور شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی کا گھرانا اسی محلہ میں آباد تھا۔سرسید خاں کا گھر بھی اسی محلہ کے ایک حصہ میں تھا۔مولانا صہبائی بھی اسی محلہ میں رہتے تھے۔غرض یہ محلہ بڑے بڑے صاحب کمال لوگوں کا مخزن تھا۔منشی ذکاء اللہ خاں بھی اسی محلہ کے باشندہ تھے۔''

منشی ذکاء اللہ خاں صاحب لکھتے ہیں:

''اس مصیبت کا خاص سبب یہ ہوا کہ نواب شمشیر جنگ کے بیٹے محمد علی خاں نے یا حکیم فتح اللہ خاں نے کسی انگریزی سپاہی کو زخمی کردیا تھا کیونکہ وہ ان کے زنانہ مکان میں برے ارادہ سے جانا چاہتا تھا۔اس کی خبر انگریزی کمان افسر کو پہنچی۔اس نے حکم دیا کہ اس محلہ کے تمام مردوں کو قتل کردو یا گرفتار کر کے لے آؤ۔اس حکم تعمیل ایسی بے دردی سے ہوئی کہ محلہ میں کوئی مرد زندہ نہ بچا۔یا تو

(۲) ایسٹ انڈیا کمپنی اور باغی علماء۔ص۔۵۳ (۳) علماء ہند کا شاندار ماضی۔جلد چہارم۔صفحہ ۲۳۶ حاشیہ

سپاہیوں نے گھروں میں گھس کر مار ڈالا یا گرفتار کر کے حاکم کے سامنے لے گئے۔حاکم نے ان کو دیکھ کر حکم دیا کہ سب کو دریا کے کنارے لے جاؤ اور گولی ماردو۔چنانچہ ایسا ہی کیا گیا۔

ان لوگوں کو رسی سے باندھا گیا۔دریا کی ریتی میں قطار بنا کر کھڑا کیا گیا اور گولیوں کی باڑھ ان پر چلائی گئی، جس سے سب مر کر گر پڑے۔صرف دو آدمی زندہ بچے، جن کو گولی نہ لگی تھی۔جب سپاہی گولیاں مار کر چلے گئے تو یہ دونوں اٹھ کر بھاگے۔ان میں ایک مرزا مصطفی بیگ تھے جو بعد میں رسالہ میں نوکر ہوگئے تھے اور دوسرے مولانا صہبائی کے داماد اور بھانجے وزیر الدین نامی تھے، جو بعد میں کانپور میں ججی کے سررشتہ دار ہوگئے تھے۔(۴)''

مفتی انتظام اللہ شہابی تحریر کرتے ہیں:

''صہبائی کے ساتھ مولانا فضل حق، مفتی صدرالدین آزردہؔ وغیرہ اس جنگ آزادی میں شریک تھے۔ان کو بھی شرکت کرنی پڑی تھی۔قلعہ میں بہادر شاہ نے مجلس شوری منعقد کی۔اس میں یہ بھی بلائے گئے۔جب پانسہ الٹا پڑا، انگریز فاتحانہ طور سے دلی میں داخل ہوئے، جنرل بخت خاں وغیرہ میدان چھوڑ گئے۔غرض کہ جوزد میں گوروں کے آیا، وہ گولی کا نشانہ ہوا۔''(۵)

''اور جب انگریزوں نے حامیان فتوی جہاد کے خلاف سخت کاروائی کرنی شروع کی تو صہبائی خانہ نشیں ہوگئے مگر زیادہ دیر تک کنج عزلت اور گوشہ عافیت ان کو پناہ نہ دے سکا اور ۳۰ ستمبر ۱۸۵۷ء کو پانچ ماہ کے محاصرہ کے بعد انگریزوں نے دلی فتح کرلی۔مولانا صہبائی ایک دن محلہ کی مسجد میں نماز فجر ادا کر رہے تھے کہ گورے مسجد میں گھس آئے اور سارے نمازیوں کے ساتھ ان کو اور ان کے دونوں بیٹوں کو گرفتار کر کے لے گئے۔چلتے چلتے محلہ کے ۱۴سو آدمی پکڑے اور سب کو جمنا کے کنارے لے جا کر گولی ماردی۔اور لاشیں دریا میں پھنکوادیں گئی۔عورتوں کا یہ حال ہوا کہ گھروں میں سے نکل کر بچوں سمیت کنوؤں میں جاگریں۔چیلوں کے کوچہ کے تمام کنوئیں لاشوں سے پٹ گئے۔(۶)''۔

''ان شہدا میں آفتاب ہند مولانا صہبائی اور ا کے دونوں لڑکے تھے، جن کو نہ کفن نصیب ہوا نہ قبر۔''(۷)

(۴) علماء ہند کا شاندار ماضی۔جلد چہارم۔صفحہ ۲۴۰ (۵) امام بخش صہبائی کی ادبی خدمات۔ص۔۸۴
(۶) داستان غدر۔ص۔۱۷۱۔ (۷) تحریک آزدی اور مسلمان۔ص۔۸۰

(۴) مولانا احمد اللہ شاہ مدراسی

مولانا احمد اللہ شاہ، تاریخ آزادی اور وطن عزیز کے بہادر فرزند فداء ملت سلطان حیدر علی عرف سلطان شہیدؒ کے ایک مصاحب سید محمد علی نواب چنیا پٹن کے صاحبزادے تھے، ان کا اصلی نام احمد علی، خطاب دلاور جنگ اور تحریک آزادی کے علم بردار ہونے کے وقت احمد اللہ شاہ کے نام سے مشہور ہو گئے۔ خاندانی عظمت کے اعتبار سے تعلیم و تربیت امیرانہ طور پر ہوئی۔ اس زمانہ کے رواج کے مطابق دینی علوم کے ساتھ فنون جنگ میں بھی ماہر بنایا گیا۔ چنانچہ مولانا احمد اللہ اپنے وقت کے عالم، فاضل اور فنون جنگ کے ماہر تھے۔ مشرق و مغرب کے ممالک کی سیاحت کی تھی۔ میر قربان علی جے پوری اور حضرت محراب شاہ قلندر گوالیار کے مرید و خلیفہ تھے۔ قلندر صاحب نے مولانا سے جانثاری اور سرفروشی کی بیعت لی۔ اور انگریزوں کے خلاف جنگی مہم کے لئے مقرر کئے گئے۔ مولانا دہلی آئے اور پھر وہاں سے آگرہ آ کر یہیں قیام پذیر ہو گئے ۔ بیعت کا سلسلہ جاری کیا۔ خاں بہادر مفتی انعام اللہ شہابی کے یہاں مجلس علماء کی تشکیل ہوئی۔ جب ہزاروں ہزار کی تعداد کو پہنچ گئے تو ان کو فنون جنگ کی تعلیم دی۔ امیر علی کی شہادت کے بعد لکھنو آئے اور پھر فیض آباد گئے۔

۱۸۰۶ء میں لارڈ لہوزی نے اودھ کو کمپنی کے قبضہ میں لے لیا، اور نواب واجد علی شاہ کو قید کر کے کلکتہ بھیج دیا، تو مولانا برداشت نہ کر سکے۔ انہوں نے سمجھ لیا کہ اس طرح پورا ملک غلام ہو کر رہ جائے گا۔ انہوں نے اس کو بھی محسوس کیا کہ آزادی کی لڑائی اس وقت تک کامیاب نہ ہوگی جب تک کہ ملک کے تمام رہنے والے ایک ہو کر ملک کی آزادی کے لئے کوشش نہ کریں۔ مولانا احمد اللہ شاہ نے انگریزوں کے خلاف آواز بلند کی۔

مولانا احمد اللہ شاہ لکھنؤ سے آگرہ تک دورہ کئے، ہزاروں آدمی ان کی تقریر سننے کے لئے آتے تھے۔ مولانا کی تقریر اکثر انگریزوں کے خلاف ہوتی تھی۔ اسی زمانہ میں انہوں نے چھوٹی چھوٹی کتابیں لکھیں، اس طرح لاکھوں انسانوں کے دلوں میں انہوں نے دیش بھگتی کا جذبہ پیدا کر دیا۔

جب یہ خبر انگریزوں کو ہوئی تو انہوں نے مولانا احمد اللہ شاہ کو گرفتار کرنے کا حکم دیا۔ لیکن اودھ کی پولیس نے انگریزوں کے حکم کو ماننے سے انکار کر دیا۔ اس پر فوج بھیجی گئی اور مولانا گرفتار کر لئے گئے۔ اسی کے ساتھ ان کے خلاف مقدمہ بھی درج کر لیا گیا اور ان کو بھی پھانسی کی سزا کا حکم ہوا۔

مولانا احمد اللہ شاہ کی گرفتاری اور پھانسی کی خبر عوام تک پہنچی تو علاقہ میں آگ سی لگ گئی۔ مولانا ہندو اور مسلمان سب کے پیارے تھے۔ ان گرفتاری کے خلاف سب سے پہلے تلوار اٹھانے والا ایک ہندو صوبیدار

دلیپ سنگھ تھا، جس نے فیض آباد کی آزادی کا اعلان کر دیا۔ دلیپ سنگھ اپنے سپاہیوں اور عوام کے ساتھ جیل پہنچ گیا اور دیوار توڑ کر مولانا احمد اللہ شاہ کو دوبارہ نکال لیا۔ ان کی بیڑیاں کاٹ ڈالی گئیں۔ پھر عوام اور سپاہیوں نے ان کو اپنا لیڈر منتخب کر کے ان کی ماتحتی میں کام کرنے کا فیصلہ کیا۔ اس طرح فیض آباد کے علاقہ پر پوری طرح قبضہ ہو گیا۔

جب انگریزوں نے لکھنو کا محاصرہ کیا، تو مولانا احمد اللہ شاہ اپنے ہزاروں سپاہیوں کے ساتھ لکھنو پہنچ گئے اور جم کر انگریزوں سے لڑائی کی۔ نومبر ۱۸۵۷ء سے مارچ ۱۸۵۸ء تک آزادی کی جنگ جاری رہی۔ ۱۵ر جنوری ۱۸۵۷ء کو مولانا احمد اللہ شاہ کے ایک ہاتھ میں گولی لگی۔ قریب پندرہ دن تک وہ اس تکلیف میں مبتلا رہے۔ لیکن ۱۵ر فروری کو روہیل کھنڈ کے سبھی سیاسی رہنما نانا صاحب، بیگم حضرت محل، شہزادہ فیروز شاہ، راجہ پنچ سنگھ، وغیرہ اپنی اپنی فوج کو لے کر شاہجہاں پور پہنچ گئے اور مولانا کو نکال لائے۔

اسی درمیان پوائن نام کی ایک ریاست کے راجہ بلدیو سنگھ کی دعوت پر گڈھی کی طرف تشریف لے گئے۔ ہاتھی پر سوار تھے۔ دھوکہ دے کر گولیوں سے تواضع کیا گیا۔ اسی میں مولانا شہید ہو گئے۔ سر کاٹ کر کوتوالی پر لٹکا دیا گیا۔ نعش ٹکڑے ٹکڑے کر کے جلا دی گئی۔ سر کچھ دنوں کے بعد احمد پور محلہ شاہجہاں آباد میں دفن کیا گیا۔ اس کے عوض راجہ پوائن کو پچاس ہزار روپیہ انعام دیا گیا۔ یہ واقعہ ۸ر جون ۱۸۵۸ء کو پیش آیا۔

جنرل ٹامس جو ایک بہادر انگریز تھا وہ ۱۸۵۷ء کے غدر میں شریک رہا‘ اس نے مولانا احمد اللہ شاہ کے بارے میں لکھا ہے:

> ’’مولوی احمد اللہ شاہ بڑی لیاقت اور قابلیت رکھتا تھا۔ وہ ایسا شجاع تھا کہ خوف اس کے نزدیک نہیں آتا تھا۔ یہ عزم کا پکا اور ارادہ کا مستقل تھا۔ باغیوں میں اس سے بہتر سپاہی نہیں تھا۔ یہ فخر اسی کو حاصل ہے کہ اس نے دو مرتبہ سر کالن کیمبل کو میدان جنگ میں ناکام رکھا، وہ بہ نسبت اور باغیوں کے خطاب شاہ کا زیادہ مستحق تھا۔ اگر محب وطن ہونے کے یہ معنی ہیں کہ اپنے ملک کی آزادی کے لئے جو غلطی سے برباد ہو گئی‘ سازشیں کی جائیں اور لڑائیاں لڑی جائیں تو مولانا یقیناً اپنے ملک کا محب صادق تھا۔ اس نے کبھی تلوار کو مخفی اور سازشی قتل سے خون آلود نہیں کیا، وہ بہادرانہ اور معززانہ طور پر ان سے معرکہ آرا ہوا۔ جنہوں نے اس کا ملک چھین لیا تھا۔ دنیا کی ساری قوتیں اس کی تعظیم اور ادب کے ساتھ جو شجاعت اور صداقت کے لئے لازمی ہیں اور جن کا مولوی مستحق تھا‘ اس کو یاد کریں گی۔ (۸)‘‘

(۸) علماء ہند کا شاندار ماضی۔ جلد چہارم۔ صفحہ ۴۳۳

جنرل فارسٹر نے مولانا احمد اللہ شاہ کے بارے میں لکھا ہے کہ ''جن کو فیض آبادی مولوی کہا جاتا ہے۔ اسکے متعلق یہ بتا دینا ضروری ہے کہ وہ عالم باعمل ہونے کی وجہ سے مولوی تھا۔ روحانی طاقت کی وجہ سے صوفی اور جنگی مہارت کی وجہ سے سپاہی اور سپہ سالار تھا۔ اس کی طبیعت ظلم سے پاک تھی۔ ہر انگریز اس کو قدر کی نگاہ سے دیکھتا ہے''۔(۹)

''اپنے سفر کے دوران وہ ایک عرصہ تک آگرہ میں مقیم رہے۔ حیرت انگیز اثر شہر کے مسلم باشندوں پر تھا۔ شہر کے مجسٹریٹ ان کی جملہ نقل وحرکت پر نظر رکھتے تھے۔ عرصہ بعد یقین ہو گیا کہ وہ برطانوی حکومت کے خلاف ایک سازش کر رہے ہیں لیکن پھر بھی ان کو کسی باغیانہ جرم میں ملوث نہ پایا گیا۔ وہ آزاد رہے۔ آخر کار جب بغاوت رونما ہوئی اور فیض آباد کے فوجیوں میں بھی یہ لوگ پہنچے تو یہ مولوی جو سابقاً غیر منظم طریقے پر اپنے مریدوں کو ابھار رہا تھا گارڈ کی نگرانی میں تھا۔ ہنگامہ کرنے والوں نے ان کو چھڑا کر اپنا سردار بنا لیا، اس طرح مولوی صاحب ایک طاقتور فوج کے سپہ سالار بن گئے۔ اگرچہ کچھ عرصہ تک دوسرے باغی سردار کے طاقت چھپی رہی۔ لیکن اس شخص کا اثر باغیوں پر بھرپور تھا لیکن یہ قابل آدمی تھا اور ظلم کے دھبے سے پاک تھا۔(۱۰)

(۵) مولانا کفایت علی کافی شہید

مولانا کفایت علی کافی شہید عالم وفاضل طبیب اور قادر الکلام شاعر تھے۔ مراد آباد اصل وطن تھا۔ حضرت شاہ ابو سعید مجدد رام پوری سے علم حدیث کی تکمیل کی۔ آپ صاحب تصانیف عالم گذرے ہیں، شاعری میں کافی تخلص کرتے تھے۔

مولانا کافی کا کچھ عرصہ آگرہ میں بھی قیام رہا۔ جب ۱۸۵۷ء کی تحریک حریت مراد آباد میں نمودار ہوئی تو آپ صف اول کے مجاہدین میں پیش پیش تھے۔ جب مراد آباد میں نواب رام پور کو بالادستی قائم ہوئی تو آپ نے انگریزوں کے خلاف فتوی جہاد مرتب کیا۔ اس کی نقلیں آپ نے دوسرے مقامات پر بھجوادیں۔ بلکہ بعض مقامات

(۹) ایسٹ انڈیا کمپنی اور باغی علماء۔ص۔۴۲ (۱۰) باغی علماء۔ص۔۴۳، انڈین مائین ریٹی۔جی۔ڈبلیو فارسٹر۔ص۔۲۴، بحوالہ علماء ہند کا شاندار ماضی۔جلد چہارم۔ص۔۴۳۲

پر آپ خود تشریف لے گئے۔ آنولہ ضلع بریلی میں خاص اسی مقصد کے لئے ایک ہفتہ سے زیادہ قیام کیا۔ آنولہ سے بریلی پہنچے اور جنرل بخت خاں کی ماتحتی میں جو فوج بریلی سے دہلی جارہی تھی' اسی فوج کے ساتھ آپ مراد آباد واپس ہوئے۔ ۲۵/اپریل ۱۸۵۷ء کو مراد آباد پر انگریزوں کا دوبارہ قبضہ ہوا۔ مولانا کافی کچھ دنوں تک محفوظ رہے۔ ۳۰/اپریل ۱۸۵۸ء کو مولانا گرفتار ہوئے۔ مولانا پر مختلف الزامات عائد کئے گئے۔ اور ضابطہ کی کاروائی کے بعد پھانسی کا حکم صادر کر دیا گیا۔ مولانا کافی نے جیسے ہی حکم سنا' نہایت ہی خوشی کا اظہار کیا۔ حضرت مولانا کافی کو مراد آباد جیل کے پاس عام مجمع کے سامنے پھانسی دی گئی اور وہیں تدفین عمل میں آئی۔(۱۱)

(۶) مولانا مفتی عنایت احمد کاکوری

مفتی عنایت احمد ابن منشی محمد بخش کی پیدائش دیوہ بارہ بنکی میں ۱۲۲۸ھ/۱۸۱۳ء کو ہوئی۔ ابتدائی تعلیم کاکوری میں حاصل کی۔ پھر اعلی تعلیم کے لئے رام پور گئے۔ اور وہاں مولوی سید محمد بریلوی سے صرف، نحو، مولوی حیدر علی ٹونکی اور مولوی نور الاسلام سے دوسرے درسی کتابیں پڑھیں، رام پور میں درسی کتابیں ختم کرنے کے بعد دہلی پہنچے اور وہاں شاہ محمد اسحاق محدث دہلویؒ سے حدیث کی کتابیں سبقاً سبقاً پڑھیں اور سند حاصل کی۔ پھر دہلی سے علی گڑھ آ گئے اور یہاں مولانا بزرگ علی مارہروی سے تمام منقول اور معقول کی کتابیں پڑھیں اور فارغ التحصیل ہوئے۔ اور پھر یہیں مدرسہ میں مدرس ہو گئے۔ ایک سال تک مدرس رہے۔ اور اس کے بعد مفتی اور منصف کے عہدہ پر علی گڑھ ہی میں تقرر ہو گیا۔

۱۸۵۷ء کے انقلاب میں نواب خاں بہادر خاں نبیرہ حافظ الملک حافظ رحمت خاں نے روہیل کھنڈ میں علم جہاد بلند کیا تو مفتی عنایت احمد بھی اس میں شریک ہوئے' بریلی اور رام پور آپ کی سرگرمیوں کے آماجگاہ رہے۔

جب ۱۸۵۷ء میں تحریک آزادی ناکام ہوئی اور انگریزوں کا ملک پر دوبارہ تسلط ہو گیا تو مفتی عنایت احمد گرفتار ہوئے۔ مقدمہ چلا اور عبور دریائے شور کی سزا تجویز ہوئی۔

جزیرہ انڈمان میں درس وتدریس اور تصنیف وتالیف کا کام جاری رہا۔ ایک انگریز کی فرمائش پر تقویم البلدان کا ترجمہ کیا، جو دو برس میں ختم ہوا۔ اور وہی رہائی کا سبب ہوا۔ ۱۲۷۷ھ میں رہائی پا کر کاکوری آئے۔ اور پھر وہاں سے کانپور منتقل ہو گئے۔ اور مدرسہ فیض عام قائم کیا۔ جو کہ کانپور کی مشہور دینی درسگاہ ہے۔

۱۲۷۹ھ/ ۱۸۶۲ء میں وفات پائی۔(۱۲)

(۱۱) علماء ہند کا شاندار ماضی۔جلد چہارم۔ص۔۳۷۶ (۱۲) علماء ہند کا شاندار ماضی۔جلد چہارم۔ص۔۴۳۴

(۷) مفتی صدرالدین خاں آزردہ دہلوی

مفتی صدرالدین خاں بن مولوی لطف اللہ کشمیری اپنے وقت کے اہم عالم و فاضل تھے، ان کے آباء واجداد نے کشمیر سے دہلی آکر اقامت اختیار کرلی۔ اکبرثانی کا دور تھا۔ ۱۲۰۲ھ/ ۱۷۸۷ء میں آزردہ پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم اپنے والد سے حاصل کی، علوم عقلیہ کی تعلیم مولانا فضل حق خیرآبادی سے حاصل کی اور حدیث کی تعلیم حضرت شاہ عبدالقادر سے حاصل کی۔ مفتی صدرالدین خان صدرالصدور تمام علوم 'صرف' نحو' منطق' حکمت' ریاضیات' معانی' بیان، ادب' انشاء فقہ' حدیث' تفسیر وغیرہ میں ید طولیٰ رکھتے تھے اور درس دیتے تھے۔ (۱۳)

مفتی صاحب انقلابی سرگرمیوں سے خصوصی دلچسپی رکھتے تھے۔ آپ کا گھر مجاہدین کے لئے پناہ گاہ تھا۔

مولانا محمد میاں صاحب تحریر کرتے ہیں:

''تحریک انقلاب سے آپ کی دلچسپی کا اندازہ اس سے ہوتا ہے کہ آپ کا در دولت جس طرح عام حالات میں مرجع رہا کرتا تھا' اس وقت بھی انقلابی عناصر کا پناہ گاہ بنا رہا۔ انگریزوں کے سب سے زیادہ خطرناک دشمن جن کو مجاہدین کہا جاتا تھا جن کی انگریزی دشمنی کسی وقت اور ہنگامی ناگواری کی بناء پر نہیں تھی، بلکہ ان کی حریت پسند فطرت نے اس کو عقیدہ کی حیثیت دے رکھی تھی' ان سربکف مجاہدین کا ہجوم جس کے در دولت پر رہتا تھا۔ وہ مفتی صدرالدین صدرالصدور ہی تھے۔ (۱۴)

۱۸۵۷ء سے تقریباً دس سال پہلے حضرت مولانا احمد اللہ مدراسی دہلی تشریف لائے تو مفتی صاحب نے شاہ صاحب کو مشورہ دیا کہ وہ اپنی جدوجہد کا مرکز دہلی کے بجائے آگرہ بنائیں۔ پھر آپ ہی نے اپنے خط کے ذریعہ شاہ صاحب کا تعارف آگرہ کے ان زعما اور علماء سے کرایا، جو ایک طرف سرکاری حلقوں میں باوقار تھے۔ تو دوسری جانب قومی وملی کارکنوں کا اعتماد ان کو حاصل تھا۔ (۱۵)

جولائی ۱۸۵۷ء میں چونتیس علماء کے دستخط سے فتویٰ جہاد شائع ہوا، اس میں تیسرے نمبر پر مفتی صدرالدین کا دستخط ہے۔

(۱۳) علماء ہند کا شاندار ماضی۔ جلد چہارم۔ ص۔ ۲۱۹، ایسٹ انڈیا کمپنی اور باغی علماء۔ ص۔ ۶۶، غدر کے چند علماء۔ ص۔ ۲
(۱۴) علماء ہند کا شاندار ماضی۔ جلد چہارم۔ ص۔ ۲۲۶ (۱۵) علماء ہند کا شاندار ماضی۔ جلد چہارم۔ ص۔ ۲۲۵

مولانا محمد میاں تحریر کرتے ہیں:

''حضرت مفتی صاحب اس درجہ تحریک سے وابستہ رہتے ہوئے سزائے موت یا سزاء عبور دریائے شور سے محفوظ رہے۔ یہ بہت ہی عجیب وغریب واقعہ ہے۔ مؤرخین کو اس پر حیرت ہے، غالباً اسی بناء پر ایک افسانہ گڑھ لیا گیا کہ حضرت مفتی صاحب کی ذکاوت وذہانت نے دستخط کے وقت بھی تاریک پہلو سامنے رکھ کر تحفظ کی صورت پیدا کرلی تھی کہ آپ نے دستخط کئے تو یہ بھی لکھ دیا کہ شہدت بالخیر'' فتویٰ لینے والوں یہ سمجھا کہ آپ نے شہدت بالخیر لکھا ہے۔ (یعنی میں نے خیر کے ساتھ گواہی دی) اور اسی کو بالجبر'' پڑھا جاتا تو اس کا مفہوم یہ ہوتا کہ میں نے مجبوراً شہادت دی۔ چنانچہ جب مقدمہ چلا تو مفتی صاحب نے بتایا کہ شہدت بالجبر لکھا ہے۔ اور مطلب یہ ہے کہ جبر وقہر کی بناء پر اس فتویٰ کی تصدیق کردی ہے۔ یہ ظاہر ہے یہ افسانہ سراسر غلط ہے۔ (۱۶)''

آگے لکھتے ہیں:

''جہاں تک ادبی ذوق اور اصحاب فتویٰ کے محاورات واصطلاحات کا تعلق ہے یہ لفظ قطعاً بے محل اور بے ربط ہے یعنی مفتی صاحب جیسا کہ ہر ایک زبان کا ادیب اس بے محل اور بے موقع لفظ استعمال نہیں کرسکتا تھا۔ اور نہ فتویٰ پر دستخط کرنے والوں کا ذوق اس قدر ناقص اور معدوم تھا کہ وہ اس لفظ کو برداشت کر لیتے اور مفتی صاحب سے تصحیح کا مطالبہ نہ کرتے (۱۷)''

مزید تحریر کرتے ہیں:

''نہایت ہی واضح بات یہ ہے کہ یہ فتویٰ جس اخبار میں پہلی مرتبہ شائع ہوا تھا اس کا عکس شائع ہو چکا ہے، اس میں مفتی صاحب کا صرف نام لکھا ہوا ہے اس کا مفروضہ عبارت کا نام ونشان بھی نہیں ہے۔ (۱۸)''

مفتی انتظام اللہ شہابی تحریر کرتے ہیں:

''انگریزی حکومت کے خلاف فتویٰ دینے والوں میں مفتی صاحب بھی تھے۔ ۱۸۵۷ء کے

(۱۶) علماء ہند کا شاندار ماضی۔ جلد چہارم۔ ص۔ ۲۲۸ (۱۷) علماء ہند کا شاندار ماضی۔ جلد چہارم۔ ص۔ ۲۲۸
(۱۸) علماء ہند کا شاندار ماضی۔ جلد چہارم۔ ص۔ ۲۲۹

غدر میں جہاں دوسرے علماء گرفتار حبس دوام اور جلاوطن کئے گئے' ان میں مفتی صاحب بھی تھے۔ ان کو بھی جیل میں بند کر دیا گیا۔(۱۹)''

مرزا غالب اپنے خط میں تحریر کرتے ہیں:

''حضرت مولوی صدرالدین صاحب بہت دنوں حوالات میں رہے، کورٹ میں مقدمہ پیش ہوا۔ روبکاریاں ہوئیں۔ آخر صاحبان کورٹ نے جان بخشی کا حکم دیا۔ نوکری موقوف' جائیداد ضبط' ناچار خستہ وتباہ حال لاہور گئے۔ فائینانشیل کمشنر اور لفٹنٹ گورنر نے ازراہ کرم نصف جائیداد واگذاشت کی، اب نصف جائداد پر قابض ہیں' اپنی حویلی میں رہتے ہیں۔(۲۰)''

دسمبر ۱۸۷۲ء میں فالج کا حملہ ہوا اور اسی میں وفات پا گئے۔

(۸) مولانا محمد قاسم نانوتوی

مولانا محمد قاسم نانوتوی اپنے وطن نانوتہ میں ۱۲۴۸ھ/ ۱۸۳۲ء کو پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم اپنے وطن میں شروع کی۔ پھر دیوبند آکر مولانا مہتاب علی کے مکتب میں داخل ہوئے، پھر سہارنپور میں مولوی نواز علی سے صرف ونحو اور ابتدائی عربی کی کتابیں پڑھیں۔ پھر حضرت مولانا مملوک نانوتوی کے ساتھ دہلی پہنچے اور ان کی خدمت میں رہ کر فیض حاصل کیا، وہیں حدیث کی کتابیں مولانا عبدالغنی مجددی سے پڑھیں، بیعت وخلافت حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ سے حاصل تھی۔

مولانا محمد قاسم نانوتوی نے تحریک آزادی میں سرگرم حصہ لیا۔ ۱۸۵۷ء کے غدر کے موقع پر تھانہ بھون میں علماء کا اجتماع ہوا، اس کے ایک اہم رکن حضرت مولانا بھی تھے' اس اجلاس میں دہلی کے فتوی جہاد کی تصدیق وتوثیق کی گئی۔ صرف ایک بزرگ مولانا شیخ محمد تھانوی کی رائے مخالف رہی۔ اس موقع پر حضرت مولانا قاسمؒ نے حضرت شیخ محمد صاحب سے خطاب کرتے ہوئے نہایت ادب کے ساتھ عرض کیا۔

''حضرت کیا وجہ ہے کہ آپ ان دشمنان دین ووطن پر جہاد کو فرض بلکہ جائز بھی نہیں فرماتے۔

(۱۹) ایسٹ انڈیا کمپنی اور باغی علماء۔ ص۔ ۶۷، غدر کے چند علماء۔ ص۔ ۱ (۲۰) ایسٹ انڈیا کمپنی اور باغی علماء۔ ص۔ ۶۸

حضرت مولانا شیخ محمد صاحب محدث: اس لئے کہ ہمارے پاس اسلحہ اور آلات جہاد نہیں ہیں۔ ہم بالکل بے سروسامان ہیں۔

حضرت مولانا قاسم صاحب: کیا اتنا بھی سامان نہیں ہے جتنا کہ غزوہ بدر میں تھا۔

حضرت مولانا شیخ محمد صاحب: اگر آپ کی تمام حجتیں اور باتیں مان لی جائیں تو سب سے بڑی شرط جہاد میں نصب امام کی ہے۔ امام کہاں ہے کہ اس کی قیادت میں جہاد کیا جائے۔

حضرت مولانا قاسم صاحب' نصب امام میں کیا دیر لگتی ہے۔ مرشد برحق حضرت حاجی صاحب موجود ہیں۔ انہیں کے ہاتھ پر بیعت جہاد کی جائے۔

حضرت حافظ ضامن صاحب: مولانا! بس سمجھ میں آ گیا۔

پھر سب نے حضرت حاجی صاحب کے دست حق پرست پر بیعت جہاد کی یعنی پہلے تشکیل حکومت کے لئے بیعت ہوئی تھی اب یہ بیعت جان ومال کی قربانی کے لئے۔

شاملی کے میدان میں علمائے کرام کی انگریزوں سے جنگ ہوئی۔ اس جہاد میں حضرت حاجی امداد اللہ صاحب امام اور حضرت مولانا قاسم صاحب کو سپہ سالار افواج بنایا گیا۔ پھر مجاہدین ہزاروں کی تعداد میں جمع ہو گئے۔ تھانہ بھون اور اطراف میں حکومت قائم کر لی اور انگریزوں کے ماتحت حکام نکال دیئے گئے۔(۲۱)''

''انگریزی فوج شاملی میں موجود تھی، وہ مجاہدین کے ہجوم کو دیکھ کر تحصیل کی چہار دیواری میں محصور ہو گئی۔ اور اندر سے فائر شروع کر دیئے۔ مجاہدین کا ہجوم باہر میدان میں تھا' جہاں کوئی آڑ نہیں تھی' اس طرح مجاہدین کا جانی نقصان کافی ہوا۔ اتفاق سے تحصیل کے قریب ایک چھپر تھا' حضرت مولانا قاسمؒ کی نظر چھپر پر پڑی' چھپر اٹھوا کر تحصیل کے صدر دروازہ پر ڈالا گیا۔ اور اس میں آگ لگا دی گئی۔ جس سے پھاٹک جل گیا اور اندر گھسنے کا راستہ کھل گیا۔ اب فوج میں مقابلہ کی طاقت نہیں تھی۔ اس کے کچھ سپاہی کسی طرح بھاگنے میں کامیاب ہوئے۔ کچھ مقتول ہوئے۔ اور باقی گرفتار ہو گئے۔ اس شاملی پر مجاہدین کا قبضہ ہو گیا۔''(۲۲)

(۲۱) علماء ہند کا شاندار ماضی۔ جلد چہارم۔ ص۔ ۲۷۴ (۲۲) سوانح قاسمی۔ جلد دوم۔ بحوالہ علماء ہند کا شاندار ماضی۔ جلد چہارم۔ ص۔ ۲۷۸

مولانا محمد یعقوب صاحب تحریر فرماتے ہیں:

''چند بار مفسدوں میں نوبت مقابلہ آئی' اللہ رے مولوی صاحب ایسے ثابت قدم، تلوار ہاتھ میں اور بندوقچیوں کا مقابلہ' ایک بار گولی چل رہی تھی' یکا یک سر پکڑ کر بیٹھ گئے، جس نے دیکھا جانا گولی لگی، عمامہ اتار کر دیکھا تو کہیں گولی کا نشان تک نہ ملا۔ اور تعجب یہ ہے کہ خون سے تمام کپڑے تر، داڑھی جل گئی۔ اور کچھ قدرے آنکھ کو صدمہ پہنچا اور خدا جانے گولی کہاں گئی۔ حفاظت الٰہی بر سر تھی' کچھ اثر نہ ہوا۔(۲۳)''

۱۸۵۷ء میں ناکامی کے بعد سرکار کی طرف سے گرفتاری کا وارنٹ اور گرفتاری کے لئے انعام کا اعلان کیا گیا۔ وارنٹ کی خبر سن کر دوست' احباب اور متعلقین نے روپوش ہوجانے پر مجبور کیا اور ایک علاحدہ جگہ آپ کو پہنچا دیا' تین دن حضرت اس جگہ روپوش رہے۔ چوتھا دن ہوا تو گوشہ تنہائی کو خیر آباد کہہ کر باہر تشریف لے آئے مخلصین نے اصرار کیا تو فرمایا:

''آنحضرت ﷺ غار میں تو تین دن مخفی رہے تھے' بہت سے سنت سے اتنی ہی ثابت ہے' یہ مدت ختم ہوگئی، لھذا روپوشی ختم۔(۲۴)''

شاملی کے میدان میں ناکامی کے بعد تحریک آزادی کی تکمیل کے لئے قصبہ دیوبند میں دارالعلوم قائم کیا، جس سے ہزاروں مجاہدین پیدا ہوئے۔ اور ملک کی آزادی میں اہم رول ادا کیا۔

آپ نے ۱۲۹۷ھ/ ۱۸۸۰ء میں وفات پائی اور مزار قاسمی میں مدفون ہوئے۔

(۹) مولانا مظہر نانوتوی

مولانا مظہر خلف حافظ لطف علیؒ ساکن نانوتہ اپنے والد ماجد سے قرآن شریف حفظ کیا۔ مولانا مملوک علی صاحب' مولانا احمد علی محدث سہارنپوری' مولانا عبدالغنی مجددی خلف الرشید حضرت شاہ ابوسعید وغیرہ سے علوم متداولہ کی تکمیل کی۔ بخاری شریف حضرت شاہ اسحاقؒ سے پڑھی، اول اجمیر کالج میں پھر آگرہ میں ملازم رہے۔ پھر ملازمت ترک کردی۔ ۱۸۵۷ء کی تحریک حریت میں شریک ہوئے۔ شاملی کے جہاد میں حصہ لیا۔ پیر میں گولی

(۲۳) سوانح عربی مولانا محمد قاسم (۲۴) نقش حیات۔ جلد دوم۔ ص۔ ۵۸

لگی۔ علاج ومعالجہ کے بعد بھی اس کا نشان باقی رہا۔ تحریک ختم ہوئی تو کسی آنے والی تحریک کے لئے عرصہ تک اپنے آپ کو محفوظ رکھا۔ روپوشی کی زندگی بسر کی۔ دارو گیر کا دور ختم ہوا تو دارالعلوم کے نمونہ پر سہارنپور میں مدرسہ مظاہرالعلوم کی بنیاد رکھی ان دونوں اداروں کے قیام میں صرف چھ ماہ کا فصل ہے۔(۲۵)

دارالعلوم دیوبند کی ابتداء ۱۵؍محرم الحرام ۱۲۸۳ھ اور مظاہرالعلوم سہارنپور کی ابتداء ماہ رجب ۱۲۸۳ھ میں ہوئی۔(۲۶)

۲۴؍ذی الحجہ ۱۳۰۲ھ/۱۸۸۶ء کی شب میں آٹھ بجے آپ نے انتقال فرمایا۔

(۱۰) مولانا رحمت اللہ کیرانوی

مولانا رحمت اللہ کے والد کا اسم گرامی مولانا نجیب اللہ تھا، جو میرٹھ میں میر منشی رہے تھے۔ اجداد کا اصلی وطن پانی پت تھا (جو جمنا کے دسری جانب تقریباً بارہ میل کے فاصلہ پر ہے) جد اعلیٰ کا نام شیخ عبدالرحمان عثمانی گازرونی بتایا گیا ہے۔ آپ ۱۲۳۳ھ/۱۸۱۸ء میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم کیرانہ میں حاصل کرکے دہلی تشریف لے گئے۔ لال قلعہ کے پاس مولانا محمد حیات کے مدرسہ میں داخل ہوئے، اس مدرسہ کے مدرسین اور دہلی کے دوسرے اساتذہ سے استفادہ کیا۔(۲۷)

مولانا رحمت اللہ کیرانوی تحریک حریت وآزادی میں حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ، مولانا محمد قاسم نانوتویؒ وغیرہ کے ساتھ تھے۔ مولانا محمد میاں تحریر کرتے ہیں:

''پس یہ جماعت جو شاہ ولی اللہ کی جماعت کہلانے کی صحیح طور پر مستحق تھی جیسے ہی رمضان کے آخر میں اس کو دہلی کے انقلاب کی خبر پہنچی تو غور وخوض کا ایک اہم موضوع سامنے آیا، جس کے لئے ہنگامی اجلاس ضروری تھا، چنانچہ حضرت مولانا محمد قاسم صاحب کو نانوتہ سے اور حضرت مولانا رشید احمد صاحب کو گنگوہ سے' حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب ان دنوں سہارنپور تھے' ان کو وہاں سے طلب کیا اور اسی موقع پر حضرت مولانا رحمت اللہ کیرانوی کو تحریک کی حقیقت ونوعیت معلوم کرنے کے لئے دہلی بھیجا گیا۔ مئی کے آخر یا جون کے شروع میں حضرت مولانا رحمت اللہ صاحب دہلی پہنچے۔(۲۸)''

(۲۵) علماء ہند کا شاندار ماضی۔ جلد چہارم۔ ص۔ ۳۰۵ (۲۶) تذکرۃ الخلیل۔ ص۔ ۱۰
(۲۷) علماء ہند کا شاندار ماضی۔ جلد چہارم۔ ص۔ ۳۰۷ (۲۸) علماء ہند کا شاندار ماضی۔ جلد چہارم۔ ص۔ ۲۶۵

مولانا عارف الاسلام اپنے ایک مضمون میں تحریر کرتے ہیں:

''نواح کیرانہ میں حضرت رحمت اللہ گورہ فوج کا مقابلہ کر رہے تھے، مجاہدین کیرانہ میں چونکہ گوجر مسلمان زیادہ تھے، اس لئے ان کی قیادت چودھری عظیم الدین حضرت مولانا کے ساتھ کر رہے تھے۔ اس زمانہ میں عصر کی نماز کے بعد مجاہدین کی تنظیم و تربیت کے لئے کیرانہ جامع مسجد کی سیڑھیوں پر نقارہ بجایا جاتا تھا' جس کی آواز سن کر لوگ جمع ہو جاتے تھے اور اعلان ہوتا تھا۔

''ملک خدا کا اور حکم مولوی رحمت اللہ کا''

''اس جملہ کے بعد جو کچھ کہنا ہوتا تھا' عوام کو سنایا جاتا تھا۔ اس پرانی آواز کو سننے والوں میں سے اب کوئی نہ رہا، مگر جنہوں نے اپنے بزرگوں سے اس کی صدا بازگشت سنی ہے، وہ اب بھی موجود ہیں۔ کیرانہ کے محاذ پر بظاہر شکست کا امکان نہ تھا' مگر بعض ابنائے وطن کی زمانہ سازی اور مخبروں کی سازش نے حالات کا رخ بدل دیا۔ کیرانہ میں گورہ فوج اور توپ خانہ داخل ہوا۔ محلہ دربار کے دروازے کے سامنے توپ خانہ نصب کیا گیا، اور گورہ فوج نے دربار کا محاصرہ کر لیا۔ ہر گھر کی تلاشی لی گئی۔ عورتوں بچوں اور ہر شخص کو فرداً فرداً دربار سے باہر نکالا گیا۔ اس لئے کہ کسی مخبر نے اطلاع دی تھی کہ مولانا دربار میں روپوش ہیں۔ کیرانہ کے قریب پنجیٹھ مسلمان گوجروں کا ایک گاؤں ہے۔ وہاں مولانا اپنی باقی ماندہ طاقت کے ساتھ پہنچے۔ خود پنجیٹھ کے لوگ بھی مجاہدین میں شریک تھے، اسی دوران گورہ فوج کے ایک گھوڑ سوار دستہ نے پنجیٹھ کا رخ کیا، فوج نے گاؤں کا محاصرہ کر لیا۔ پورے گاؤں کی تلاشی لی گئی۔ مگر مولانا کا پتہ نہ چلا، مجبوراً فوجی دستہ کیرانہ واپس ہو گیا۔ مولانا کے خلاف فوجداری مقدمہ چلا گیا۔ وارنٹ جاری ہوا' آپ کو مفرور و باغی قرار دیا گیا، اور گرفتاری کے لئے ایک ہزار روپیہ کا انعام کا اعلان ہوا۔ حضرت مولانا اپنا نام مصلح الدین بدل کر پیدل دہلی روانہ ہوئے۔ وہاں سے جے پور اور جودھ پور کو پیدل پار کر کے بندرگاہ سورت پہنچے اور پھر وہاں سے بادبانی جہاز کے ذریعہ جدہ روانہ ہو گئے۔ طویل سفر کی مصیبتوں کو برداشت کرتے ہوئے مکہ معظّمہ پہنچے۔ پھر وہاں سے مدینہ منورہ تشریف لے گئے۔ اور ۲۴ر رمضان ۱۳۰۸ھ/ ۲رمئی ۱۸۹۱ء کو وہیں انتقال ہوا اور وہیں مدفون ہوئے۔(۲۹)''

(۲۹) علماء ہند کا شاندار ماضی۔ جلد چہارم۔ ص۔ ۳۰۷

(۱۱) حاجی امداد اللہ مہاجر مکی

حضرت حاجی امداد اللہ کی پیدائش ۱۲۳۳ھ/ ۱۸۱۸ء کو نانوتہ میں ہوئی۔ جہاں آپ کی نانیہال تھی۔ والدین نے آپ کا نام امداد حسین رکھا۔ لیکن جب ۱۲۶۰ھ میں حج بیت اللہ کے لئے تشریف لے گئے تو حضرت مولانا اسحاق صاحب نے آپ کا نام امداد اللہ رکھ دیا۔(۳۰)

ابتدائی تعلیم آپ نے وطن میں حاصل کی۔ پھر دہلی تشریف لے گئے، وہاں آپ نے حضرت شیخ محمد قلندر اور شیخ الٰہی بخش کاندھلوی سے تعلیم حاصل کرنے کے بعد حضرت مولانا سید نصیر الدین دہلوی کے درسگاہ میں داخل ہوئے۔ اور تعلیمی سلسلہ شروع کیا۔

نوجوان امداد اللہ ابھی درجہ وسطیٰ کی کتابیں پڑھ رہے تھے کہ حضرت مولانا سید نصیر الدین دہلوی کے جہادی قافلہ نے ۳رذی الحجہ ۱۲۵۰ھ بمطابق ۲راپریل ۱۸۳۵ء کو اپنا دورہ شروع کیا۔

آپ نے رواج کے مطابق درسی کتابوں کی تکمیل نہیں کی تھی، مگر مطالعہ سے آپ نے وسیع معلومات حاصل کر لی تھی۔ احادیث پر آپ کی نظر بہت وسیع تھی۔ اور اسرار شریعت و طریقت کے ماہر تھے۔ حضرت استاذ کے اس سفر نے دل و دماغ پر ایسا اثر کیا کہ کتابوں کی ورق گردانی بوجھ معلوم ہونے لگی۔ اور استاد کے مقصد کی تکمیل کے لئے کام شروع کر دیا۔

صرف پانچ سال ہی گذرے تھے کہ حضرت مولانا نصیر اللہ دہلوی کا ۱۲۵۶ھ/ ۱۸۴۰ء میں انتقال ہو گیا۔ ان کے خسر حضرت مولانا شاہ محمد اسحاق دہلوی نے ہندوستان سے ہجرت کر کے مکہ معظمہ کو تحریک کا مرکز بنا لیا۔ جہاں ترکوں اور ان کے حلیفوں سے مدد حاصل کر کے ہندوستان کی تحریک حریت کو کامیاب بنانے کے زیادہ امکانات تھے۔ اندرون ملک بھی اکابر علماء کی ایک ٹیم کے حوالہ اس کام کو کیا گیا۔

۱۲۶۰ھ/ ۱۸۴۴ء میں حضرت حاجی امداد اللہ حج بیت اللہ کے لئے تشریف لے گئے تو مولانا شاہ اسحاقؒ نے حاجی امداد اللہ کو اسی کام کے لئے مقرر فرما دیا۔ مولانا عبید اللہ سندھی اپنی کتاب میں تحریر کرتے ہیں: امیر جماعت حضرت حاجی امداد اللہ (جو ۱۲۶۰ھ میں وطن سے روانہ ہوئے تھے) ۱۲۶۱ھ میں مکہ معظمہ پہنچے حضرت مولانا شاہ اسحٰق صاحب کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ وہ لوگ جو اس سلسلہ سے

(۳۰) شاہ ولی اللہ کی سیاسی تحریک۔ ص۔ ۱۸۳

وابستہ تھے' انہوں نے حضرت حاجی صاحب کو اپنے تعلقات کا مرکز بنالیا۔ اکابر اہل علم مثلاً حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی' مولانا رشید احمد گنگوہی' مولانا فیض الحسن سہارنپوری اور ان کے علاوہ علماء ہند کی ایک بڑی جماعت ان کے گرد جمع ہوگئی۔(۳۱)

۱۸۵۷ء میں دہلی میں غدر شروع ہوا تو تھانہ بھون میں اکابر علماء کا اجتماع ہوا، جس میں آپ کو امیر منتخب کیا گیا۔ حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی کو سپہ سالار فوج' حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی کو قاضی' مولانا منیر نانوتوی اور حضرت حافظ ضامن تھانوی کو میمنہ اور میسرہ مقرر کیا گیا۔ اور جہاد کی تیاری شروع ہوگئی۔ اور اعلان جہاد کر دیا گیا۔ اس اعلان کے بعد مجاہدین ہزاروں کی تعداد میں جمع ہوگئے۔ اور تھانہ بھون اور اطراف میں حکومت قائم کرلی اور انگریزوں کے ماتحت حکام نکال دیئے گئے۔

حضرت حاجی امداداللہ کی امارت میں شاملی کے میدان میں انگریزوں سے مقابلہ بھی ہوا۔ جس میں حضرت حافظ ضامن شہید ہوگئے۔

تحریک ۱۸۵۷ کی ناکامی کے بعد حضرت حاجی امداداللہ نے تقریباً ڈیڑھ سال انبالہ، نگری' پنجلاسہ وغیرہ ضلع مظفرنگر' سہارنپور اور ضلع انبالہ کے دیہات میں گذارا۔ اس دوران بہت سے مشکلات سے دوچار ہونا پڑا۔ پولیس آپ کا پیچھا کرتی رہی، لیکن آپ پولس کے ہاتھ نہیں آئے اس کو آپ کی کرامت میں شمار کیا جاتا ہے۔ تفصیل کرامات امداداللہ میں درج ہے۔

حضرت حاجی امداداللہؒ نے ۱۲۷۶ھ/ ۱۸۵۴ء میں ہجرت کی۔ تبت سے روانہ ہوئے، سندھ کے راستہ سے کراچی پہنچے اور بحری جہاز سے مکہ معظمہ کے لئے روانہ ہوگئے، اور وہاں پہنچ کر غیر معمولی مشکلات اور پریشانی برداشت کر کے مکہ معظمہ میں رہ کر آخر تک ہندوستان کی تحریک کی قیادت فرماتے رہے۔ اور زہد وتقوی، عبادت وریاضت میں وہ مثال قائم کی کہ شیخ العرب والعجم قرار دیئے گئے۔

۱۲؍جمادی الآخر ۱۳۱۷ھ بمطابق ۱۸۹۹ء میں مکہ معظمہ میں وفات پائی اور وہیں دفن کئے گئے۔(۳۲)

(۳۱) حضرت شاہ ولی اللہ کی سیاسی تحریک۔ ص۔ ۱۸۲۔۱۸۱ (۳۲) نقش حیات۔ جلد دوم۔ ص۔ ۶۰، علماء ہند کا شاندار ماضی۔ جلد چہارم۔ ص۔ ۲۸۹، کرامات امدادیہ۔ ص۔ ۲۸

(۱۲) مولانا رشید احمد گنگوہی

مولانا رشید احمد بن مولانا ہدایت احمد اپنے وطن گنگوہ میں ۱۲۴۴ھ/ ۱۸۲۸ء میں پیدا ہوئے' قصبہ گنگوہ ضلع سہارنپور میں واقع ہے۔ ابتدائی کتابیں اور قرآن اپنے وطن میں پڑھا، پھر اپنے منجھلے ماموں مولانا محمد تقی صاحب کے ساتھ کرنال گئے۔ اور فارسی وہیں پڑھی۔ فارسی سے فراغت کے بعد آپ کو عربی پڑھنے کا شوق ہوا۔ ابتدائی صرف ونحو کی کتابیں مولوی محمد بخش رامپوری سے پڑھیں، ۱۲۶۱ھ/ ۱۸۴۵ء کو دہلی حضرت مولانا مملوک علی کی خدمت میں پہنچے اور تمام کتابیں حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی کی معیت میں حضرت مولانا مملوک علیؒ سے پڑھیں۔ بیعت وخلافت حضرت حاجی امداداللہؒ سے حاصل تھی۔

۱۸۵۷ء کے غدر کے موقع پر تھانہ بھون میں علماء کا اجتماع ہوا۔ اس میں آپ کو قاضی مقرر کیا گیا۔ پھر جہاد کی تیاری شروع ہوگئی۔ اور جہاد کا اعلان کر دیا گیا۔ مجاہدین ہزاروں کی تعداد میں جمع ہوگئے۔

خبر آئی کہ توپ خانہ سہارنپور سے شاملی کو بھیجا گیا ہے۔ ایک پلٹن لا رہی ہے۔ رات کو یہاں سے گذرے گی۔ اس خبر سے لوگوں میں تشویش ہوئی۔ کیونکہ جو ہتھیار ان مجاہدوں کے پاس تھے وہ تلوار' توڑے دار بندوقیں اور برچھے وغیرہ تھے۔ مگر توپ کسی کے پاس نہ تھی۔ توپ خانہ کا مقابلہ کس طرح کیا جائے گا۔ حضرت گنگوہی نے فرمایا فکر مت کرو۔

> ''سڑک ایک باغ کے کنارے گذرتی تھی۔ حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی کو تیس یا چالیس مجاہدین پر، حضرت حاجی امداداللہ نے افسر مقرر کر دیا تھا۔ آپ اپنے ماتحتوں کو لے کر باغ میں چھپ گئے۔ اور سب کو حکم دیا کہ پہلے سے تیار رہو۔ جب میں حکم کروں سب ایک دم فائر کرنا۔ چنانچہ جب پلٹن مع توپ خانہ باغ کے سامنے پہنچی تو سب نے یکدم فائر کر دیا۔ پلٹن گھبرا گئی کہ خدا جانے کس قدر آدمی یہاں چھپے ہوئے ہیں۔ توپ خانہ چھوڑ کر سب بھاگ گئے۔ حضرت گنگوہی نے توپ خانہ کھینچ کر حضرت حاجی صاحب کی مسجد کے سامنے لا کر ڈال دیا۔ اس سے لوگوں میں ان حضرات کی فراست' ذکاوت' فنون حربیہ کی مہارت' معاملہ فہمی اور ہر قسم کی قابلیت کا سکہ بیٹھ گیا۔ (۳۳)''

(۳۳) علماء ہند کا شاندار ماضی۔ جلد چہارم۔ ص۔ ۲۷۸

تحریک کی ناکامی کے بعد حضرت مولانا گنگوہی کے نام گرفتاری کا وارنٹ جاری ہوا۔ آپ نے حضرت حاجی امداداللہ کیساتھ مکہ معظمہ ہجرت کا ارادہ کیا۔ مگر حاجی صاحب کا یہی حکم ہوا کہ ہندوستان ہی میں رہو' تم سے حق تعالیٰ کو بھی بہت کام لینے ہیں۔ (۳۴)

حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی' حضرت حاجی صاحب کو رخصت کر کے واپس ہوئے۔ پھر گنگوہ ہی میں کچھ عرصہ قیام فرمایا۔ اس کے بعد رامپور منہیاران تشریف لے گئے اور وہاں حکیم ضیاء الدین صاحب مرحوم کے مکان پر قیام فرمایا۔ یہ ۱۸۵۹ء جولائی کا مہینہ تھا۔

مولانا سید محمد میاں صاحب تحریر کرتے ہیں:

''پولس کپتان گارڈن کرنیل فرانسس فورس کے ساتھ گنگوہ پہنچتا ہے' مسجد کے ایک گوشہ میں ایک صاحب گردن جھکائے مراقبہ میں مشغول ہیں۔ ایک سپاہی آپ کے پاس پہنچتا ہے اور گردن پر زور سے ہاتھ مار کر کہتا ہے ''چل کھڑا ہو کیا گردن جھکائے بیٹھا ہے۔ اور پھر دھکا مار پیٹ کرتے ہوئے مسجد سے باہر لے آتا ہے' یہ صاحب گرفتار کرلئے جاتے ہیں' پھر مکان پہنچ کر کونہ کونہ کی تلاشی لی جاتی ہے۔

سب کچھ کر گذرنے کے بعد کرنیل اور اس کے سپاہیوں کو معلوم ہوا کہ یہ مولانا کے ماموں زاد بھائی مولانا ابونصر ہیں۔ اصل ملزم اس وقت گنگوہ میں موجود نہیں ہیں' چند میل کے فاصلہ پر قصبہ رام پور منہیاران میں مقیم ہیں۔ اس تحقیق کے بعد پولس وہاں پہنچی اور آپ کو گرفتار کرلیا۔ (۳۵)''

حضرت شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنیؒ تحریر فرماتے ہیں:

''آپ پر علاوہ شرکت جہاد شاملی یہ بھی الزام تھا کہ سپاہیوں کی رائفل آپ کے پاس ہے۔ آپ نے فوراً جیب سے تسبیح نکالی اور فرمایا ''یہ میرا ہتھیار ہے'' اس نے کہا وہ بندوق کہاں ہے' آپ نے فرمایا مجھے بندوق سے کیا سروکار؟ غرضیکہ اس کے تمام سوالات کا جواب اسی طرح دیتے رہے۔ جب اس کی مقصد برداری نہ ہوئی تو اس نے سپاہیوں کو حکم دیا کہ ننگی تلواریں

(۳۴) تذکرۃ الرشید۔ص۔۸۱ (۳۵) علماء ہند کا شاندار ماضی۔ جلد چہارم۔ص۔۳۰۱

لے کر اس کے سر پر کھڑے ہو جاؤ۔ (۳۶)

آگے مزید لکھتے ہیں۔

''الغرض جب آپ ان تمام تخویفات اور دھمکیوں سے متاثر نہیں ہوئے اور نہایت استقلال سے جواب دیتے رہے۔ سپاہی ننگی تلواروں سے آپ پر پہرہ دیتے رہے۔ پھر آپ کو مظفرنگر جیل میں بھیجدیا گیا۔ اور شہادتوں کے حصول کے لئے پولس اور حکومت کوشش کرتی رہی۔ تاکہ ثبوت بہم پہنچا کر مقدمہ چلایا جائے۔ ماموں صاحب مرحوم جو گنگوہ سے اسی اعلان اور ارادہ پر نکلے تھے اور ساتھ ساتھ تھے کہ مولوی رشید احمد جب تک رہا نہ ہو جائیں گے میں گنگوہ واپس نہ آؤں گا۔ انہوں نے ضمانت پر رہائی کی درخواست کی۔ حاکم نے تین ہزار کی تین سال کے لئے ضمانت طلب کی (یعنی ایک ایک ہزار کی تین ضمانتیں تین سال تک کیلئے) تین شخص ضمانت مطلوبہ کے لئے تیار ہوگئے۔ مگر حاکم نے قبول کرنے سے اس حیلہ سے انکار کردیا کہ یہ سب گنگوہ کے باشندے نہیں ہیں۔ اس لئے ان کی ضمانتیں قانوناً درست نہیں۔ (۳۷)''

آپ کی گرفتاری جولائی ۱۸۵۹ء میں ہوئی۔ ۶/ ماہ حوالات میں رہے۔ اس طرح چھ ماہ قید کی زندگی گذارنے کے بعد جنوری ۱۸۶۰ء میں رہائی ہوئی۔ ۱۸۵۷ء کی ناکامی کے بعد دارالعلوم دیوبند کے قیام میں حصہ لیا۔ جو ایک اہم کارنامہ ہے۔ دارالعلوم نے ہزاروں انقلابیوں کو پیدا کردیا۔ جس نے تحریر' تقریر اور اپنی جانی قربانیوں کے ذریعہ ملک کی آزادی میں حصہ لیا۔

۱۳۲۳ھ/ ۱۹۰۵ء میں آپ کا انتقال ہوا' اور گنگوہ کے ایک باغ میں مدفون ہوئے۔

(۱۳) مولانا وہاج الدین مرادآبادی

مولانا وہاج الدین خلف مولوی جمیل الدین مرادآباد کے ممتاز' بااثر' قوم پرور اور بڑے رئیس تھے۔ عربی' فارسی اور اردو کے ساتھ انگریزی زبان پر بھی قدرت رکھتے تھے۔ ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی میں مولانا وہاج الدین نے ایک قائد کی حیثیت سے کام کیا۔ باضابطہ ایک پروگرام کے تحت بڑے لوگوں کو آزادی کی تحریک میں شرکت کی دعوت دیتے رہے۔ اور اس طرح ایک جماعت بنانے میں کامیاب ہوگئے۔ ۱۹/ مئی کو مولانا وہاج الدین کی قیادت میں

(۳۶) علماء ہند کا شاندار ماضی۔ جلد چہارم۔ص۔۳۰۲ (۳۷) علماء ہند کا شاندار ماضی۔ جلد چہارم۔ص۔۳۰۰، تذکرۃ الرشید مکمل سوانح

حریت نوازوں کا ایک جم غفیر جیل کی طرف گیا۔ ہجوم نے مولانا کا اشارہ پاتے ہی جیل خانہ کے دروازہ کو توڑ دیا۔ قائد نے سب سے پہلے پرچم لہرایا اور تمام قیدیوں کو آزاد کر کے ان کے لئے کھانے پینے کا انتظام کیا۔ مراد آباد جیل کے ٹوٹنے کی خبر کا اثر بہت اچھا پڑا۔ لوگوں کے دلوں سے خوف ختم ہو گیا۔ مراد آباد سے ایک وفد قصبہ آنولہ بریلی بھیجا گیا۔ وفد کے صدر مولانا کفایت علی تھے۔ انہوں نے اپنے فرائض خوش اسلوبی کے ساتھ انجام دیئے۔

ریاست رام پور کے نواب حریت پسندوں سے الگ تھے۔ انگریزوں نے موقع غنیمت سمجھ کر پورا فائدہ اٹھایا۔ انگریزوں نے نواب رام پور کی کثیر فوج لے کر مراد آباد پر چڑھائی کر دی۔ شاہزادہ فیروز شاہ کی سرپرستی میں مولانا وہاج الدین کے زیر سایہ مجاہدین جنگ آزادی کے سامنے ٹک نہ سکے، اور بالآخر شکست ہوئی۔ انگریز شہر پر قابض ہو گئے۔

انگریزوں نے مجاہدین آزادی کی ایک فہرست بنائی۔ اور گرفتاریاں شروع کیں۔ مجاہدین کے لئے سزائے موت کا حکم جاری ہونے لگا۔ شہر کے مختلف حصوں میں پھانسی گھر بنائے گئے۔ جہاں مجاہدین کو پھانسی دی جاتی تھی۔

رمضان المبارک کے مہینہ میں عصر اور مغرب کے درمیان کا وقت تھا۔ انگریزی فوج نے مولانا کی قیامگاہ کا محاصرہ کر لیا اور مولانا کو شہید کر دیا۔ اور لاش اپنے ساتھ لے گئے۔ تمام جائدادیں ضبط کر لی گئیں۔ مولانا وہاج الدین کی قبر محلہ کنجر سرائے روڈ پر ایک مسجد کے قریب ایک حظیرہ میں ہے۔ (۳۸)

(۱۴) مولانا منیر نانوتوی

مولانا منیر خلف حافظ لطف علی ساکن نانوتہ ۱۲۴۷ھ میں نانوتہ میں پیدا ہوئے۔ حضرت مولانا مملوک علی، حضرت مولانا شاہ عبدالغنی، حضرت مولانا شاہ اسحٰق دہلوی وغیرہ سے تعلیم حاصل کی۔ (۳۹)

شاملی کے جہاد میں حصہ لیا۔ آپ کو حضرت مولانا محمد قاسم سے بہت زیادہ تعلق خاطر تھا، کسی وقت بھی ان سے جدائی گوارہ نہ تھی۔ امیر جہاد حضرت حاجی امداد اللہؒ نے اس یگانگت اور تعلق قلبی کا لحاظ فرمایا۔ چنانچہ جو خدمت حضرت مولانا محمد قاسمؒ کے سپرد فرمائی، اس میں آپ کو بھی شریک فرمایا۔ مزید برآں تاکید فرمادی کہ مولانا محمد قاسم کو کبھی تنہا نہ چھوڑیں۔ کیونکہ انہیں خود اپنی جان کا خیال نہیں تھا۔ (۴۰)

(۳۸) علماء ہند کا شاندار ماضی۔ جلد چہارم۔ ص۔ ۳۷۹ (۳۹) علماء ہند کا شاندار ماضی۔ جلد چہارم۔ ص۔ ۳۰۶

شاملی میں جہاد کے لئے حضرت حاجی امداد اللہؒ امیر منتخب ہوئے تو آپ نے باضابطہ ایک حکومت کی تشکیل کی۔ اس میں حضرت مولانا محمد منیر نانوتوی کو بھی شامل کیا۔ مولانا محمد میاں صاحب تحریر کرتے ہیں۔

''بہر حال اس پہلے اجتماع میں اتنا کام تو کر لیا گیا کہ وہ جماعتی نظام جو اب تک ایک اصلاحی یا سیاسی پارٹی کی حیثیت رکھتا تھا، اب اس کو ایک نظام حکومت کی شکل دی گئی، حضرت حاجی امداد اللہ صاحب امیر اور مولانا محمد قاسم صاحب مولانا رشید احمد صاحب، حافظ ضامن صاحب اور مولانا منیر صاحب جیسے زعماء اور اکابر کو فوج، حفاظت، فصل خصوصات اور عدل و قانون وغیرہ کے شعبے سپرد کئے گئے۔ (۴۱)''

حضرت شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنی تحریر فرماتے ہیں:

''پھر جہاد کی تیاری شروع ہو گئی۔ اور اعلان کر دیا گیا، حضرت حاجی امداد اللہ صاحب کو امام مقرر کیا گیا اور حضرت مولانا قاسم نانوتوی کو سپہ سالار افواج قرار دیا اور حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی کو قاضی بنایا گیا اور مولانا محمد منیر صاحب نانوتوی اور حضرت ضامن صاحب تھانوی میمنہ اور میسرہ (داہنے بازو اور بائیں بازو) کے افسر مقرر کئے گئے۔ پولیس آپ کا پیچھا کرتی رہی۔ اس طرح بہت دنوں تک روپوش رہے۔ پھر جب روپوشی کا دور ختم ہوا تو بریلی پہنچ کر ۱۸۶۱ء میں بریلی کالج میں ملازمت کر لی۔ مولانا دو سال تک دار العلوم کے مہتمم بھی رہے۔''(۴۲)

(۴۰) علماء ہند کا شاندار ماضی۔ جلد چہارم۔ ص۔ ۳۰۶ (۴۱) علماء ہند کا شاندار ماضی۔ جلد چہارم۔ ص۔ ۲۶۶
(۴۲) نقش حیات۔ جلد دوم۔ ص۔ ۴۳

آٹھواں باب

۱۸۵۷ء کے بعد علماء کی تحریکیں

(الف) تحریک مجاہدین ۱۸۵۷ء کے بعد

"مولانا عنایت علی غازی کے وصال کے بعد مولانا نور اللہ جماعت کے لئے امیر منتخب ہوئے۔ غلام رسول مہر نے ڈاکٹر بیلیو کے حوالہ سے لکھا ہے کہ مولانا عنایت علی کی وفات کے بعد تین آدمیوں کا بورڈ بنایا گیا (۱) مولانا نصر اللہ (۲) شاہ اکرام اللہ (۳) میر تقی۔ مشترکہ امارت میں مولانا نور اللہ کو دوسروں پر تقدم حاصل تھا۔ گویا وہ اس بورڈ کے صدر تھے۔ (۱)"

"مولانا نور اللہ کا زمانہ امارت صرف دو سال ہے۔ اس عرصہ میں کوئی مہم پیش نہیں آئی۔ تمام سرگرمیاں اس کمزوری کے دور کرنے میں صرف ہوتی رہی جو سر سڈنی کاٹن کے حملوں سے مجاہدین کی فوج میں پیدا ہوگئی تھیں۔ دوسری کوشش یہ ہوتی رہی کہ ان قبائل کو ہم نوا کرلیا جائے، جن کو انگریزی مدبر مخالف بنا چکے تھے۔ مولانا نور اللہ کابل جاتے ہوئے ملاسر (وادی چملہ) پہنچے، تو بخار کی وجہ سے فوت ہوگئے اور وہیں مدفون ہوئے۔ (۲)"

"مولانا نور اللہ کے بعد مولانا مقصود علی ۱۸۵۹ء میں امیر جماعت منتخب ہوئے۔ یہ میرٹھ سے رہا ہوکر آئے تھے۔ مجاہدین نے انہیں اپنا امیر منتخب کرلیا۔ آپ کے زمانہ میں انگریزی فوجوں سے چھیڑ چھاڑ ہوئی۔ مگر ابھی دو سال پورے نہ ہوئے تھے کہ ڈاکٹر بیلیو کے مطابق ۱۸۶۲ء میں انہیں بھی سفر آخرت پیش آگیا۔ (۳)"

(۱) سرگذشت مجاہدین۔ ص۔ ۳۰۵ (۲) سرگذشت مجاہدین۔ ص۔ ۲۱۸
(۳) علماء ہند کا شاندار ماضی۔ جلد سوم۔ ص۔ ۷۱

اب امارت کی باگ دوڑ اس کے حوالے کی گئی جس کی پرورش بچپن ہی سے جہاد حریت کی آب و ہوا میں ہوئی۔ یہ حضرت مولانا ولایت علی صاحب کے فرزند مولانا عبداللہ صادقپوری تھے۔ جنھوں نے تقریباً چالیس برس اس علم کو بلند کیا۔ جن کے دور امارت میں بار بار انگریزی فوجوں کو خاک و خون سے کھیلنا پڑا۔

"آپ سے خط و کتابت کے جرم میں ہزاروں محبان وطن گرفتار کر کے عبور دریائے شور نظر بند کئے گئے۔ ایک عرصہ تک پورے شمالی ہند میں گرفتاریوں اور خانہ تلاشیوں کا بازار گرم رہا۔ اور یکے با دیگرے سازش کے پانچ مقدمات چلائے گئے۔ (۴)"

"مولانا عبداللہ صادقپوری کی وفات نومبر ۱۹۰۲ء میں ہوئی۔ ان کے بعد ان کے چھوٹے بھائی مولانا عبدالکریم صاحب کو امیر بنایا گیا۔ تقریباً ۱۹۱۵ء میں آپ کا انتقال ہوا۔ مولانا عبدالکریم کے بعد مولانا عبداللہ کے پوتے نعمت اللہ صاحب امیر بنائے گئے۔ جس کو کسی مسلمان نے شہید کردیا۔ پھر عبداللہ صاحب کے دوسرے پوتے رحمت اللہ غازی امارت پر فائز ہوئے۔ (۵)"

۱۸۵۷ء کے بعد مجاہدین نے تحریک کو جاری رکھا۔ انگریزوں سے مسلح لڑائی کی اور ان کے چھکے چھڑا دیئے۔ جس کا اعتراف ان کے آفیسروں نے بھی کیا ہے۔ ڈاکٹر ولیم ویلسن ہنٹر لکھتے ہیں:

"۱۸۶۱ء میں ملکا سے (جو پہاڑیوں کے بیچ میں ان کی جائے پناہ تھی) مہابن پر حملہ کردیا۔ جہاں سے ۱۸۵۶ء میں سر سڈنی کاٹن نے ان کو بھگا دیا تھا۔ اور خاص ستھانہ کی پرانی آبادی کے اوپر قلعہ بند ہوگئے۔ اس مضبوط قلعے سے نکل کر وہ ہمارے گاؤں پر چھاپہ مارتے تھے۔ اور وہی قبیلے جنھوں نے ہم سے عہد کیا تھا (کہ گذرنے نہ دیں گے) ان کو گذرنے کی اجازت دیتے تھے۔ گویا کھلے طور اس امر کا اعلان ہوگیا تھا کہ پرانی حالت پھر قائم ہوگئی ہے۔ مجاہدین راولپنڈی کے ضلع میں گھس آئے۔ اور دن دہاڑے شاہراہ عام پر پولس چوکی کے قریب دو قتل کردیئے۔ اس کے تین ہفتہ بعد انہوں نے ہمارے علاقے پر چھاپہ مارا۔ اور تین دولت مند آدمیوں کو اٹھا کر لے گئے۔ اور ان کی رہائی کے لئے فوجی افسروں سے فدیہ کا مطالبہ کرنے لگے۔ تھوڑے عرصہ بعد اسی قسم کی ایک اور واردات ہوئی۔ حکومت سرحد نے رپورٹ کی کہ ۱۸۵۶ء کے شرمناک حالات پھر

(۴) علماء ہند کا شاندار ماضی۔ جلد سوم۔ ص۔ ۷۲ (۵) علماء ہند کا شاندار ماضی۔ جلد سوم۔ ص۔ ۷۳

پیدا ہوگئے ہیں۔اب ہمارے پاس بدلہ کے سوا کوئی چارہ باقی نہ رہا۔تاہم ہماری بے وفا ہندوستانی رعایا باغی کیمپ میں متواتر جمع ہوتی رہی۔ ۱۸۶۲ء میں ان کی تعداد یہاں تک بڑھ گئی کہ پنجاب گورنمنٹ ایک دوسری جنگ کا مشورہ دینے پر مجبور ہوگئی۔''(۶)

''اپریل ۱۸۶۳ء کے اوائل میں انہوں نے ہمارے علاقہ میں پھر قتل وغارت اور لوٹ مار کا سلسلہ جاری کردیا۔اسی سال جولائی میں وہ نہایت دلیری کے ساتھ ستھانہ کے علاقہ پر پھر قابض ہوگئے۔ اور ہمارے حلیف ریاست امب کے نواب صاحب کو تہدید آمیز خطوط لکھے۔ان کی ہمسایہ قوموں نے ایک دفعہ پھر وفاداری کو اپنے تعصب پر قربان کردیا اور ان وعدوں کو بالکل فراموش کردیا، جو ہمارے ساتھ کئے گئے تھے۔ چنانچہ اس باغی آبادی کو سرحد پر ایک دفعہ پھر حاکمانہ اقتدار حاصل ہوگیا۔''(۷)

''دسمبر ۱۸۶۳ء میں برطانوی علاقہ پر چڑھ دوڑے اور ہماری طلایہ گرد فوج پر شب خوں مار کر گویا باقاعدہ جنگ کا اعلان کردیا۔اس کے بعد انہوں نے ہمارے حلیف ریاست امب کے نواب پر بھی حملہ کرکے کوہ سیاہ پران کے دیہات کو جلادیا اور سرحدی چوکیوں پر باقاعدہ جنگ شروع کردی(۸)''

غرض ہمارے ہندوستانی مسلمان میں اس کی پوری تفصیل موجود ہے۔ جو ۱۸۵۷ء کے بعد مجاہدین نے انگریزوں کے ساتھ کیا۔اس سے یہ بات واضح ہے کہ ۱۸۵۷ء کے بعد بھی تحریک مجاہدین کے علماء انگریزوں کے خلاف جنگ میں مصروف رہے۔

(ب) دارالعلوم دیوبند

۱۸۵۷ء کی لڑائی میں ناکامی کے بعد علمائے کرام نے محسوس کرلیا کہ انگریزوں کی طاقت کا مقابلہ لڑائی کے ذریعہ نہیں کیا جاسکتا ہے۔اس کے لئے ضروری ہے کہ ایسے مجاہدین کی تربیت کی جائے، جو انگریزی طاقت کے مقابلہ میں سینہ سپر ہوسکیں۔اسی مقصد کے تحت ۱۸۵۷ء کے بعد ۱۸۶۶ء میں دارالعلوم دیوبند کا قیام عمل میں آیا۔اس کے بعد بہت سے مدارس قائم ہوئے اور ہزاروں ہزار کی تعداد میں ایسے علماء پیدا ہوئے، جنہوں نے اپنی تقریر وتحریر کے ذریعہ ملک کی آزادی میں بھرپور حصہ لیا۔

(۶) ہمارے ہندوستانی مسلمان۔ص۔۴۱ (۷) ہمارے ہندوستانی مسلمان۔ص۔۴۳
(۸) ہمارے ہندوستانی مسلمان۔ص۔۴۳

دارالعلوم دیوبند کے فارغین ہمہ وقت اس خیال میں رہنے لگے کہ کس طرح اس ادارہ کے قیام کے مقصد کو پورا کیا جائے۔دارالعلوم کے فارغین میں سے حضرت شیخ الہندؒ مولانا محمود حسن نے فارغین کی قیادت کو اپنے ہاتھ میں لیا۔اور اس طرح مجاہدین کی تربیت شروع کی۔

حضرت مولانا نے اپنے استاذ حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی کے افکار وخیالات اور عزائم کو زندہ جاوید بنانے کے خیال سے اسی سال ۱۸۷۸ء میں ''ثمرۃ الترتیب'' نامی ایک تنظیم کی تشکیل کی۔

مولانا محمد میاں صاحب تحریر کرتے ہیں:

''باخبر حضرات واقف ہیں کہ ۱۲۹۷ھ مطابق ۱۸۷۸ء میں حضرت شیخ الہندؒ اور آپ کے احباب نے فضلاء اور بہی خواہان تحریک دارالعلوم دیوبند کی ایک جماعت بنائی۔جس کا نام ثمرۃ الترتیب (دینی تعلیم وتربیت کا پھل) تھا۔ایک عرصہ تک اس جماعت نے کام کیا،مگر پھر وہ بظاہر سست پڑگئی۔''(۹)

ڈاکٹر اقبال حسن خان تحریر کرتے ہیں:

''یہ انجمن شیخ الہندؒ کی کوششوں اور آپ کے افکار وخیالات کے اولین مظہر کی حیثیت سے وجود پذیر ہوئی۔اندازہ ہوتا ہے کہ اس کے قیام سے تنظیمی مشکلات کا تجربہ اور آئندہ اقدام کے سلسلہ میں ان کے بانی اور منتظمین کو طریقہ کار اور طرز عمل کے تعیین کا سلیقہ بھی اس سے حاصل ہوا۔

یہ تحریک اس وقت محدود پیمانہ پر چلائی گئی، جس کا فائدہ بہرحال کچھ نہ کچھ سامنے آیا۔یہی کیا کم ہے کہ اس کی روشنی میں آئندہ تحریک کے لئے کوئی واضح قدم اٹھانا ممکن ہوسکا۔مولانا محمد میاں کی مندرجہ بالا تحریر سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ انجمن زیادہ دنوں تک سرگرم عمل نہ رہ سکی،شاید اسکا سبب یہ ہے کہ حالات دن بدن اس کے دائرہ کار سے زیادہ طالب ہورہے تھے۔بہرحال یہ مختصر تحریک جو بظاہر جلد ہی ختم بھی ہوگئی، لوگوں کے ذہنوں کو ایک مقام دے گئی۔اس نے آئندہ ان کے لئے مشعل راہ کا کام کیا۔''(۱۰)

جمعیۃ الانصار فارغین دارالعلوم دیوبند کی ایک تنظیم تھی، جس کو حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن نے قائم کیا تھا۔

جمعیۃ الانصار کے قیام کے سلسلہ میں ڈاکٹر اقبال حسن خان تحریر کرتے ہیں:

(۹) علمائے حق جلد اول۔ص۔۱۱۲ (۱۰) شیخ الہند مولانا محمود حسن حیات وعلمی کارنامے۔ص۔۲۱۷،علمائے حق جلد اول۔ص۔۱۱۲

"شیخ الہندؒ کی کارگزاریوں کے غائر مطالعہ سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ آپ نے اپنے ذہن میں انقلاب کا جو نقشہ تیار کیا تھا اور اس کے لئے جو طریقہ کار اختیار کیا وہ اپنے بزرگوں مولانا محمد قاسم صاحب، حضرت حاجی امداد اللہ صاحب اور مولانا گنگوہی کے طرز پر تھا۔ یعنی قوم کی مذہبی بنیادیں اس قدر استوار و مستحکم کردی جائیں کہ ہر وہ چیز جو دوسری راہوں سے آئے، اس کے یہاں نا قابل قبول ٹھہرے۔ نیز مذہبی بنیادوں پر کام کرنے کا ایک مقصود یہ بھی تھا کہ عوام میں صحیح دینی روح پھونک کر انہیں متحد کیا جائے تا کہ جب وقت آپڑے وہ بلا پس و پیش میدان کارزار میں نکل آئیں۔ شیخ الہند کی کوششوں کا جو بھی مرتب طور پر مطالعہ کرے گا ہمیں یقین ہے کہ وہ اسی نتیجہ پر پہونچے گا۔" (۱۱)

دار العلوم دیوبند کا دائرہ وسیع ہو رہا تھا۔ اور ان کے طلبہ و فارغین کی تعداد میں دن بدن اضافہ ہو رہا تھا۔ اس لئے ان کو متحد کر کے ان سے کام لینا ضروری تھا۔ اس لئے حضرت شیخ الہندؒ نے ۱۹۰۹ء میں "جمعیۃ الانصار" کے نام سے ایک وسیع تنظیم کی بنیاد ڈالی۔ مولانا سید میاں صاحب تحریر کرتے ہیں:

"حضرت شیخ الہندؒ نے رمضان المبارک ۱۹۰۹ء میں انتہائی غور وخوض کے بعد جمعیۃ الانصار کے نام سے ایک وسیع تنظیم کا خاکہ مرتب کیا۔ دار العلوم چونکہ دن بدن وسعت اختیار کرتا جا رہا تھا اور اس کے طالبعلموں میں ملک کے مختلف حصوں کے علاوہ صوبہ سرحد و افغانستان وغیرہ سے بھی کافی تعداد میں طلبہ آنے لگے تھے، شیخ الہندؒ نے اس طرح سب کو متحد کرنے اور ان کے ذریعہ دوسروں کو قریب لانے کا منصوبہ بنایا۔" (۱۲)

مولانا سید محمد میاں صاحب مزید تحریر کرتے ہیں:

"دار العلوم میں اس وقت متعدد جلسہ ہائے دستار بندی ہو چکے تھے۔ شیخ الہندؒ نے اپنے مذکورہ بالا مجوزہ پروگرام کی ہمہ گیر اشاعت کے لئے جلسہ دستار بندی کو عمدہ ذریعہ خیال کیا۔ یوں بھی حالات سیاست کے نام پر کچھ کرنے کے لئے سازگار نہ تھے۔ اس کے برعکس مذہبی راہوں سے کوئی کام نسبتاً آسان سمجھا جاتا تھا۔" (۱۳)

"حضرت شیخ الہندؒ نے ۱۹۱۰ء میں جلسہ دستار بندی کا اجلاس کیا۔ جس میں مستحقین دستار فضیلت کی تعداد چھ سو کے قریب تھی۔ اس میں سبھی شرکت نہیں کر سکے۔ اس اجلاس میں دو سو علماء کرام کو دستار فضیلت سے نوازا گیا۔ اس جلسہ میں شرکاء کی تعداد تقریباً تیس ہزار تھی اور سینکڑوں علماء و صالحین اور اولیاء اللہ نے شرکت کی۔ اس اجلاس میں رسالہ القاسم

(۱۱) شیخ الہند مولانا محمود حسن حیات وعلمی کارنامے۔ص۔۲۱۷ (۱۲) شیخ الہند مولانا محمود حسن حیات وعلمی کارنامے۔ص۔۲۱۸، علمائے حق جلد اول۔ص۔۱۳۰ (۱۳) علمائے حق جلد اول۔ص۔۱۳۰

کا اجراء ہوا اور اسی میں جمعیۃ الانصار کے مقاصد اور نظام کی تشہیر بھی کی گئی۔ اور مولانا عبید اللہ سندھی جو اس کے لئے موزوں ترین آدمی تھے، انہیں جمعیۃ کا ناظم بنایا گیا۔" (۱۴)

مولانا عبید اللہ سندھی ایک عبقری و انقلابی ذہن کے حامل تھے۔ یہ حضرت شیخ الہندؒ کے ذہن وفکر کے زیادہ قریب تھے۔ اور پروگرام کو اچھی طرح کامیاب بنا سکتے تھے، اس لئے حضرت شیخ الہند نے نظامت کے لئے حضرت مولانا عبید اللہ سندھی کو منتخب فرمایا۔ اسی جلسہ میں یہ طے کر لیا گیا کہ جمعیۃ الانصار کا پہلا اجلاس مراد آباد میں ہوگا۔ جمعیۃ الانصار کا پہلا عظیم الشان اجلاس مراد آباد میں ۱۵/۱۶/اور ۱۷/اپریل ۱۹۱۸ء کو منعقد ہوا۔

شیخ الہندؒ کی سرپرستی اور مولانا سندھی کی نظامت میں جمعیۃ الانصار نے کافی ترقی کی، جو بالواسطہ خود دار العلوم دیوبند کی شہرت اور ترقی کا ذریعہ بنی۔ نیز ملک کے مختلف حصوں میں فارغین دار العلوم دیوبند کی شہرت اور ترقی کا ذریعہ بھی بنی۔ ملک کے مختلف حصوں میں فارغین دار العلوم دیوبند اور تمام مسلمانوں نے اس تحریک کی کارگذاریوں سے دلچسپی لینا شروع کیا۔ اس کے جلسہ علمیہ کا انعقاد بھی مراد آباد میں ہوا۔ اس کا نام موتمر الانصار تھا۔

موتمر الانصار کے پہلے اجلاس کے سلسلہ میں مولانا حبیب الرحمان' مدیر رسالہ القاسم تحریر کرتے ہیں:

"موتمر الانصار کا یہ پہلا اجلاس جو مراد آباد میں ہوا۔ اس میں مجموعی اندازہ کے مطابق شرکاء کی تعداد تقریباً دس ہزار تھی۔ تین دن تک یہ عظیم الشان اجلاس جاری رہا۔ اس میں مولانا سید حسین احمد مدنی، مولانا اشرف علی تھانوی' مولانا احمد حسن امروہی اور مولانا شبیر احمد عثمانی وغیرہ کی متعدد ومفید اور کارآمد تقریروں کے علاوہ بعض دوسرے علماء نے بھی حاضرین کو اپنے وعظ و ارشادات سے مستفید فرمایا۔

موتمر الانصار کے جلسہ میں حسب ذیل تجاویز منظور ہوئیں:

۱۔ انگریزی مدارس۔ گورنمنٹ اسکول کالجوں میں مسلمان طلبہ کی مذہبی تعلیم جس قدر کہ ان کو ضروری ہے۔ خواہ ہفتہ میں ایک مرتبہ ہو، اور ان کے دار الاقامہ (بورڈنگ ہاوس) میں مسلمان طلبہ کی مذہبی تربیت یعنی وضع' طریقہ اسلام کی پابندی اور اسلامی شعائر و اخلاق کے لئے جمعیۃ الانصار دیوبند ہر ایک اسکول و کالج میں حسب ذیل معلم مقرر کرے جن کی تنخواہ ۲۵/۳۰/روپے سے کم نہ ہو۔

۲۔ انگریزی مدارس میں کم از کم ۲۵٪ فیصدی وہ طلبہ جن کی دوسری زبان عربی ہو، ان کے لئے جمعیۃ الانصار

(۱۴) علمائے حق جلد اول۔ص۔۱۳۰، شیخ الہند حیات وعلمی کارنامے۔ص۔۲۱۸

وظائف جاری کرے اور ان کی تعلیم کے لئے لائق استاذ بہم پہنچائے۔

۳۔ایسے غریب گریجویٹ یا انڈر گریجویٹ طلبہ جن کی دوسری زبان عربی ہو، ان کے لئے مدرسہ عالیہ عربیہ دیوبند میں تعلیم دینے کا خاص انتظام ہو اور جمعیۃ ۲۰ سے ۴۰ روپے ماہوار جاری کرے۔(۱۵)

جمعیۃ الانصار کا دوسرا اجلاس ۱۷/۱۸/اپریل کو میرٹھ میں مولانا اشرف علی تھانوی کی صدارت میں منعقد ہوا۔

جمعیۃ الانصار اور موتمر الانصار کے جلسہ نے انگریزوں کو بوکھلا دیا۔ اور اس پر ان کا شدید ردعمل ہوا۔

ڈاکٹر اقبال حسن خان تحریر کرتے ہیں:

''جمعیۃ الانصار کے مذکورۃ الصدر اغراض ومقاصد اور موتمر الانصار میں منظور شدہ تجاویز گو نظام بے ضرر ساں تھیں۔ لیکن اس کے باوجود انگریزوں نے اس کی طرف سے بے اطمینانی محسوس کی۔ کسی ہندوستانی جماعت پھر جب کہ اس کا تعلق علماء سے ہو، جنہوں نے انگریزوں کو اس سے قبل سخت ترین دشواریوں میں مبتلا کر دیا تھا' اس کے زیر سایہ کوئی بڑا اجتماع ان کی توجہ اپنی طرف کھینچنے کے لئے کافی تھا۔ چنانچہ اس کے باوجود کہ ایک تجویر حکومت کی وفاداری کی پاس کر دی گئی تھی' انگریز مطمئن نہ رہ سکے۔ اور اس کی کارگذاریوں پر نظر رکھی جانے لگی۔ مراد آباد میں منعقدہ پہلے اجلاس کے ختم ہوتے ہی مولانا احمد حسن صاحب سے پوچھ گچھ ہوئی۔ اور حضرت شیخ الہندؒ کی آمدنی پر ٹیکس لگا دیا گیا۔''(۱۶)

مولانا عبیداللہ سندھی جمعیۃ الانصار کا تذکرہ کرتے ہوئے تحریر کرتے ہیں:

''مولانا شیخ الہندؒ نے مدرسہ دیوبند کے پرانے فارغ شدہ عالموں کو جمعیۃ الانصار میں جمع کرنا شروع کیا۔ اس طرح دیوبندی نظام کی تعلیم یافتہ جماعتوں کی ساری اجتماعی طاقت منظم ہوگئی۔ اس نظام میں جس طرح ہندوستانی علماء داخل ہوئے اسی طرح افغانی اور ترکستانی علماء بھی شامل ہوگئے۔''(۱۷)

ڈاکٹر اقبال حسن خاں تحریر کرتے ہیں:

(۱۵) شیخ الہند مولانا محمود حسن حیات وعلمی کارنامے۔ص۔۲۲۳، رسالہ القاسم ۱۹۱۲ جلد۔ا۔شمارہ۔۹۔ص۔۸۔۱۳
(۱۶) شیخ الہند مولانا محمود حسن حیات وعلمی کارنامے۔ص۔۲۲۵

''غرض یہ کہ شیخ الہند اور مولانا سندھی کی کوششوں سے جمعیۃ الانصار کے خاصے مفید نتائج برآمد ہوئے۔ اور اگر مولانا سندھی کی علیحدگی کے ناگزیر حالات نہ پیش آئے ہوتے تو اثرات ونتائج کا شاید کچھ اور ہی رنگ ہوتا۔ جو کچھ اور جس قدر سرمایہ ذہن وفکر اشخاص وافراد کا اس ذریعہ تیار ہوسکا' شیخ الہند نے اسے اپنی آئندہ تحریک (ریشمی رومال) کی نذر کر دیا۔''(۱۸)

فارغین دار العلوم دیوبند نے سرحدی علاقوں میں بھی آزادی کی تحریک چلائی، اس کی وضاحت سید عبدالجبار ستھانوی کے تحریر سے بھی ہوتی ہے، وہ تحریر کرتے ہیں:

''جب مجھے نمائندگان صوات نے بتایا کہ ملا صاحب سنڈا کے اسلامیہ کالج پشاور کے بالمقابل ایک عالیشان اسلامی درسگاہ کی بنیاد رکھنا چاہتے ہیں تو میں نے ان پر صاف واضح کر دیا کہ یہ اصطلاح ایک خاص جماعت کا شعائر ہے۔ جس میں مولوی صاحبان اور علماء شامل ہیں۔ اسلامی درسگاہوں کو حکومت برطانیہ کے خلاف تنظیمات کا پردہ بنا لیا گیا ہے۔ اور حاجی صاحب ترنگ زئی جو اپنے ضلع میں ایسی درسگاہیں قائم کرنا چاہتے تھے' وہ بھی اسی حلقہ کے ایک رکن ہیں۔''(۱۹)

غرض مقصد کے حصول کے لئے قیام مدارس اور اسلامی درگاہوں کا قیام ایک کامیاب پروگرام ثابت ہوا۔ ان مدارس اور اسلامی درسگاہوں کے فارغین میدان میں آئے تو وہ ایک بیباک مجاہد تھے، نہ تو انہیں کسی کا ڈر تھا اور نہ کسی کا خوف۔ ملک وملت کے لئے سب کچھ قربان کرنے کیلئے تیار تھے۔

مولانا عبیداللہ سندھی حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن کے پروردہ تھے، حضرت شیخ الہندؒ نے ہندوستان کو آزاد کرانے کے لئے افغانستان حکومت کو مدد دینے کے لئے تیار کرنے کو افغانستان بھیجا تھا۔ افغانستان میں مولانا سندھی نے ہندوستان کی آزادی کے لئے کام کیا۔ آزادئ وطن کے سلسلہ میں آپ کے جذبات نہایت اہم تھے۔ آپ پہلے ہندوستانی ہیں جس نے ہندوستان سے باہر نیشنل کانفرنس کمیٹی قائم کی۔

جنوداللہ کی تشکیل مولانا عبیداللہ سندھی نے کابل میں کی تھی۔ ''جماعت مجاہدین کے امیر مولانا

(۱۷) شاہ ولی اللہ اور ان کی سیاسی تحریک۔ص۔۲۰۹ (۱۸) شیخ الہند مولانا محمود حسن حیات وعلمی کارنامے۔ص۔۲۳۴
(۱۹) شیخ الہند مولانا محمود حسن حیات وعلمی کارنامے۔ص۔۲۳۵

محمد بشیر صاحب کے مشورہ سے قیام کابل کے زمانہ میں مولانا سندھی نے جنود اللہ نامی ایک تنظیم کی تشکیل کی تھی‘ جس میں لاہوری طلبہ آپ کے شریک تھے۔

رولٹ رپورٹ میں اس کی وضاحت موجود ہے:

’’اس فوج کی بھرتی ہندوستان میں ہوئی۔ اس کا کام حکمراں سے رابطہ قائم کرنا تھا۔ محمود حسنؒ یہ باتیں عثمانی ترکی حکومت سے کرتے۔ عبیداللہ کے خط میں جنود اللہ کا خانہ وار گوشوارہ بھی درج تھا۔ اس کا بڑا دفتر مدینہ منورہ ہوتا۔ محمود حسن خود اس کے جنرل انچیف ہوتے۔ ثانوی دفاتر مقامی جنرل کے چارج میں ہوتے۔ قسطنطنیہ‘ تہران اور کابل کا جنرل عبیداللہ ہوتا۔ نقشہ میں تین سرپرستوں کے کام‘ بارہ فیلڈ مارشلوں کے نام اور بہت سے دیگر ملیٹری افسران کے نام تھے۔ لاہور کے طلبہ میں سے ایک میجر جنرل ہوتا‘ ایک کرنل اور چھ لفٹنٹ کرنل ہوتے۔‘‘ (۲۰)

’’۱۳۲۱ھ میں نظارۃ المعارف قائم ہوئی۔ اس کے کارپرداز حضرت مولانا عبیداللہ سندھی تھے۔ اور روح رواں حضرت مولانا محمود حسن۔ یہ تعلیم گاہ بھی تھا۔ تربیت گاہ بھی اور خفیہ مشورہ گاہ بھی۔ حضرت مولانا حسین احمد مدنیؒ فرماتے ہیں ’’اس کا مقصد یہ تھا کہ انگریزی تعلیم سے نوجوانان اسلام کے عقائد اور خیالات پر جو بے دینی اور زہریلا اثر پڑتا ہے اس کو زائل کیا جائے۔ اور قرآن کی تعلیم اس طرح دی جائے کہ ان کے شکوک وشبہات دین اسلام سے دور ہو جائیں اور وہ سچے اور پکے مسلمان ہو جائیں۔‘‘ (۲۱)

اس کا سیاسی مقصد بھی تھا‘ وہ یہ کہ اس کے ذریعہ آزادی کے لئے مجاہدین کو تیار کیا جائے۔

سی آئی ڈی نے اس سلسلہ میں لکھا ہے ’’دیوبند کو اپنے مشنریوں کی تربیت گاہ نہ بنا سکا‘ تو عبیداللہ نے فیصلہ کیا کہ ایک مدرسہ دلی میں اس مقصد کے لئے قائم کرے۔ اس میں درس کے علاوہ جو نظارۃ المعارف میں دیا جاتا تھا‘ اور جو صریحاً درست نہیں تھا‘ سازشوں کے لئے وقتاً فوقتاً مل بیٹھنے کیلئے بھی ایک جلسہ گاہ کا قیام تھا۔

۱۸۳۱ء سے ۱۹۱۵ء تک کا تجربہ علماء کرام کے سامنے تھا۔ لہذا انہوں نے تشدد کی پالیسی بدل دی اور

(۲۰) رولٹ رپورٹ۔ ص۔ ۱۲۷، شیخ الہند مولانا محمود حسن حیات وعلمی کارنامے۔ ص۔ ۲۹۴
(۲۱) نقش حیات۔ جلد دوم۔ ص۔ ۱۳۸

ہندوستان کی آزادی کو ہندو اور مسلمان کی مشترکہ جدوجہد سے حاصل کرنے کی تجویز پیش کیا۔ اس مقصد کے لئے فارغین دارالعلوم دیوبند نے ۱۹۱۹ء میں جمعیۃ علماء قائم کیا۔ اس تنظیم نے ملک کی آزادی میں سرگرم رول ادا کیا جو تاریخ آزادی کا اہم باب ہے۔

غرض دارالعلوم دیوبند تحریک آزادی کا ایک خاموش رہنما ہے۔ جس نے ملک کی سیاست میں اہم رول ادا کیا۔

(ج) ریشمی رومال تحریک

۱۹۱۴ء میں عالمی جنگ چھڑ جانے کے بعد شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسنؒ نے محسوس کیا کہ وقت قریب آ گیا ہے کہ ہندوستان کی آزادی کے لئے جنگ شروع کی جا سکتی ہے۔ حضرت شیخ الہندؒ نے محسوس کر لیا تھا کہ ہندوستانی عوام اور مشرق وسطی کے ممالک خصوصاً افغانستان‘ ایران اور خلافت عثمانیہ کو متحد کئے بغیر برطانوی حکومت سے ایشیاء کو آزاد نہیں کرایا جا سکتا ہے۔ اس وقت خلافت عثمانیہ مشرق وسطیٰ کے وقار کی محافظ سمجھی جاتی تھی۔ اور ترکی ہی برطانیہ‘ اٹلی‘ فرانس‘ یونان اور روس کے مقابلہ میں ڈٹا ہوا تھا۔ اس لئے آپ نے حضرت مولا عبیداللہ سندھی کو افغانستان جانے کا حکم دیا اور خود حجاز وخلافت عثمانیہ کا سفر کیا۔

۱۹۱۵ء میں حضرت شیخ الہندؒ نے مولانا سندھی کو کابل جانے کا حکم دیا۔ مگر انہیں کوئی مفصل پروگرام نہیں دیا۔ سی آئی ڈی کو غفلت میں ڈال کر شیخ عبدالرحیم سندھی کے ساتھ کوئٹہ ہوتے ہوئے افغانستان کے لئے روانہ ہوگئے۔

شیخ عبدالرحیم سندھی جنہوں نے اسلام کی حقانیت سے متاثر ہو کر اسلام قبول کر لیا تھا۔ یہ بھی حضرت شیخ الہندؒ کی تحریک کے معتمد تھے۔ مولانا عبیداللہ سندھی کو افغانستان جانے کے لئے ان کی بیوی اور بیٹیوں نے اپنے زیورات فروخت کر کے زاد راہ کی فراہمی کی تھی۔ روانگی کے وقت شیخ عبدالرحیم کوئٹہ تک گئے اور وہاں جا کر روپئے سپرد کر کے واپس لوٹ آئے۔

گرفتاری سے بچنے کے لئے مولانا سندھی بلوچستان کے ریگستان اور سنسان پہاڑی راستوں اور دروں سے ہوتے ہوئے ۱۵؍اگست ۱۹۱۵ء کو افغانستان کی سرحد میں داخل ہوئے۔ اس وقت سورج غروب ہو رہا تھا۔ افغانستان کی آزاد سرزمین پر انہوں نے پہلی مغرب کی نماز ادا کی۔ اور حسن اتفاق یہی ۱۵؍اگست ہندوستان کی آزادی کی تاریخ ہوئی۔

افغانستان کے جس علاقہ میں مولانا سندھی داخل ہوئے اس علاقہ کو ٹسرابک کہا جاتا ہے۔ حضرت مولانا وہاں

سے قندھار پہنچے۔ پھر وہاں سے کابل پہنچے۔ ان کے سفر کا مقصد تھا افغانستان کو ہندوستان کی تحریک آزادی میں اخلاقی اور فوجی امداد دینے کے لئے تیار کرنا۔ مولانا اپنے مقصد کی تکمیل کے لئے کوشش کرتے رہے۔ اس سلسلہ میں حکومت کے ذمہ داروں سے رابطہ قائم کیا اور ان کی مدد سے امیر حبیب اللہ تک رسائی حاصل کی۔ اور اپنے مقصد سفر کے سلسلہ میں ایک عرض داشت پیش کی۔ جس میں افغانستان کو ہندوستان کی آزادی کے لئے امداد دینے کے درخواست کی۔

مولانا سندھی کے کابل پہنچنے سے پہلے پنجاب اور سرحد کے انگریزی کالج کے طلبہ کا ایک وفد بھی کابل پہنچ چکا تھا۔ جہاں ان کو نظر بند کر دیا گیا تھا۔ طلبہ کے اس وفد کا مقصد تھا خلافت عثمانیہ کی فوج میں شامل ہو کر انگریزوں سے لڑنا۔ ان طلبہ کو مولانا سندھی نے کابل پہنچنے کے بعد رہا کرایا تھا۔ مولانا سندھی نے ان مہاجر طلبہ کو اپنے حلقہ میں شامل کر لیا۔ ان کو مشورہ دیا کہ وہ ترکی فوج میں شامل ہونے کا ارادہ ترک کر دیں۔ اور افغانستان ہی میں رہ کر ہندوستان کی آزادی کے لئے کام کریں۔ چنانچہ وہ طلبہ تیار ہو گئے۔ ان کے ساتھ مل کر مولانا سندھی نے ایک عارضی حکومت قائم کی۔ اس عارضی حکومت کے تین رکن تھے۔ راجہ مہندر سنگھ، مولانا برکت اللہ بھوپالی اور مولانا عبیداللہ سندھی۔ اس عارضی حکومت نے مختلف ممالک میں اپنے وفود روانہ کر کے رائے عامہ کو ہموار کرنے کی کوشش کی۔ اسی سلسلہ میں مارچ ۱۹۱۶ء کو ایک وفد روس بھیجا گیا، اس کے بعد دو وفد کو ترکی اور جاپان کے لئے روانہ کیا گیا۔ ترکی جانے والے وفد میں عبدالباری اور شجاع اللہ اور جاپان جانے والے وفد میں شیخ عبدالقادر اور ڈاکٹر متھرا سنگھ شامل تھے۔ جاپان جانے والے وفد کو گرفتار کر کے روسی حکام نے برطانیہ کے حوالے کر دیا۔ اور بدقسمتی سے ترکی جانے والا وفد بھی برطانوی حکام کے قبضہ میں آ گیا۔ ان کے بیانات سے سارے واقعات انگریزوں کے علم میں آ گئے۔ حکومت برطانیہ نے حکومت افغانستان سے احتجاج کیا، جس کے دباؤ میں آ کر حکومت افغانستان نے مولوی محمد علی اور شیخ ابراہیم کو ہندوستان جانے کا حکم دیدیا۔ یہ دونوں حبیبیہ کالج کے پرنسپل اور پروفیسر تھے۔

مولانا عبیداللہ سندھی نے ان حالات سے حضرت شیخ الہندؒ کو مطلع کرنا ضروری سمجھا اور ریشمی کپڑے کے تین ٹکڑوں پر خط لکھ کر ۹ جولائی ۱۹۱۶ء کو عبدالحق کو دیا اور اس کو ہدایت کر دی کہ یہ خطوط شیخ عبدالرحیم سندھی کو پہچا دیں۔ ریشمی رومال کے اس خط کو "ریشمی رومال تحریک" کہتے ہیں۔

مولانا عبیداللہ سندھی نے جو ریشمی رومال پر خطوط لکھے تھے۔ تاریخی اور سیاسی اعتبار سے وہ خطوط

نہایت ہی اہمیت کی حامل ہیں۔ ان میں سے پہلا خط شیخ عبدالرحیم سندھی کے نام تھا یہ خط ۶ ر انچ لمبے اور ۵ ر انچ چوڑے ٹکڑوں پر لکھا گیا تھا۔ دوسرا خط حضرت شیخ الہندؒ کے نام تھا یہ خط دس انچ لمبے اور آٹھ انچ چوڑے کپڑے کے ٹکڑے پر لکھا گیا تھا۔ تیسرا خط ۱۵ ر انچ لمبے اور دس انچ چوڑے ٹکڑے پر لکھا گیا تھا یہ خط شیخ الہندؒ کے نام تھا۔

پہلا خط جو شیخ عبدالرحیم سندھی کے نام تھا' اس کا مضمون یہ تھا:

"یہ خط حضرت مولانا شیخ الہند کو مدینہ بھیجنا ہے۔ حضرت شیخ الہند خط کے ذریعہ بھی اور زبانی بھی آگاہ کر دیں کہ وہ کابل آنے کی کوشش نہ کریں۔ حضرت مولانا شیخ الہند مطلع ہو جائیں کہ مولانا منصور انصاری اس بار حج کیلئے نہ آ سکیں گے۔ شیخ عبدالرحیم کسی نہ کسی طرح کابل میں مولانا سندھی سے ملاقات کریں۔"

دوسرا خط شیخ الہندؒ کے نام تھا جس کے سلسلہ میں ہدایت تھی کہ تحریک کے ممتاز کارکنوں کو بھی یہ خط دیکھا دیا جائے۔ اس خط میں رضا کار فوج جنود اللہ اور اس کے افسروں کی تنخواہوں کا تذکرہ ہے۔ اس میں ۱۰۴ افراد کے نام ہیں۔ جنہیں فوجی تربیت اور ان کام کی ذمہ داری کے سلسلہ میں تحریر ہے۔ اس کے علاوہ راجہ مہندر پرتاب سنگھ کی سرگرم جرمن مشن کی آمد' عارضی حکومت کا قیام' روس' جاپان' اور ترکی وفود کی تفصیل بیان کی گئی ہے۔

تیسرا خط حضرت شیخ الہندؒ کے نام تھا۔ مشہور یہ ہے کہ یہ خطوط مولانا منصور انصاری نے لکھا تھا۔ لیکن عبدالحق' جنہیں یہ خط پہنچانے کے لئے دیا گیا تھا، اس کا بیان ہے کہ یہ خط مولانا سندھی نے اس کے سامنے لکھا تھا۔ اس خط کے خاص مضامین یہ ہیں کہ ہندوستان میں تحریک کے کون کون سے کارکن سرگرم ہیں۔ اور کون کون سے لوگ سست پڑ گئے ہیں۔ اس میں مولانا آزاد اور حسرت موہانی کی گرفتاری کی اطلاع بھی ہے۔ اس میں یہ بھی تحریر ہے کہ میرا حجاز آنا ممکن نہیں ہے۔

غالب نامہ تحریک کے کارکنوں کو دیکھا کر قبائلی علاقہ کے سرداروں کو دیکھا دیا گیا ہے۔ حاجی ترنگ زئی اس وقت مہمند علاقہ میں ہیں۔ مہاجرین نے مہمند اور سوات کے علاقہ میں آگ لگا رکھی ہے۔ جرمن ترک مشن کی آمد اور اس کے ناکام کے اسباب کا تذکرہ بھی ہے۔ مشن کی ناکامی کے اسباب کا تذکرہ کرتے ہوئے تحریر کیا گیا ہے کہ جرمنی اور ترکی کو چاہئے تھا کہ پہلی جنگ عظیم میں شامل ہونے سے پہلے ایران اور افغانستان کی ضرورت معلوم کرتے اور اس کو پورا

کرنے کی صورت نکالتے۔اس کے علاوہ افغانستان کو جنگ میں شریک ہونے کے لئے کن کن چیزوں کی ضرورت ہے اس کی تفصیل درج ہے۔ساتھ ہی حضرت شیخ الہندؒ کو یہ مشورہ دیا گیا کہ وہ مدینہ منورہ میں ٹھہر کر ترکی افغانستان اور ایران میں معاہدہ کرانے کی کوشش کریں۔ اس خط میں حضرت شیخ الہندؒ سے یہ بھی گذارش کی گئی تھی کہ وہ ہندوستان نہ آئیں۔حکومت نے ان کو گرفتار کرنے کا فیصلہ کرلیا ہے۔

مولانا سندھی نے یہ خطوط ریشمی رومال پر لکھ کر عبدالحق کو دیئے۔اوراس کو ہدایت کردی کہ یہ خط شیخ عبدالرحیم سندھی کو پہنچادیں۔عبدالحق ایک نومسلم تھا۔وہ مہاجر طالب علموں کیساتھ افغانستان گیا تھا۔مہاجر طالب علموں میں دوطالب علم اللہ نواز اور شاہ نواز کے نام قابل ذکر ہیں۔ یہ دونوں رب نواز کے لڑکے تھے، جوملتان میں انگریزی ایجنٹ تھا۔عبدالحق بھی رب نواز کے یہاں رہتا تھا۔

جب یہ خطوط عبدالحق کو پہنچانے کے لئے دیئے گئے تو وہ سرحد کے راستے سے پنجاب ہوتا ہوا بھاولپور پہنچا۔وہاں بھاولپور کے مرشد کے پاس وہ کوٹ رکھ دیا جس کے استر میں وہ ریشمی ٹکڑے سلے ہوئے تھے۔اس کے بعد وہ بھاولپور سے اپنے مالک رب نواز سے ملاقات کرنے کے لئے ملتان چلا گیا۔اس نے ان دونوں کی خیریت کے علاوہ تحریک اوراس کی سرگرمی، قبائلی علاقہ اور جیل کے واقعات اور مولانا عبیداللہ سندھی کی سرگرمیوں کی تفصیل بھی بتادی۔اور دھمکانے پر بھاولپور کے مرشد مولانا محمد کے پاس سے لاکر وہ کوٹ بھی دیا جس کے استر میں وہ ریشمی خطوط سلے ہوئے تھے۔جب رب نواز کو یہ خطوط ہاتھ لگے تواس نے غداری کی۔اوراس نے فوراً ہی کمشنر سے ملاقات کی۔اور ریشمی خطوط پیش کئے اور تمام تفصیلات سے اس کو باخبر کردیا۔ساتھ ہی عبدالحق کو کمشنر کے پاس لے گیا۔اس کے صلہ میں اس کو خان بہادر کے خطاب سے نوازا گیا۔اس طرح وہ رب نواز سے خان بہادر رب نواز بن گیا۔

۱۰راگست ۱۹۱۶ءکو رب نواز کے ذریعہ کمشنر کو مفصل رپورٹ ملی۔اور پھر کیا تھا۔اس کی روشنی میں حکومت نے نہایت ہی تیزی سے کاروائی شروع کردی۔ چھاپے مارے گئے۔اور گرفتاریاں شروع ہوگئیں۔اوراس طرح ۲۲۰ افراد کے خلاف انکوائری اور پوچھ تاچھ کی گئی۔۵۹ اشخاص پر حکومت برطانیہ کا تختہ الٹنے کا اور غیر ممالک سے امداد حاصل کرنے کی سازش کا مقدمہ قائم کیا گیا۔مولانا سندھی نے اپنی ڈائری میں لکھا ہے۔

ہندوستان میں گرفتاریاں شروع ہوئیں تو ہم حیران رہ گئے‘ چندروز بعد شیخ الہند اوران کے ساتھی مکہ معظّمہ میں گرفتار کئے گئے۔ایک عرصہ کے بعد ہمیں حقیقت معلوم ہوئی،اس کے ساتھ ہی کابل کی حالت بھی خراب ہونے لگی۔امیر

حبیب اللہ کی رائے بھی بدل گئی۔وہ نہیں چاہتا تھا کہ افغانستان اس تحریک میں کوئی دلچسپی لے یا ہندوستان کو کسی قسم کی مدد دے۔ اس کے علاوہ انگریزوں کا دباؤ مولانا سندھی اور ان کے ساتھیوں کے سلسلہ میں امیر حبیب اللہ پر بڑھ رہا تھا۔آخر کار حبیب اللہ نے مولانا عبیداللہ سندھی اوران کے ساتھیوں کی گرفتاری اور نظر بندی کا حکم جاری کردیا۔“

”یہ تینوں خطوط انڈیا آفس لائبریری لندن کے پولٹیکل اور سکریٹریٹ شعبہ میں من وعن محفوظ ہیں“۔

ساتھ ہی ریشمی خطوط سازش کیس کی ڈائریکٹری بھی شائع ہوچکی ہے۔جس میں اس تحریک کی پوری تفصیل موجود ہے۔(۲۲)

(د) ثمرۃ التربیت

۱۸۵۷ء کی لڑائی میں ناکامی کے بعد علمائے کرام نے محسوس کرلیا کہ انگریزوں کی طاقت کا مقابلہ لڑائی کے ذریعہ نہیں کیا جاسکتا ہے۔اس کے لئے ضروری ہے کہ ایسے مجاہدین کی تربیت کی جائے جوانگریزی طاقت کے مقابلہ میں سینہ سپر ہوسکیں۔اسی مقصد کے تحت ۱۸۵۷ء کے بعد دس سال کے بعد ۱۸۶۶ء میں دارالعلوم دیوبند کا قیام عمل میں آیا۔حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی اور مولانا رشید احمد گنگوہیؒ کی صحبتوں نے حضرت شیخ الہندؒ کے سامنے اس تصور کو بہت واضح کردیا تھا۔حضرت شیخ الہندؒ ہروقت اسی فکر میں رہتے تھے کہ اس ناکامی کی تلافی کس طرح کی جائے۔اوراس کے لئے کون کون سے طریقے اختیار کئے جائیں۔

حضرت شیخ الہندؒ نے تعلیم کی تکمیل کے بعد ۱۸۷۳ء میں دارالعلوم دیوبند کے باضابطہ مدرس منتخب ہوئے۔ اور ۱۸۷۵ء میں حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی وغیرہ کے ساتھ حج کے لئے تشریف لے گئے۔ ۱۸۷۶ء میں حج سے واپسی کے بعد حسب سابق درس وتدریس کا سلسلہ شروع کیا۔ چند سال کے بعد حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی کا وصال ہوگیا۔جس نے حضرت شیخ الہندؒ کے تصورات وعزائم کو زیروزبر کردیا

مولانا اصغر حسین صاحب تحریر کرتے ہیں:

”چندسال بعد مولانا محمد قاسم نانوتوی کا سانحہ ارتحال پیش آیا،جس نے شیخ الہندؒ کے تصورات وعزائم کوزیروزبر کردیا۔ یہاں تک کہ درس وتدریس کے مشغلہ سے بھی دل اچاٹ ہوگیا۔اس میں شک

(۲۲) تحریک شیخ الہند۔ریشمی رومال سازش کیس۔ص:۱۲۹۔۱۲۶۔ نقش حیات جلد دوم۔ص۔ ۱۳۴،شیخ الہند مولانا محمود حسن حیات وعلمی کارنامے۔ص۔۲۵۹

نہیں کہ آپ کے لئے یہ غم بہت بڑا تھا۔لیکن آخر کب تک رہتا۔دوسرے کے سمجھانے اور اپنے عزم وہمت کے سہارے پھرمشغلہ درس جاری فرمایا۔''(۲۳)

اپنے استاذ حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی کے افکار وخیالات اور عزائم کو زندہ وجاوید بنانے کے خیال سے اسی سال ۱۸۷۸ء میں آپ نے''ثمرۃ التربیت'' نامی ایک تنظیم کی تشکیل کی۔

مولانا محمد میاں صاحب تحریر کرتے ہیں

''باخبر حضرات واقف ہیں کہ ۱۲۹۷ھ مطابق ۱۸۷۸ء میں حضرت شیخ الہندؒ اور آپ کے احباب نے فضلاء اور بہی خواہاں تحریک دارالعلوم دیوبند کی ایک جماعت بنائی۔جس کا نام ثمرۃ التربیت (دینی تعلیم وتربیت کا پھل) تھا۔ایک عرصہ تک اس جماعت نے کام کیا،مگر پھر وہ بظاہر سست پڑگئی۔''(۲۴)

ڈاکٹر اقبال حسن خان تحریر کرتے ہیں:

''یہ انجمن شیخ الہندؒ کی کوششوں اور آپ کے افکار وخیالات کے اولین مظہر کی حیثیت سے وجود پذیر ہوئی۔اندازہ ہوتا ہے کہ اس کے قیام سے تنظیمی مشکلات کا تجربہ،اور آئندہ اقدام کے سلسلہ میں ان کے بانیین اور منتظمین کو طریقہ کار اور طرز عمل کے تعیین کا سلیقہ بھی اس سے حاصل ہوا۔یہ تحریک اس وقت محدود پیمانہ پر چلائی گئی،جس کا فائدہ بہر حال کچھ نہ کچھ سامنے آیا۔یہی کیا کم ہے کہ اس کی روشنی میں آئندہ تحریک کے لئے کوئی واضح قدم اٹھانا ممکن ہوسکا۔مولانا محمد میاں کی مندرجہ بالا تحریر سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ انجمن زیادہ دنوں تک سرگرم عمل نہ رہ سکی۔شاید اس کا سبب یہ ہے کہ حالات دن بدن اس کے دائرہ کار سے زیادہ طالب ہورہے تھے۔بہر حال یہ مختصر تحریک جو بظاہر جلد ہی ختم بھی ہوگئی،لوگوں کے ذہنوں کو ایک مقام دے گئی۔اس نے آئندہ ان کے لئے مشعل راہ کا کام کیا۔(۲۵)

(ہ) جمعیۃ الانصار

جمعیۃ الانصار فارغین دارالعلوم دیوبند کی ایک تنظیم تھی،جس کو حضرت شیخ الہندؒ مولانا محمود حسنؒ نے قائم کیا تھا۔

جمعیۃ الانصار کے قیام کے سلسلہ میں ڈاکٹر اقبال حسن خان تحریر کرتے ہیں۔

(۲۳) حیات شیخ الہند۔ص۔۱۸،مولانا سید اصغر حسین، شیخ الہند مولانا محمود حسن حیات وعلمی کارنامے۔ص۔۲۱۶
(۲۴) علمائے حق۔جلد اول۔ص۔۱۱۲

''شیخ الہند کی کارگزاریوں کے غائر مطالعہ سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ آپ نے اپنے ذہن میں انقلاب کا جو نقشہ تیار کیا تھا اور اس کے لئے جو طریقہ کار اختیار کیا وہ اپنے بزرگوں مولانا محمد قاسم صاحب، حضرت حاجی امداداللہ صاحب اور مولانا گنگوہی کے طرز پر تھا۔یعنی قوم کی مذہبی بنیادیں اس قدر استوار ومستحکم کردی جائیں کہ ہر وہ چیز جو دوسری راہوں سے آئے اس کے یہاں ناقابل قبول ٹھہرے۔نیز مذہبی بنیادوں پر کام کرنے کا ایک مقصود یہ بھی تھا کہ عوام میں صحیح دینی روح پھونک کر انہیں متحد کیا جائے تاکہ جب وقت آپڑے،وہ بلا پس وپیش میدان کارزار میں دوڑ آئیں۔شیخ الہندؒ کی کوششوں کا جو بھی مرتب طور پر مطالعہ کرے گا ہمیں یقین ہے کہ وہ اسی نتیجہ پر پہونچے گا۔(۲۶)

دارالعلوم دیوبند کا دائرہ وسیع ہورہا تھا۔اور ان کے طلبہ وفارغین کی تعداد میں دن بدن اضافہ ہورہا تھا۔اس لئے ان کو متحد کرکے ان سے کام لینا ضروری تھا۔اس لئے حضرت شیخ الہندؒ نے ۱۹۰۹ء میں''جمعیۃ الانصار'' کے نام سے ایک وسیع تنظیم کی بنیاد ڈالی۔مولانا سید میاں صاحب تحریر کرتے ہیں:

''حضرت شیخ الہندؒ نے رمضان المبارک ۱۹۰۹ء میں انتہائی غور وخوض کے بعد جمعیۃ الانصار کے نام سے ایک وسیع تنظیم کا خاکہ مرتب کیا۔دارالعلوم چونکہ دن بدن وسعت اختیار کرتا جارہا تھا اور اس کے طالبعلموں میں ملک کے مختلف حصوں کے علاوہ صوبہ سرحد اور افغانستان وغیرہ سے بھی کافی تعداد میں طلبہ آنے لگے تھے،شیخ الہندؒ نے اس طرح سب کو متحد کرنے اور اس کے ذریعہ دوسروں کو قریب لانے کا منصوبہ بنایا۔(۲۷)

مولانا سید محمد میاں صاحب تحریر کرتے ہیں:

''دارالعلوم میں اس وقت متعدد جلسہ ہائے دستار بندی ہوچکے تھے۔شیخ الہندؒ نے اپنے مذکورہ بالا مجوزہ پروگرام کی ہمہ گیر اشاعت کے لئے جلسہ دستار بندی کو عمدہ ذریعہ خیال کیا۔یوں بھی حالات سیاست کے نام پر کچھ کرنے کے لئے سازگار نہ تھے۔اس کے برعکس مذہبی راہوں سے کوئی کام نسبتاً آسان سمجھا جاتا تھا۔(۲۸)

''حضرت شیخ الہندؒ نے ۱۹۱۰ء میں جلسہ دستار بندی کا اجلاس کیا۔جس میں مستحقین دستار فضیلت کی تعداد چھ سو کے قریب تھی۔اس میں سبھی شرکت نہیں کرسکے۔اس اجلاس میں دوسو علماء کرام کو دستار

(۲۶) شیخ الہند مولانا محمود حسن حیات وعلمی کارنامے۔ص۔۲۱۷ (۲۷) شیخ الہند مولانا محمود حسن حیات وعلمی کارنامے۔ص۔۲۱۸ (۲۷) علمائے حق۔جلد اول۔ص۔۱۳۰ (۲۸) علمائے حق۔جلد اول۔ص۔۱۳۰

فضیلت سے نوازا گیا۔ اس جلسہ میں شرکاء کی تعداد تقریباً تیس ہزار تھی اور سینکڑوں علماء وصالحین اور اولیاء اللہ نے شرکت کی۔ اس اجلاس میں رسالہ القاسم کا اجراء ہوا، اور اسی میں جمعیۃ الانصار کے مقاصد اور نظام کی تشہیر بھی کی گئی۔ اور مولانا عبید اللہ سندھی جو اس کے لئے موزوں ترین آدمی تھے، انہیں جمعیت کا ناظم بنایا گیا۔(۲۹)''

مولانا عبید اللہ سندھی ایک عبقری و انقلابی ذہن کے حامل تھے، یہ حضرت شیخ الہندؒ کے ذہن وفکر کے زیادہ قریب تھے، اور پروگرام کو اچھی طرح کامیاب بنا سکتے تھے۔ اس لئے حضرت شیخ الہندؒ نے نظامت کے لئے حضرت عبید اللہ سندھی کو منتخب فرمایا۔ اسی جلسہ میں یہ طے ہوا کہ جمعیۃ الانصار کا پہلا اجلاس مراد آباد میں ہوگا۔ جمعیۃ الانصار کا پہلا عظیم الشان اجلاس مراد آباد میں ۱۵/۱۶/اور ۱۷/اپریل ۱۹۱۸ء کو منعقد ہوا۔

شیخ الہندؒ کی سرپرستی اور مولانا سندھی کی نظامت میں جمعیۃ الانصار نے کافی ترقی کی۔ جو بالواسطہ خود دار العلوم دیوبند کی شہرت اور ترقی کا ذریعہ بنی۔ ملک کے مختلف حصوں میں فارغین دار العلوم دیوبند اور تمام مسلمانوں نے اس تحریک کی کارگذاریوں سے دلچسپی لینا شروع کیا۔ اس کے جلسہ علمیہ کا انعقاد بھی مراد آباد میں ہوا۔ اس کا نام موتمر الانصار تھا۔

موتمر الانصار کے پہلے اجلاس کے سلسلہ میں مولانا حبیب الرحمان، مدیر رسالہ القاسم تحریر کرتے ہیں:

''موتمر الانصار کا یہ پہلا اجلاس جو مراد آباد میں ہوا۔ اس میں مجموعی اندازہ کے مطابق شرکاء کی تعداد تقریباً دس ہزار تھی۔ تین دن تک یہ عظیم الشان اجلاس جاری رہا۔ اس میں مولانا سید حسین احمد مدنی، مولانا اشرف علی تھانوی، مولانا احمد حسن امروہی اور مولانا شبیر احمد عثمانی وغیرہ کی متعدد مفید اور کارآمد تقریروں کے علاوہ بعض دوسرے علماء نے بھی حاضرین کو اپنے وعظ وارشادات سے مستفید فرمایا۔''(۳۰)

موتمر الانصار کے جلسہ میں حسب ذیل تجاویز منظور ہوئیں:

۱۔ انگریزی مدارس۔ گورنمنٹ اسکول کالجوں میں مسلمان طلبہ کی مذہبی تعلیم جس قدر کہ ان کو ضروری ہے، خواہ ہفتہ میں ایک مرتبہ ہو، اور ان کے دار الاقامہ (بورڈنگ ہاؤس) میں مسلمان طلبہ کی مذہبی تربیت یعنی وضع، طریقہ اسلام کی پابندی اور اسلامی شعائر واخلاق کے لئے جمعیۃ الانصار دیوبند ہر ایک اسکول وکالج میں حسب ذیل معلم مقرر کرے، جن کی تنخواہ ۲۵/۳۰/روپے سے کم نہ ہو۔

۲۔ انگریزی مدارس میں کم از کم ۲۵% فیصدی وہ طلبہ جن کی دوسری زبان عربی ہو، ان کے لئے جمعیۃ الانصار وظائف جاری کرے اور ان کی تعلیم کے لئے لائق استاذ بہم پہنچائے۔

۳۔ ایسے غریب گریجویٹ یا انڈر گریجویٹ طلبہ جن کی دوسری زبان عربی ہو، ان کے لئے مدرسہ عالیہ عربیہ

(۲۹) شیخ الہند مولانا محمود حسن حیات وعلمی کارنامے۔ ص۔ ۲۱۸، تذکرۂ شیخ الہند۔ ص۔ ۱۴۷ (مفتی عزیز الرحمن بجنوری)
(۳۰) شیخ الہند مولانا محمود حسن حیات وعلمی کارنامے۔ ص۔ ۲۲۳

دیوبند میں تعلیم دینیات کا خاص انتظام ہو اور جمعیۃ ۲۰ سے ۴۰ روپئے ماہوار جاری کرے۔(۳۱)

جمعیۃ الانصار کا دوسرا اجلاس ۱۷/۱۸/اپریل کو میرٹھ میں مولانا اشرف علی تھانوی کی صدارت میں منعقد ہوا۔

جمعیۃ الانصار اور موتمر الانصار کے جلسہ نے انگریزوں کو بوکھلا دیا۔ اور اس پر ان کا شدید ردعمل ہوا۔

ڈاکٹر اقبال حسن خان تحریر کرتے ہیں:

''جمعیۃ الانصار کے مذکورۃ الصدر اغراض ومقاصد اور موتمر الانصار میں منظور شدہ تجاویز گو بظاہر بے ضرر ساں تھیں۔ لیکن اس کے باوجود انگریزوں نے اس کی طرف سے بے اطمینانی محسوس کی۔ کسی ہندوستانی جماعت پھر جب کہ اس کا تعلق علماء سے ہو، جنہوں نے انگریزوں کو اس سے قبل سخت ترین دشواریوں میں مبتلا کر دیا تھا' اس کے زیر سایہ کوئی بڑا اجتماع ان کی توجہ اپنی طرف کھینچنے کے لئے کافی تھا۔ چنانچہ اس کے باوجود کہ ایک تجویز حکومت کی وفاداری کی پاس کر دی گئی تھی' انگریز مطمئن نہ رہ سکے۔ اور اس کی کارگذاریوں پر نظر رکھی جانے گی۔ مراد آباد میں منعقدہ پہلے اجلاس کے ختم ہوتے ہی مولانا احمد حسن صاحب سے پوچھ گچھ ہوئی۔ اور حضرت شیخ الہندؒ کی آمدنی پر ٹیکس لگا دیا گیا۔(۳۲)''

مولانا عبید اللہ سندھی جمعیۃ الانصار کا تذکرہ کرتے ہوئے تحریر کرتے ہیں:

''مولانا شیخ الہندؒ نے مدرسہ دیوبند کے پرانے فارغ شدہ عالموں کو جمعیۃ الانصار میں جمع کرنا شروع کیا۔ اس طرح دیوبندی نظام کی تعلیم یافتہ جماعتوں کی ساری اجتماعی طاقت منظم ہوگئی۔ اس نظام میں جس طرح ہندوستانی علماء داخل ہوئے، اسی طرح افغانی اور ترکستانی علماء بھی شامل ہوگئے۔(۳۳)''

ڈاکٹر اقبال حسن خاں تحریر کرتے ہیں:

''غرض یہ کہ شیخ الہندؒ اور مولانا سندھی کی کوششوں سے جمعیۃ الانصار کے خاصے مفید نتائج برآمد ہوئے اور اگر مولانا سندھی کی علیحدگی کے ناگزیر حالات نہ پیش آئے ہوتے، تو اثرات ونتائج کا شاید کچھ اور ہی رنگ ہوتا۔ جو کچھ اور جس قدر سرمایہ ذہن وفکر اشخاص وافراد کا اس ذریعہ تیار ہوسکا' شیخ الہندؒ

(۳۱) رسالہ القاسم۔ جلد۔ ا۔ شمارہ۔ ۹۔ ص۔ ۸۔ ۱۳، (۳۲) شیخ الہند مولانا محمود حسن حیات وعلمی کارنامے۔ ص۔ ۲۲۳
(۳۳) حضرت شاہ ولی اللہ اور ان کی سیاسی تحریک۔ ص۔ ۲۰۹

نے اسے اپنی آئندہ تحریک (ریشمی رومال) کی نذر کر دیا۔(۳۴)

(و) تحریک قیام مدارس

۱۸۵۷ء میں تحریک کی ناکامی کے بعد علمائے کرام نے محسوس کیا کہ دین کی حفاظت اور ملک کو آزاد کرانے کے لئے بے باک قائدین کی ضرورت ہے۔ اس کے لئے قیام مدارس ضروری ہے۔ چنانچہ ۱۸۶۶ء میں دارالعلوم دیوبند کا قیام عمل میں آیا۔ پھر پورے ملک میں قیام مدارس کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ اس تحریک کو حضرت شیخ الہندؒ نے آگے بڑھایا۔

حضرت شیخ الہندؒ مولانا محمود حسنؒ کی تحریک کو سید احمد شہید کی تحریک سے بہت حد تک مناسبت ہے۔ حضرت سید احمد شہیدؒ نے رشد و ہدایت اور بیعت جہاد کے ذریعہ ہندوستان کی آزادی کے لئے راہ ہموار کرنے کی کوشش کی۔ حضرت شیخ الہندؒ مدرس و استاذ تھے اور آپ کا وقت اسی میں گذرا تھا۔ اسی لئے آپ نے حالات کو دیکھتے ہوئے اس راستہ سے افراد تیار کرنے اور آزادی کیلئے راہ ہموار کرنے کی کوشش کی۔ صوبہ سرحد و دیگر علاقوں میں آپ کے شاگردوں کی ایک بڑی تعداد تھی۔ آپ نے اس سلسلہ میں ان سے مدد حاصل کی۔ اور مدارس کے قیام کا سلسلہ شروع ہوا۔

غلام رسول مہر حضرت شیخ الہندؒ کا تذکرہ کرتے ہوئے تحریر کرتے ہیں:

''میرے اندازہ کے مطابق انہوں نے طے کیا تھا کہ جن جن اصحاب میں عملی صلاحیت پائیں۔ انہیں جابجا خصوصاً یاغستان کے مختلف حصوں میں دینی اور اسلامی درسگاہیں قائم کرنے کی ترغیب دیں۔ ملا صاحب سنڈاکے نے بھی حضرت شیخ الہندؒ سے ملاقات کی تھی۔ انہوں نے جب کام شروع کیا تو ابتداء میں ایک اہم اسلامی درسگاہ ہی قائم کرنے کی کوشش کی تھی۔ حاجی صاحب ترنگ زئی، شیخ الہندؒ سے استفادہ کر چکے تھے۔ ان کے پیش نظر بھی درسگاہیں قائم کرنے کا ہی سلسلہ تھا''۔ (۳۵)

اس کی وضاحت سید عبدالجبار ستھانوی کے تحریر سے بھی ہوتی ہے، وہ تحریر کرتے ہیں:

''جب مجھے نمائندہ گان صوات نے بتایا کہ ملا صاحب سنڈا کے اسلامیہ کالج پشاور کے بالمقابل ایک عالیشان اسلامی درسگاہ کی بنیاد رکھنا چاہتے ہیں۔ تو میں نے ان پر صاف واضح کر دیا کہ یہ اصطلاح ایک خاص جماعت کا شعار ہے۔ جس میں مولوی صاحبان اور علماء شامل ہیں۔ اسلامی درسگاہوں کو حکومت برطانیہ کے خلاف تنظیمات کا پردہ بنا لیا گیا ہے۔ اور حاجی صاحب ترنگ زئی جو اپنے ضلع میں ایسی درسگاہیں قائم کرنا چاہتے تھے، وہ بھی اسی حلقہ کے ایک رکن ہیں۔'' (۳۶)

(۳۴) شیخ الہند مولانا محمود حسن حیات و علمی کارنامے۔ ص۔ ۲۳۴، (۳۵) سرگذشت مجاہدین۔ ص۔ ۵۵۳ (۳۶) سرگذشت مجاہدین۔ ص۔ ۵۵۳، (۳۷)

مولانا سید سلیمان ندوی تحریر کرتے ہیں:

''ندوۃ العلماء جس کی بنیاد قدیم و جدید کی درمیانی راہ کی حیثیت سے پڑی تھی، اور جو اپنے مقصد قیام، سابقہ جذبات اور اپنے خوشگوار ماضی کے اعتبار سے آج بھی بڑی اہمیت کا حامل ہے۔ مدرسہ فیض عام کانپور کی چٹائی پر بیٹھ کر اس کا خواب دیکھنے والوں میں حضرت شیخ الہندؒ کی ذات گرامی بھی شامل تھی۔'' (۳۷)

غرض مقصد کے حصول کے لئے قیام مدارس اور اسلامی درگاہوں کا قیام ایک کامیاب پروگرام ثابت ہوا۔ ان مدارس اور اسلامی درسگاہوں کے فارغین میدان میں آئے تو وہ ایک بیباک مجاہد تھے۔ نہ تو انہیں کسی کا ڈر تھا اور نہ کسی کا خوف۔ ملک و ملت کے لئے سب کچھ قربان کرنے کیلئے تیار تھے۔

(ز) جنود اللہ کی تشکیل

''مولانا عبید اللہ سندھی حضرت شیخ الہندؒ مولانا محمود حسنؒ کے پروردہ تھے۔ حضرت شیخ الہندؒ نے ہندوستان کو آزاد کرانے کے لئے افغانستان حکومت کو مدد دینے کے لئے تیار کرنے کو افغانستان بھیجا تھا۔ افغانستان میں مولانا سندھی نے ہندوستان کی آزادی کے لئے کام کیا۔ آزادیٔ وطن کے سلسلہ میں آپ کے جذبات نہایت اہم ہیں۔ آپ پہلے ہندوستانی ہیں جس نے ہندوستان سے باہر نیشنل کانفرنس کمیٹی قائم کی۔ (۳۸)''

جنود اللہ کی تشکیل مولانا عبید اللہ سندھی نے کابل میں کی تھی۔

''جماعت مجاہدین کے امیر مولانا محمد بشیر صاحب کے مشورہ سے قیام کابل کے زمانہ میں مولانا سندھی نے جنود اللہ نامی ایک تنظیم کی تشکیل کی تھی، جس میں لاہوری طلبہ آپ کے شریک تھے۔ (۳۹)

رولٹ رپورٹ میں اس کی وضاحت موجود ہے:

''اس فوج کی بھرتی ہندوستان میں ہوئی، اس کا کام حکمراں سے رابطہ قائم کرنا تھا۔ محمود حسنؒ یہ باتیں عثمانی ترکی حکومت سے کرتے، عبید اللہ کے خط میں جنود اللہ کا خانہ وار گوشوارہ بھی درج تھا۔ اس کا بڑا دفتر مدینہ منورہ ہوتا۔ محمود حسن خود اس کے جنرل انچیف ہوتے۔ ثانوی دفاتر جو مقامی جنرل کے چارج میں ہوتے۔ قسطنطنیہ، تہران اور کابل کا جنرل عبید اللہ خود ہوتا۔ نقشہ میں تین سرپرستوں کے کام، بارہ فیلڈ مارشلوں کے نام اور بہت سے دیگر ملیٹری افسران کے نام تھے لاہور کے طلبہ میں سے ایک میجر جنرل ہوتا، ایک کرنل اور چھ لفٹننٹ کرنل ہوتے۔ (۴۰)

(۳۷) حیات شبلی۔ ص۔ ۳۰۳ (مولانا سید سلیمان ندوی)، (۳۸) کابل میں سات سال۔ ص۔ ۱۰۶ (۳۹) کابل میں سات سال۔ ص۔ ۱۰۷، شیخ الہند مولانا محمود حسن حیات و علمی کارنامے۔ ص۔ ۲۹۳۔ ۲۹۵ خلاصہ (۴۰) رولٹ رپورٹ۔ ص ۱۲۷، شیخ الہند مولانا محمود حسن حیات اور کارنامے۔ ص۔ ۲۹۴

(ح) خلافت کمیٹی

اخیر کی صدیوں میں خلافت اسلامیہ کا منصب ترکی کے سلاطین عثمانیہ کو حاصل رہا۔ اور عام طور پر مسلمانان عالم نے انہیں کو اپنا خلیفہ اور امام سمجھا۔ اور ان کی اطاعت واعانت کو اپنا فرض جانا۔ چونکہ حرمین شریفین سمیت تمام مقامات مقدسہ کی حفاظت ونگہداشت بھی ترکی کے عثمانی خلفاء کے سپرد تھی۔ جو خلیفہ ہونے کے باوجود اپنے کو ''خادم الحرمین الشریفین'' کہتے تھے۔ اسی وجہ سے خلافت عثمانیہ سے مسلمانوں کو قلبی وابستگی اور جذباتی لگاؤ تھا۔ اس کے علاوہ عالمی طور پر نئے سیاسی منظر نامہ اور نئی عالمی قطب بندی کے پس منظر میں مسلمانوں کے دلوں میں یہ بات پیوست ہوگئی تھی کہ ترکی کی بقاء اسلام کی بقاء کی علامت ہے۔ اور اگر خدانہ خواستہ خلافت عثمانیہ کا ٹمٹماتا ہوا چراغ گل ہوگیا، تو مسلمانوں کی کوئی عزت اور وقار دنیا میں باقی نہیں رہے گی۔ اور مسلمان دنیا کے صحرائے ریگ زار میں ایک گم کردہ کارواں کی شکل اختیار کرلیں گے۔

'' دوسری طرف صورت حال یہ تھی کہ انگریز استعماریت کے ذریعہ مختلف قوموں بالخصوص مسلمانوں کی لوٹ گھسوٹ میں مصروف تھے۔ ان کی اسلام دشمنی دن بدن آشکارہ ہوتی جارہی تھی۔ ۱۹۱۴ء سے قبل ہی برطانیہ نے مسلمانوں کا شیرازہ منتشر کرکے ان کو نیست ونابود کرنے کا پورا منصوبہ تیار کرلیا تھا۔ پھر جب پہلی جنگ عظیم (از ۱۹۱۴ء تا ۱۹۱۸ء) کے ذریعہ خلافت اسلامیہ کے تابوت میں آخری کیل ٹھوکنے کی تیاری ہونے لگی اور ترکی کی جنگ میں شکست کے بعد برطانیہ نے خلافت کے حوالہ سے مسلمانوں سے جو وعدہ کیا تھا، اس سے مکرنے لگا۔ اس صورت حال نے عوام وخواص کے ہر طبقہ میں اضطراب پیدا کردیا۔ ہندوستانی مسلمان ترکی کے معاملہ کو تحفظ اسلام اور تحفظ خلافت اسلامیہ کا معاملہ سمجھ کر اسے اپنی قومی زندگی کا مسئلہ سمجھنے لگے۔ برطانیہ کی طرف سے عثمانی خلافت کی اس توہین وتذلیل پر ردعمل کے طور پر ہندوستان میں ہر طرف مظاہرے، جلسے، زبانی وتحریری آہ وفغاں اور اشک شوئی کا سماں بندھ گیا۔ لیکن مسلمان سرگرداں تھے۔ انہیں راہ عمل کی تلاش تھی۔ اور راہ عمل وحی الٰہی کی طرح ایک دم نازل نہیں ہوجاتی ہے؛ بلکہ بہت ٹھوکریں کھانے کے بعد نصیب ہوتی ہے۔ ضرورت تھی منظم اور مربوط انداز میں تحریک اور عملی اقدامات کی۔ (۴۱)''

(۴۱) حضرت مولانا ابوالمحاسن محمد سجاد۔ حیات وخدمات۔ ص۔ ۲۴۷

'' جنگ عظیم کے نتیجہ میں جب زوال خلافت کی نوبت آئی تو مسٹر شبیر حسن قدوائی مرحوم نے انگلینڈ سے مولانا عبدالباری فرنگی محلیؒ کو لکھا کہ اگر ہندوستان میں خلافت کمیٹی کے نام سے کوئی انجمن قائم کی جائے اور اس کے ذریعہ وسیع پیمانے پر برطانیہ کے رویہ پر احتجاج کیا جائے تو برطانیہ کے متاثر ہونے کی امید ہے۔ حضرت مولانا عبدالباری فرنگی محلیؒ نے اس مسئلہ پر حضرت مولانا ابوالمحاسن محمد سجادؒ سے مشورہ کیا۔ اور خلافت کے نام سے ایک جلسہ لکھنؤ میں طلب فرمایا۔ اس جلسہ میں حضرت مولانا ابوالمحاسن محمد سجادؒ نے قومی اور بین الاقوامی سیاست پر نہایت مدلل اور سیر حاصل بحث کی۔ اور اپنی تقریر میں ان مسائل سے نبرد آزما ہونے کے لئے انہوں نے جو سمت مقرر فرمائی، وہی مستقبل میں ملی تحریکات کیلئے اساس بن گئی۔ اس جلسہ میں پورے ملک میں خلافت کمیٹیوں کے قیام کا فیصلہ لیا گیا۔ حضرت مولانا عبدالباریؒ اور حضرت مولانا محمد سجادؒ کے ہاتھوں پہلی خلافت کمیٹی بمبئی میں تشکیل پائی۔ وہاں سے واپسی پر حضرت مولانا محمد سجادؒ نے گیا میں خلافت کمیٹی قائم کی۔ پھر وہاں سے پھلواری شریف تشریف لائے اور یہاں خلافت کمیٹی کی بنیاد رکھی۔ (۴۲)''

'' آل انڈیا مسلم کانفرنس لکھنؤ کو کچھ ہی عرصہ گذرا تھا کہ برطانیہ کے وزیر اعظم لارڈ جارج نے خلافت اور مسلمانوں کے حوالے سے ایک دل خراش تقریر کی، جس سے اندازہ ہوا کہ ان کی حکومت نے خلافت کے سلسلے میں مسلمانوں سے جو وعدہ کیا تھا، وہ اس سے انحراف کررہے ہیں۔ اس تقریر نے مسلمانوں میں جوش بھردیا اور فوراً خلافت کمیٹی کا باضابطہ پہلا اجلاس دہلی میں مورخہ: ۲۳ نومبر ۱۹۱۹ء کو اے۔ کے فضل الحق (وزیر اعظم بنگال) کی صدارت میں بڑے دھوم دھام سے منعقد ہوا۔ اس اجلاس میں سامعین کی اتنی بڑی تعداد جمع ہوگئی، جس کی نظیر نہیں ملتی۔ اس اجلاس میں مقرر کی حیثیت سے صرف ان نمائندوں کو شریک کیا گیا جو مختلف صوبائی کمیٹیوں کی طرف سے مندوب کی حیثیت سے آئے تھے۔ جمعیۃ علماء بہار کے ذمہ دار اور مفکر کی حیثیت سے اس عظیم اجلاس میں مولانا محمد سجاد بھی شریک ہوئے۔ خلافت کے اس اجلاس میں پہلی مرتبہ مہاتما گاندھی اور کچھ دیگر ہندو دانشوروں نے بھی شرکت کی۔ اس طرح یہ اجلاس ہندو مسلم اتحاد کے لئے سنگ میل

(۴۲) حضرت مولانا ابوالمحاسن محمد سجاد۔ حیات وخدمات۔ ص۔ ۲۹۰

ثابت ہوا۔اورتحریک خلافت آگے چل کرتحریک آزادی میں بدل گئی۔(۴۳)''

خلافت کمیٹی کو مولانا محمد علی جوہر اور مولانا شوکت علی نے آگے بڑھایا۔علی برادران نے اس تحریک کو آتش فشاں بنادیا۔جلیان والے باغ میں انگریز جرنل ڈائیر کے گولیاں چلانے کے بعد ملک میں مظاہرہ شروع ہوا۔انگریزوں کے ظلم وزیادتی کے خلاف خلافت کمیٹی نے عام ہندوستانیوں کوتحریک آزادی میں حصہ لینے پر برانگیختہ کیا۔اور ۱۹۲۰ء میں ملک کے اندر زوردار تحریک ترک موالات (نان کوآپریشن) کا نعرہ سب سے پہلے دیا۔انڈین نیشنل کانگریس نے بھی تقریباً سال بھر کے بعد اس نعرہ کو قبول کرلیا۔تو ہندو مسلم عوام انگریزی حکومت کوختم کرنے کے ارادہ سے ایک ساتھ اٹھ کھڑے ہوئے۔مہاتما گاندھی تحریک خلافت اور انڈین نیشنل کانفرنس دونوں کے قائد بنے۔خلافت کمیٹی کی تاریخ گرچہ مختصر رہی لیکن اس کی سیاسی سرگرمی تحریک آزادی کے لئے مشعل راہ بنی۔

''خلافت کمیٹی نے کارہائے نمایاں انجام دیئے۔اس کا ایک اجلاس ۸/۹رجولائی ۱۹۲۱ء میں کراچی میں خلافت کانفرنس کے نام سے منعقد ہوا۔اس کی صدارت مولانا محمد علی جوہر نے کی۔اس کی ایک تجویز میں پولیس اور فوج میں ملازمت حرام قرار دی گئی۔حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی نے یہ تجویز پیش کی۔مولانا محمد علی نے اس کو پڑھ کر سنایا۔اور فرمایا کہ یہ جلسہ کی کارروائی کا لب لباب ہے۔پیر غلام مجدد نے اس کا سندھی زبان میں ترجمہ کیا۔ڈاکٹر کچلو،مولانا نثار احمد اور مولانا شوکت علی نے اس کی تائید میں تقریریں کیں۔پھر جگت گروشنکر اچاریہ نے انگریزی میں تقریر کی۔تجویز کوفتوی کی صورت دی گئی۔جس پر پیر غلام مجدد،مولانا سید حسین احمد مدنی اور مولانا نثار احمد نے دستخط کئے۔جمعیۃ علماء ہند کا متفقہ فتوی بھی خلاف قانون قرار دے کر ضبط کرلیا گیا تھا۔یہ تجویز بھی خلاف قانون قرار دے دی گئی۔ان ساتوں محرکین ومویدین ومقررین کو گرفتار کرکے کراچی جیل کے حوالات میں پہنچادیا گیا۔۲۶رستمبر ۱۹۲۱ء کو خالق دینا ہال (بندر روڈ) کراچی میں ان کا مقدمہ شروع ہوا۔۲رنومبر ۱۹۲۱ء کو حکم سنایا گیا۔مشاہدہ کارروائی کے لئے اسیسر بھی مقرر کئے گئے۔فیصلہ کے وقت چار اسیسروں نے جگت گرو کے علاوہ سب ملزموں پر جرم تسلیم کیا۔ایک اسیسر نے سب کو الزام سے پاک بتایا۔بس کثرت رائے کی بنا پر فیصلہ ہوا۔جگت گرو چھوڑ دیئے

(۴۳) حضرت مولانا ابوالمحاسن محمد سجاد۔حیات وخدمات۔ص۔۲۵۱

گئے،باقی زندانیان حق کودو دو سال قید بامشقت کا حکم سنایا گیا۔(۴۴)''

اس طرح خلافت کمیٹی نے بھی ہندوستان کی تحریک آزادی میں اہم رول ادا کیا۔

(ط) جمعیۃ علماء ہند

جمعیۃ علماء ہند کا قیام ۱۹۱۹ء میں عمل میں آیا۔جمعیۃ علماء ہند کے فکری رہنما شیخ الہندؒ،مولانا محمود حسن اسیر مالٹا، حضرت مفتی اعظم مولانا مفتی کفایت اللہ دہلوی،شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی اور مؤسسین میں سے حضرت مولانا ابوالمحاسن محمد سجاد،حضرت مولانا عبدالباری فرنگی محلی لکھنوی،مولانا سلامت اللہ لکھنوی،مولانا ابوالوفا ثناء اللہ امرتسری،حضرت پیر محمد امام شاہ سندھی،مولانا سید محمد فاخر میاں بجنوری،مولانا محمد ابراہیم سیالکوٹی،مولانا احمد سعید دہلوی،مولانا ابراہیم دربھنگوی،مولانا خدا بخش مظفر پوری،مولانا عبدالحکیم گیاوی،مولانا آزاد سبحانی وغیرہ کے نام قابل ذکر ہیں۔جمعیۃ علماء ہند نے تحریک آزادی میں سرگرم حصہ لیا۔اس اجمال کی کچھ تفصیل حسب ذیل ہے:

۲۸ردسمبر ۱۹۱۹ء کو امرتسر میں جمعیۃ علماء ہند کا پہلا اجلاس ہوا،اس کی صدارت مولانا عبدالباری فرنگی محلی نے کی۔اس اجلاس میں حضرت شیخ الہندؒ اور ان کے رفقاء کار اور مولانا ابوالکلام آزاد کے رہا نہ کئے جانے پر اضطراب اور بے چینی کا اظہار کیا گیا۔

۹رجولائی ۱۹۲۰ء کو حضرت شیخ الہندؒ نے ترک موالات کا فتوی دیا،جس کو بعد میں مولانا ابوالمحاسن محمد سجاد نے مرتب کرکے جمعیۃ علماء ہند کی طرف سے ۴۸۴ دستخط کے ساتھ شائع کیا۔اس فتوی کی روشنی میں اور اس کی بنیاد پر خلافت کمیٹی اور کانگریس کے رہنماء اور کارکن برطانوی سامراج حکومت کے مقابلہ میں صف آراء ہوگئے۔

۳۱راگست ۱۹۲۰ء عدم تعاون کی تحریک شروع کی گئی۔اس تحریک میں تیس ہزار افراد جیل گئے جن میں زیادہ مقدار علماء کی تھی۔

۱۶رستمبر ۱۹۲۰ء کو مولانا محمود امروٹ اور شریف سندھی صدارت میں جمعیۃ علماء کا خصوصی اجلاس کلکتہ میں منعقد ہوا،جس میں اکابر علماء نے شرکت کی۔اسی اجلاس میں مولانا ابوالکلام آزاد نے ترک موالات کی تجویز پیش کی۔جس کی اجلاس میں شریک دوسو علماء نے تائید کرکے اس کی منظوری دی۔

۱۹رتا۲۱رنومبر ۱۹۲۰ء جمعیۃ علماء کا دوسرا اجلاس دہلی میں منعقد ہوا،جس کی صدارت حضرت مولانا شیخ الہندؒ نے کی۔آپ نے اپنے خطبہ صدارت میں جدوجہد آزدی کو تیز کرنے کی ترغیب دی۔اس اجلاس میں دوبارہ ترک موالات کی تجویز پاس کی گئی اور صاف لفظوں میں اعلان کیا گیا کہ حکومت برطانیہ کے ساتھ موالات اور نصرت کے تمام تعلقات حرام ہیں۔

(۴۴) کراچی کا تاریخی مقدمہ۔از مرزا عبدالقادر بیگ۔واسیران مالٹا از مولانا وغیرہ مدرسہ امدادیہ دربھنگہ تاریخ کے آئینے میں۔ص۔۱۵۱

۸/جولائی ۱۹۲۱ء کو کراچی میں خلافت کانفرنس کا اجلاس منعقد ہوا۔ اس میں شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی نے پوری قوت کے ساتھ اعلان کیا کہ حکومت برطانیہ کی اعانت اور ملازمت حرام ہے۔ اس جرأت حق گوئی کی پاداش میں کراچی کا مشہور مقدمہ چلایا گیا۔ جس میں دو سال قید بامشقت کی سزا ہوئی۔

۸/اگست ۱۹۲۱ء کو جمعیۃ علماء ہند کا شائع کردہ ترک موالات کا فتوی ضبط کرلیا گیا۔ پھر بھی جمعیۃ علماء ہند خلاف قانون اس فتوی کو بار بار شائع کرتی رہی۔ جمعیۃ علماء کا تیسرا اجلاس ۱۸/تا ۲۰/نومبر ۱۹۲۰ء میں لاہور میں ہوا۔ جس کی صدارت امام الہند مولانا ابوالکلام آزاد نے کی۔ اس اجلاس میں ضبط شدہ فتوی کو ضبطی کی مداخلت سے بے پرواہ ہو کر اس کو بار بار شائع کرنے کا اعلان کیا گیا۔ اسی اجلاس میں ولایتی مال کے بائیکاٹ کی تجویز بھی منظور کی گئی۔ جمعیۃ علماء کا چوتھا اجلاس گیا میں ۱۹۲۲ء کو مولانا حبیب الرحمان مہتمم خامس دارالعلوم دیوبند کی صدارت میں منعقد ہوا۔ اس اجلاس میں کانسلوں کے بائیکاٹ کی تجویز پاس ہوئی۔

۱۹۲۴ء میں جمعیۃ علماء ہند کا پانچواں اجلاس شیخ الاسلام، مولانا سید حسین احمد مدنی کی صدارت میں کناڈا میں ہوا۔ آپ نے اپنے خطبہ صدارت میں سب پہلے مکمل آزادی کی طرف لوگوں کی توجہ دلائی۔

جمعیۃ علماء کا ساتواں اجلاس حضرت مولانا سید سلیمان ندوی کی صدارت میں کلکتہ میں ہوا۔ جس میں سب سے پہلے مکمل آزادی کے لئے تجویز منظور کی گئی۔

۱۹۲۷ء میں حکومت ہند کے دستور کی تبدیلی کا سوال ہوا، تو حکومت برطانیہ نے سائمن کمیشن کے تقرر کا اعلان کیا۔ جمعیۃ علماء ہند نے ۵/دسمبر ۱۹۲۷ء میں یہ فیصلہ کیا کہ سائمن کمیشن کا بائیکاٹ کیا جائے۔ اور کوئی ہندوستانی کمیشن سے تعاون نہ کرے۔ اس فیصلہ کے بعد کانگریس نے اپنے اجلاس مدراس میں منعقدہ ۲۶/دسمبر ۱۹۲۷ء کو جمعیۃ علماء ہند کے فیصلہ سے اتفاق کرتے ہوئے سائمن کمیشن کے بائیکاٹ کا فیصلہ کیا۔ ۳/فروری ۱۹۲۸ء کو جب سائمن کمیشن ہندوستان پہنچا تو جمعیۃ علماء ہند اور کانگریس کے متفقہ فیصلہ کے مطابق پورے ملک میں پرامن ہڑتال ہوئی۔ احتجاجی جلسے ہوئے اور پورے ملک میں کمیشن کا بائیکاٹ کیا گیا۔ آخر کار ۳۱/مارچ کو کمیشن ناکام واپس چلا گیا۔

۱۹۲۹ء میں گاندھی جی کے ڈانڈی مارچ اور نمک سازی تحریک میں جمعیۃ علماء ہند کے رہنماء مولانا حفظ الرحمان سیوہاروی، مفتی عتیق الرحمان عثمانی وغیرہ نے شرکت کی، دیگر قومی کارکنوں کے ساتھ جمعیۃ علماء ہند کے اکابر مولانا ابوالکلام آزاد، مولانا حفظ الرحمان سیوہاروی، مولانا سید فخرالدین مرادآبادی، مولانا سید محمد میاں

دیوبندی اور مولانا بشیر احمد وغیرہ بھی گرفتار ہوئے۔

۱۹۳۰ء میں جمعیۃ علماء ہند کا نواں اجلاس امروہہ میں منعقد ہوا۔ اس اجلاس کی صدارت حضرت مولانا معین الدین اجمیری نے کی۔ اس اجلاس میں مجاہد ملت حضرت مولانا حفظ الرحمان سیوہاروی نے کانگریس کے ساتھ جمعیۃ علماء ہند کے اشتراک اور تعاون کی تجویز پیش کی جو منظور ہوئی۔ پھر جمعیۃ علماء اور کانگریس نے باہمی اشتراک سے تحریک آزادی میں کھل کر حصہ لیا۔

۱۹۳۰ء میں سول نافرمانی کی تحریک شروع ہوئی، تو جمعیۃ علماء ہند کے صدر مفتی کفایت اللہؒ اور اس کے ناظم اعلی مولانا احمد سعید دہلوی کو قانون تحفظ عام و بغاوت کے جرم میں گرفتار کر کے قید بامشقت کی سزا دی گئی۔

۱۹۳۲ء میں جب دوبارہ سول نافرمانی کی تحریک شروع ہوئی تو جمعیۃ علماء ہند نے بھی کانگریس کی جنگی کانسل کی طرح ادارہ حربیہ قائم کر کے ڈکٹیٹرانہ نظام جاری کئے۔ اس کے ذمہ دار حضرت مولانا ابوالمحاسن محمد سجاد تھے۔

۱۹۳۴ء میں جمعیۃ علماء کے پہلے ڈکٹیٹر مفتی کفایت اللہ ایک لاکھ جلوس لے کر نکلے اور گرفتار کیے گئے۔ دوسرے ڈکٹیٹر شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنی کو دیوبند سے دہلی آتے ہوئے راستہ میں گرفتار کرلیا گیا۔ اس کے بعد حضرت مولانا احمد سعید دہلوی، مولانا حفظ الرحمان سیوہاروی، مولانا محمد میاں دیوبندی، مولانا حبیب الرحمان دیوبندی ڈکٹیٹر منتخب ہوتے رہے، اور گرفتاری دیتے رہے۔ اس تحریک میں تقریبا تیس ہزار مسلمان گرفتار کیے گئے۔

دوسری جنگ عظیم کے موقع پر ۱۹۳۹ء میں جمعیۃ علماء ہند نے فوج میں جبری بھرتی کی پرزور مخالفت کی اور اعلان کیا کہ جنگ کے سلسلہ میں ہم کسی طرح کا تعاون نہیں کریں گے۔

۱۹۴۰ء میں مولانا سید محمد میاں دیوبندی کی کتاب ''علماء ہند کا شاندار ماضی'' کو ضبط کرلیا گیا اور مصنف کو گرفتار کرلیا گیا۔

دوسری جنگ عظیم میں تعاون نہ دینے اور جبری بھرتی کی مخالفت کی وجہ سے جمعیۃ علماء ہند کے رہنماؤں اور کارکنوں کو گرفتار کرلیا گیا۔ ان میں حضرت مولانا حفظ الرحمان سیوہاروی، مولانا احمد علی لاہوری، مولانا قاسم شاہجہانپوری، مولانا ابوالوفا شاہجہانپوری، مولانا شاہد میاں فاخری، مولانا محمد اسمٰعیل سنبھلی، مولانا سید اختر الاسلام وغیرہ کے نام قابل ذکر ہیں۔

۱۹۴۲ء میں جمعیۃ علماء کی ایک کانفرنس بچھراؤں میں ہوئی۔ جس میں شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد مدنی

نے ملک کی آزادی پر پرزور تقریر کی۔جس کی وجہ سے حضرت شیخ مدنی کو گرفتار کرلیا گیا۔ ۴؍جنوری ۱۹۴۳ء کو چھ ماہ کی سزا پوری ہورہی تھی۔توجیل میں ہی ڈیفنس آف انڈیا رولس کی نوٹس تعمیل کرا کر غیر محدود عرصہ کے لئے نظر بند کردیا گیا۔ ۲۶؍اگست ۱۹۴۴ء کو آپ نینی تال جیل الٰہ آباد سے بلا شرط رہا کئے گئے۔

۵؍اگست ۱۹۴۲ء کو جمعیۃ علماء ہند کی مجلس عاملہ کے چار ارکان مولانا مفتی کفایت اللہ دہلوی، مولانا حفظ الرحمان سیوہاروی' مولانا احمد سعید دہلوی اور مولانا عبدالحلیم صدیقی لکھنوی کے دستخط سے ایک اخباری بیان جاری کیا گیا۔ جس میں کھلے لفظوں میں کہا گیا تھا کہ "انگریز ہندوستان چھوڑ دے" اس کے بعد ۸؍اگست ۱۹۴۲ء کو کانگریس نے اپنے اجلاس بمبئی میں "کوئٹ انڈیا" کی تجویز منظور کی۔ انگریز ہندوستان چھوڑ دے کے بیان پر دوسرے لیڈران کیساتھ جمعیۃ علماء کے رہنماء اور ہزاروں کارکن اور رضا کاروں کو گرفتار کیا گیا۔ ان میں مولانا ابوالکلام آزاد' مولانا حفظ الرحمان سیوہاروی' مولانا سید محمد میاں دیوبندی' مولانا نورالدین بہاری کے نام قابل ذکر ہیں۔

۱۹۴۲ء کے بعد جمعیۃ علماء ہند نے نظریہ قیام پاکستان کی پرزور مخالفت کی ۔ اس طرح ۱۹۴۷ء کو ملک آزاد ہوا۔

غرض جمعیۃ علماء ہند نے تحریک آزادی میں سرگرم حصہ لیا۔

اس طرح تحریک آزادی میں جمعیۃ علماء کا حصہ ہندوستان کی آزادی کی تاریخ کا ایک اہم باب ہے۔(۴۵)"

(۴۵) الجمعیۃ جمعیۃ علماء نمبر ص۔۳۸۰۔۔ص۔۵۷۔۶۸

نواں باب

علمائے کرام۔مجاہدین آزادی

غدر ۱۸۵۷ء کے بعد سے ۱۹۴۷ء تک

(۱) مولانا عزیز گل پشاوری

مولانا عزیز گل قصبہ زیارت کا کا صاحب ضلع پشاور کے باشندے اور دارالعلوم دیوبند کے فاضل تھے۔حضرت شیخ الہندؒ کے خادم خصوصی اور محبت رکھنے والوں میں تھے۔شروع ہی سے تحریک ریشمی رومال کے ممبر رہے اور نہایت ہی اہم اور خطرناک امور کو بخوبی انجام دیتے رہے۔صوبہ سرحد اور یاغستان میں سفارت کی عظیم خدمات بھی انجام دیں۔ پہاڑی علاقوں میں حضرت شیخ الہند اپنے واقف کاروں اور متعلقین تحریک کے پاس انہیں بھیجتے تھے۔ چنانچہ سرحد اور یاغستان کے علاقہ میں آپ کے تعاون سے بہت سے افراد تحریک کے ممبر اور ہم نوا بنے۔لوگوں نے ان کو بھی شیخ الہندؒ سے الگ کرنے کی کوشش کی۔لیکن انہوں نے ان کی باتوں پر کان نہ دھرا۔اور ہمیشہ شیخ الہندؒ کے ساتھ رہے۔ ۱۳۳۳ھ مطابق 1915ء میں سفر حجاز میں بھی ساتھ گئے تھے۔اور وہیں رہے۔ یہاں تک کہ گرفتاری کا واقعہ پیش آیا۔تحریک ریشمی رومال میں حصہ لینے کی وجہ سے گرفتار ہوئے اور حضرت شیخ الہند کے ساتھ مالٹا میں قید کردیئے گئے۔آپ حضرت شیخ الہندؒ کے انتہائی معتمد اور راز دار رفیق تھے۔

آخر عمر میں پشاور چلے گئے' اور وہیں ۱۳۱۳ھ مطابق ۱۸۹۰ء میں وفات پائی۔(۱)

(۲) نقش حیات۔جلد دوم۔ص۔۱۳۸ (۳) اسیران مالٹا۔ص۔۴۵

(۲) شیخ الہند مولانا محمود حسنؒ

شیخ الہند مولانا محمود حسن کے والد محترم کا نام مولانا ذوالفقار علی تھا۔آپ کی پیدائش ۱۸۵۱ء کو بریلی میں ہوئی۔ چھ سال کی عمر میں سلسلہ تعلیم شروع ہوا۔ابتدائی تعلیم مختلف اساتذہ سے حاصل کی۔تعلیم کی تکمیل حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی سے کی۔آپ سفروحضر میں حضرت استاذ کے ساتھ رہے۔اوردارالعلوم دیوبند سے فراغت حاصل کی۔فراغت کے بعد معین مدرس بنائے گئے۔اور چار سال کے بعد دارالعلوم دیوبند میں مدرس چہارم قرار دیئے گئے۔پھر ۱۸۸۸ء میں صدر المدرسین کے عہدہ پر فائز کئے گئے۔جس کے فرائض ۱۹۱۵ء تک انجام دیتے رہے۔

دارالعلوم میں مدرس کی حیثیت سے تقرر کو پانچ سال ہوئے تھے کہ آپ نے دارالعلوم ہی کے حلقہ میں ایک جماعت بنائی' ثمرۃ التربیت اس کا نام تجویز کیا۔دارالعلوم کے مالی مفاد کے لئے فضلاء اور ہمدردان دارالعلوم سے رابطہ رکھنا اس جماعت کا مقصد ظاہر کیا گیا۔مگر ظاہر ہے کہ جملہ مقاصد کو الفاظ کا جامہ نہیں پہنایا جاتا۔اس سلسلہ میں تفصیل ثمرۃ التربیت میں مذکور ہے۔

۱۳۲۱ھ میں نظارۃ المعارف قائم ہوئی۔اس کے کارپرداز حضرت مولانا عبیداللہ سندھی تھے۔اور روح رواں حضرت مولانا محمود حسن۔یہ تعلیم گاہ بھی تھا۔تربیت گاہ بھی اور خفیہ مشورہ گاہ بھی۔حضرت حسین احمد مدنیؒ فرماتے ہیں ''اس کا مقصد یہ تھا کہ انگریزی تعلیم سے نوجوانان اسلام کے عقائد اور خیالات پر جو بے دینی اور زہریلا اثر پڑتا ہے اس کو زائل کیا جائے اور قرآن کی تعلیم اس طرح دی جائے کہ ان کے شکوک وشبہات دین اسلام سے دور ہوجائیں اور وہ سچے اور پکے مسلمان ہوجائیں۔(۲)

اس کا مقصد سیاسی بھی تھا' اس کی تفصیل نظارۃ المعارف اور ریشمی خطوط میں مذکور ہے۔

سی آئی ڈی نے اس سلسلہ میں لکھا ہے، ''دیوبند کو اپنے مشنریوں کی تربیت گاہ نہ بنا سکا تو عبیداللہ نے فیصلہ کیا کہ ایک مدرسہ دلی میں اس مقصد کے لئے قائم کرے۔اس میں درس کے علاوہ جو نظارۃ المعارف میں دیا جاتا تھا اور جو صریحاً درست نہیں تھا' سازشوں کے لئے وقتاً فوقتاً مل بیٹھنے کیلئے بھی ایک جلسہ گاہ کا قیام تھا۔(۳)

(۲) نقش حیات۔جلد دوم۔ص۔۱۸۶،اسیران مالٹا۔ص۔۲۴ (۳) اسیران مالٹا۔ص۔۴۵

تحریک آزادی کے لئے حضرت نے اپنا مرکز بھی سرحدی علاقہ کو بنایا تھا۔انگریزوں سے مقابلہ میں مجاہدین وہاں کام کررہے تھے۔اور انگریزوں سے مقابلہ کررہے تھے۔وہاں حضرت شیخ الہندؒ کی ضرورت محسوس کی جارہی تھی' مگر آپ اس حقیقت کو پوری طرح محسوس کررہے تھے کہ کہاں کا سفر ضروری ہے چنانچہ حضرت مولانا محمد میاں صاحب تحریر کرتے ہیں:

مرکز یاغستان سے تقاضہ ہورہا تھا کہ حضرت وہاں تشریف لے آئیں، تو مجاہدین کا اجتماع اور زیادہ ہوجائیگا۔آپس کے تفرقہ کا خطرہ نہ رہے گا،اور کاروبار جہاد میں پختگی اور رونق ہوجائیگا۔لیکن مجاہدین اور ضروریات جہاد کے لئے غیر معمولی امداد کی بھی ضرورت تھی۔اور حضرت کے علاوہ اور کوئی ایسا نہ تھا کہ لوگ اس کی شخصیت سے متاثر ہوں' اور محض خفیہ اشارہ پر غیر معمولی امداد پیش کردیں۔لہٰذا حضرت نے یاغستان جانا خلاف مصلحت سمجھا۔مسلسل تقاضوں کے بعد کچھ تیار بھی ہوئے تو خبر پہنچیں کہ میگزین ختم ہوچکا ہے۔رسد بھی باقی نہیں رہی،اور یہ کہ عوام کی خفیہ امدادی ضروریات جہاد کے لئے کافی نہیں ہوسکتیں۔لہٰذا کسی باقاعدہ حکومت کو آمادہ کیا جائے کہ وہ پشت پناہی کرے۔اس مرحلہ پر حضرت نے یاغستان کے بجائے حجاز کا ارادہ کیا کہ ترکی حکومت سے رابطہ قائم کریں اور مرکز یاغستان کے لئے مولانا عبیداللہ سندھی کو مامور فرمایا۔(۴)

مکہ معظمہ پہنچنے کے بعد حضرت شیخ الہند نے اپنے مقصد کے لئے کوشش شروع کردی۔اور گورنر حجاز سے ملاقات کرکے اپنا مقصد سمجھایا۔گورنر نے تمام باتیں غور سے سنیں۔ضروری سوالات کے جوابات حاصل کئے۔اور اسی طرف سے جواب دینے کے لئے حضرت شیخ کو دوسرے دن اپنے یہاں تشریف لانے کی دعوت دی۔حضرت شیخ مختلف موضوع پر گفتگو کرنے کے بعد وہ اتنا متاثر ہوا کہ حضرت شیخ اپنے مقصد کے لئے جو تحریر حاصل کرنا چاہتے تھے وہ مرتب کرکے انہوں نے دیدیا۔ان میں سب سے اہم مسلمانان ہند کے نام پیغام تھا۔جس میں حضرت شیخ الہند پر اعتماد ظاہر کرتے ہوئے ان کی جدوجہد کی تحسین کی تھی۔اور ہدایت کی تھی کہ ان کی حمایت اور امداد کریں۔اس کے علاوہ اپنی یعنی ترکی حکومت کی طرف سے بھی امداد کا یقین دلایا۔یہ تحریر غالب نامہ کے نام سے مشہور ہوئی۔اور اس کی کاپیاں یاغستان میں تقسیم کی گئیں۔اس تحریر کے علاوہ دوسری تحریر مدینہ منورہ کے گورنر بصری پاشا کے نام تھی۔جس میں حضرت شیخ پر اعتماد کا اظہار کرتے ہوئے فرمائش کی تھی کہ ان کو استنبول انور پاشا کے پاس پہنچا دیں۔تیسری تحریر انور پاشا کے نام تھی کہ یہ معتقد بزرگ ہیں۔ان کے مطالبات پورے ہونے چاہئیں۔لیکن حضرت شیخ استنبول جانے کی ضرورت پیش نہ آئی، کیونکہ جب حضرت شیخ الہند حج بیت اللہ سے فارغ

(۴) نقش حیات۔جلد دوم۔ص۔۱۸۶،اسیران مالٹا۔ص۔۲۴

ہوکر ۶ رمحرالحرام ۱۳۳۴ھ/ ۱۹۱۵ء کو مدینہ منورہ پہنچے تو خود انور پاشا اور جمال پاشا اپنے سرکاری پروگرام کے مطابق مدینہ طیبہ حاضر ہو گئے۔ وہیں حضرت شیخ سے ملاقات ہوئی اور حضرت شیخ کی فرمائش کے بموجب ان حضرات نے فرامین اور پیغامات لکھ کر دیدیئے۔ ان پیغامات کا مضمون بھی وہی تھا جو غالب نامہ کا تھا' یعنی ہندوستانیوں کے مطالبہ آزادی کی تحسین کی گئی تھی۔ اور اپنی طرف سے امداد واعانت کا وعدہ تھا۔ اور ہر شخص کو جو ترکی کی رعیت یا ملازم ہو' حکم تھا کہ مولانا محمود حسن صاحب پر اعتماد کرے اور ان کی اعانت میں حصہ لیں۔ (۵)

یہ فرمان صندوق کی دوہری تلی میں پیوست کر کے ہندوستان پہنچائے گئے۔ پھر ان کے فوٹو لئے گئے، اور ان کو افغانستان و یاغستان پہنچایا گیا۔ اسی زمانہ میں انگریزوں سے مل کر والی مکہ شریف حسین نے ترکی حکومت کے خلاف بغاوت کر دیا۔ اس بغاوت سے اور بے چینی ہندوستان میں بھی پیدا ہوئی۔ حکومت ہند نے خان بہادر مبارک علی اورنگ آبادی کو خفیہ طور پر مکہ معظمہ بھیجا کہ وہاں سے ترکی کے خلاف فتوی حاصل کر کے لائیں۔ چنانچہ شریف حسین کے عہدہ دار علماء کی مدد سے خان بہادر نے استفتاء اور اس کا جواب مرتب کرایا۔ جس میں ترکی فوج کی مطلقاً تکفیر تھی۔ اور سلاطین آل عثمان کی خلافت سے انکار کیا گیا تھا۔ اور شریف حسین کی بغاوت کو حق بجانب اور مستحق قرار دیا گیا تھا۔ شریف حسین سے تعلق رکھنے والے بہت علماء نے اس پر دستخط کر دیئے تھے' لیکن علماء کی کثیر تعداد متردد اور خائف تھی۔ حضرت شیخ کے سامنے فتوی پیش کیا گیا تو حضرت موصوف نے سختی سے انکار کر دیا۔ آپ کے انکار پر تمام حق پرست علماء کی ہمت بلند ہوگئی' جو حضرات متردد اور خائف تھے، ان سب نے دستخط کرنے سے انکار کر دیا۔ فتوی پر دستخط نہ کرنے کی وجہ سے حکومت ہند نے ان حضرات کو شریف حسین سے طلب کیا۔ اور شریف نے گرفتاری کے احکام جاری کر دیئے، اور حضرت شیخ طائف میں گرفتار کر لئے گئے۔ اور وہاں سے ۱۵ رفروری ۱۹۱۷ء کو مالٹا روانہ کر دیئے گئے۔ جو سیاسی اور جنگی قیدیوں کا مرکز تھا۔ وہاں سخت تکلیف کی زندگی گذارنے کے بعد ۸ رجون ۱۹۲۰ء کو تین برس سات مہینے کے بعد بمبئی پہنچا کر آپ کو رہا کیا گیا۔

''واپسی کے بعد ملک کی آزادی میں سرگرم حصہ لیا۔ مالٹا ہی میں حضرت شیخ الہند نے محسوس کیا کہ ہندوستان کی آزادی ایک قوم اپنی کوشش سے حاصل نہیں کر سکتی ہے۔ ۱۸۳۱ء سے ۱۹۱۵ء تک کا تجربہ ان کے سامنے تھا۔ لہٰذا آپ نے تشدد کی پالیسی بدل دی اور ہندوستان کی آزادی کو ہندو اور مسلمان کی مشترکہ جدوجہد سے حاصل کرنے کی تجویز پیش کی۔''(۶)

---

(۵) اسیران مالٹا ص۔ ۲۴ (۶) تفصیلی معلومات کے لئے مطالعہ کیجئے۔ شیخ الہند مولانا محمود الحسن، حیات و علمی کارنامے: ۲، نقش حیات۔ جلد دوم۔ ۳۔ تحریک شیخ الہند، ریشمی خطوط سازش کیس

جمعیۃ علماء نے اس پر عمل کیا جو کامیاب رہا۔ ۱۸ رربیع الاول ۱۳۳۹ھ مطابق ۳۰ رنومبر ۱۹۲۰ء کو آپ کا وصال ہوگیا۔

(۳) مولانا سید محمد فاخر میاں بجنوری (عرف راشد میاں)

مولانا سید فاخر میاں بن مولانا سید محمد زاہد میاں تقریباً ۱۸۵۶ء میں الٰہ آباد میں پیدا ہوئے۔ آپ کے والد دائرہ شاہ اجمل کے سجادہ نشین تھے۔ آپ کی ابتدائی تعلیم خانقاہ میں ہوئی۔ مولانا عبداللہ ولایتی کانپوری سے تعلیم حاصل کی۔ اور مولانا حسین الٰہ آبادی سے بھی تعلیم حاصل کی۔

آپ کو ملکی وملی سیاست سے بہت شغف وانہماک تھا۔ حضرت شاہ حاجی جان المتوفی ۱۹۱۲ء کے پہلے عرس کے موقع پر دوران عرس پولیس اور فوج نے تلاشی کر لینے کے لئے دائرہ شاہ اجمل کا محاصرہ کر لیا۔ سپرنٹنڈنٹ پولیس نے حکم سنایا کہ آپ جہاں ہیں وہاں سے کہیں نہیں جاسکتے۔ گورنمنٹ برطانیہ کو آپ کے متعلق کئی قسم کی شبہات ہیں۔۔ مثلاً یہ کہ ہندوستان کی انقلابی پارٹی سے آپ تعلق رکھتے ہیں۔ اور بیرونی انقلابی شیخ سنوسی وغیرہ سے بھی ساز باز رکھتے ہیں۔ اور اس طرح ہندوستان کو آزاد کرانے اور حکومت کا تختہ الٹنے کی جد جہد کرتے رہتے ہیں۔ تلاشی کے دوران پولیس کو یہ بھی شبہ تھا کہ آپ بم بناتے ہیں۔

مولانا موصوف جلیانوالہ باغ کے حادثہ سے بہت متاثر ہوئے، اور ملک کے مختلف مقامات پر جاکر تقریریں کیں۔ ان میں ایک تقریر پر دفعہ ۱۰۸ کے ماتحت ۱۷ رمئی ۱۹۲۰ء کو گرفتار کر لئے گئے۔ اور ایک سال قید بامشقت کی سزا دی گئی۔ کچھ دن الٰہ آباد میں رکھا گیا۔ پھر گورکھپور جیل منتقل کر دیئے گئے۔ مرض ذیابطیس کی وجہ سے آپ کا پاؤں سوکھ گیا تھا۔ چلنے پھرنے میں دشواری ہوتی تھی۔ پھر بھی بیڑیاں آپ کے پاؤں میں لگی رہتی تھیں۔ اپریل ۱۹۲۱ء میں آپ کو گورکھپور جیل سے الٰہ آباد جیل لایا گیا۔ اور آپ کو رہا کر دیا گیا۔ آپ آخر زندگی تک تحریک آزادی میں حصہ لیتے رہے۔

۲۱ رجولائی ۱۹۳۰ء کو وفات پائی۔ اور دائرہ اجمل میں اپنے والد کے پہلو میں مدفون ہوئے۔ (۷)

---

(۷) الجمعیت جمعیۃ علماء نمبر۔ ص۔ ۴۱۶

(۴) مولانا محمد میاں عرف مولانا منصور انصاری

’’مولانا میاں نام تھا، سفر کابل میں اپنا نام بدل کر منصور انصاری رکھ لیا تھا۔ مولانا محمد قاسم نانوتوی کے نواسے اور مولانا عبداللہ انصاری سابق ناظم دینیات مسلم یونیورسیٹی کے صاحبزادے تھے۔ قصبہ امبیٹھہ ضلع سہارنپور کے رہنے والے تھے۔ دارالعلوم دیوبند میں تعلیم حاصل کی۔ حضرت شیخ الہندؒ سے خصوصی قربت حاصل تھی۔ دارالعلوم دیوبند سے فراغت کے بعد مختلف مقامات پر تدریسی خدمات انجام دیتے رہے۔ دارالعلوم معینیہ اجمیر میں عرصہ تک درس تدریس کے فرائض انجام دیئے۔ حضرت شیخ الہندؒ نے اپنی تحریک کا ممبر وہمراز بنالیا تھا۔ جمعیۃ الانصار میں مولانا عبیداللہ سندھی کے نائب کی حیثیت سے خدمات انجام دیتے رہے۔ تحریک کے کام میں بڑی جانفشانی سے لگے رہے۔ حضرت شیخ الہندؒ کے ساتھ سفر حجاز میں بھی شریک سفر تھے، غالب پاشا وغیرہ سے ملاقات کے بعد حضرت شیخ الہندؒ نے آپ کو ’غالب نامہ‘‘ کی ترویج واشاعت کے لئے ہندوستان واپس بھیج دیا۔ ہندوستان پہنچے تو انگریزوں کو ریشمی خطوط کی بھنک لگ چکی تھی، اور گرفتاریوں کا سلسلہ شروع ہوگیا تھا۔ لوگوں نے آپ کو بھی گرفتار کرانے کی کوشش کی۔ لیکن بھیس بدل کر بال بچوں کو چھوڑ کر چھپتے چھپاتے یاغستان پہنچے، اور کچھ دنوں کے بعد کابل چلے آئے۔ امیر حبیب اللہ خاں کی انگریز دوستی کے باعث وہاں بھی مطمئن نہیں رہ سکے تو پھر یاغستان آ گئے۔ اسی دوران اپنا نام بھی تبدیل کرلیا۔ جس کی وجہ سے سی آئی ڈی کو گرفتاری میں ناکامی کا سامنا کرنا پڑا۔ امیر امان اللہ خاں کے زمانہ میں مختلف بڑے علمی اور سیاسی عہدوں پر فائز ہوئے۔ اس کے بعد استنبول اور ماسکو کے افغانی سفارت خانوں میں ذمہ دارانہ حیثیت سے فرائض متعلقہ انجام دیتے رہے۔ کابل کے قیام کے دوران چند اسلامی رسائل بھی تصنیف کئے۔ ۶/صفر ۱۳۶۵ھ مطابق ۱۱/جنوری ۱۹۴۶ء کو جمعہ کے دن کابل میں وفات پائی۔‘‘(۸)

’’سی آئی ڈی رپورٹ میں ہے’’وہ بعد میں دارالعلوم بوبند میں ملازم رکھ لیا گیا۔ جہاں وہ مولانا محمود الحسن کا مرید ہوگیا۔ اسے ان سے گہری وابستگی ہے۔ وہ سازش کا اہم رکن ہے۔ دیوبند میں خفیہ جلسوں میں شامل ہوا کرتا تھا۔ ستمبر ۱۹۱۵ء میں مولانا محمود الحسن کے ساتھ حجاز گیا۔ جماعت کے خازن کے طور پر کام کیا۔ اپریل ۱۹۱۶ء میں غالب نامہ کے ساتھ واپس آیا، جو ہندوستان میں آزاد علاقہ میں سازشیوں کو دکھلانے کے بعد کابل لے گیا۔‘‘(۹)

(۸) نقش حیات۔ جلد دوم۔ ص۔ ۱۷۹ (۹) تحریک شیخ الہند ریشمی خطوط کے کیس میں کون کیا ہے۔ ص۔ ۶۷

(۵) مولانا عبیداللہ سندھی

’’مولانا عبیداللہ سندھی ضلع سیالکوٹ کے ایک گاؤں میں غیر مسلم گھرانے میں ۱۰/مارچ ۱۸۷۲ء کو یتیم پیدا ہوئے۔ والدہ نانیہال آ گئیں، جو ایک سکھ خاندان تھا۔ ابتدائی تعلیم کے دوران اسلام سے متاثر ہوئے۔ تحفۃ الہند نامی کتاب ہاتھ لگ گئی۔ اس کا مطالعہ کیا۔ اس سے ایک دلچسپی بڑھی۔ مولانا اسمٰعیل شہید کی کی تقویت الایمان اور مولانا محمد لکھنوی کی کتاب احوال آخرت نے اس جذبہ کو اور بڑھایا۔ اسلام کو قبول کرنے کے بعد اپنا نام عبید اللہ تجویز کیا۔ اور مزید تعلیم کے لئے گھر سے نکل پڑے۔ گھر کے لوگوں نے پیچھا کیا، لیکن کسی کو ہاتھ نہ لگے۔ سندھ آکر عربی کی ابتدائی کتابیں پڑھیں اور وہیں ایک بزرگ حافظ محمد صدیق صاحب کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ ان سے بیعت ہوگئے اور فیض حاصل کرنا شروع کیا۔ انہوں نے ان کے جذبہ اسلامی کو مستحکم کردیا۔ سندھی کا استعمال اسی تعلق سے ہے۔ مزید تعلیم کے لئے باہر نکلنے کا ارادہ کیا تو حافظ صاحب موصوف نے دعا دی۔ مختلف مقامات سے ہوتے دارالعلوم دیوبند پہونچے۔ شیخ الہندؒ کے درس میں شامل ہوگئے اور آپ کے خاص شاگرد بن گئے۔‘‘(۱۰)

حضرت شیخ الہندؒ کی صحبت سے فیض حاصل کیا۔ اور آپ کی نگرانی میں حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی کے علوم وحکمت کا مطالعہ کیا۔ حضرت شیخ کی صحبت اور اس مطالعہ نے آپ کے ذہن کو انقلابی بنادیا۔ ۱۹۱۰ء میں حضرت شیخ الہندؒ نے جمعیۃ الانصار کی بنیاد ڈالی۔ اسمیں کام کرنے کے لئے آپ کو دیوبند طلب فرمالیا۔ اس کے بعد سے برابر شیخ الہندؒ کی سرپرستی میں کام کرتے رہے۔ آپ ہی کے حکم سے ۱۹۱۵ء میں کابل گئے۔

’’حضرت سندھی، حضرت شیخ الہند کی سیاسی تعلیم کے علم بردار اور آپ کے سب سے بڑے معتمد رفیق کار تھے۔ ریشمی رومال تحریک میں تمام عملی اقدامات آپ ہی کے رہین منت ہیں۔ ساری سرگرمیوں میں آپ ہی کا ہاتھ رہا۔ عمر کا زیادہ حصہ جلاوطنی میں گذارا۔ ہزاروں مصیبتیں جھیلیں

(۱۰) نقش حیات۔ جلد دوم۔ ص۔ ۱۴۳

۔افغانستان، ترکی، روس، عرب، ایران وغیرہ جا کر تحریک آزادی کے لئے راہیں ہموار کیں۔ ہندوستان سے باہر رہ کر ہندوستان کی آزادی کے لئے جد جہد کرنے والوں سے مل کران کی صحیح راہنمائی کرتے رہے۔ کابل کی عارضی حکومت میں وزیر امور ہند رہے۔ تحریک آزادی کی ناکامی کے بعد کابل میں کچھ دنوں نظر بند رہے پھر رہا کر دیئے گئے۔"(۱۱)

رہائی کے بعد حجاز چلے گئے۔ وہیں جلاوطنی کی زندگی گذارنے لگے۔ مولانا صادق کراچوی نے صوبہ سندھ کے وزیراعلیٰ جناب اللہ بخش سومرو کی توجہ اس جانب مبذول کرائی۔ اور حکومت سندھ کی کوشش سے جلاوطنی کی پابندی ہٹالی گئی۔ اس طرح مارچ ۱۹۳۹ء میں واپس اپنے وطن تشریف لائے۔ کراچی بندرگاہ پر ان کا شاندار استقبال کیا گیا۔ اس طرح مولانا عبیداللہ سندھی نے تحریک آزادی میں سرگرم حصہ لیا۔

(۶) مولانا احمداللہ پانی پتی

مولانا احمداللہ پانی پت ضلع کرنال کے رہنے والے تھے۔ اور حضرت مخدوم جلال الدین کبیر الاولیاء کی اولاد میں سے تھے۔ موصوف نے علوم دینیہ مختلف مدارس میں حاصل کر کے دورۂ حدیث اور آخری کتاب دارالعلوم دیوبند میں پڑھیں۔ اس کے بعد مختلف مدارس میں تدریسی خدمات انجام دیتے رہے۔ ان کی دیانت اور امانت پر حضرت شیخ الہند کو بڑا اعتماد تھا۔ چنانچہ تحریک کا ممبر اور رازدار بنالیا۔ بسا اوقات حضرت کی ڈاک بھی انہیں کے سپرد رہتی۔ جب حضرت شیخ الہند تحریک کے مقاصد کے پیش نظر حجاز کے لئے روانہ ہوئے تو جزئی اور فروعی امور انہیں کے سپرد کر دیئے گئے تھے۔ ان کے پاس چندہ دہندگان کا رجسٹر اور تحریک سے متعلق بعض دوسرے کاغذات رکھ گئے تھے۔ جسے انہوں نے نہایت رازدارانہ طریقہ پر رکھا۔ اور متعلقہ امور اپنے صدابدید سے انجام دیتے رہے۔ اہم امور میں مولانا عبدالرحیم رائے پوری (جن کو حضرت شیخ الہند مہمات امور کا ناظم بنا گئے تھے) سے مشورہ کیا کرتے تھے۔ حجاز میں حضرت شیخ الہند گرفتار ہو گئے اور کاغذات کی تلاشی کے سلسلہ میں ہندوستان میں بھی گرفتاری اور تفتیش شروع ہوئی، تو پولیس ان کے مکان پر بھی پہنچی۔ مگر یہ کچھ ہی دیر پہلے تمام کاغذات کسی دوسرے جگہ منتقل کر چکے تھے۔ پولیس ان کے ہزار پوچھ کچھ کے باوجود کسی بات کا اقرار نہ کیا۔ آخر ان پر ایک مسلمان سی آئی ڈی متعین کیا گیا۔ جس نے اخلاق وعقیدت کا اظہار کر کے ان کے

(۱۱) علمائے حق جلد اول۔ص۔۲۲۱

ہاتھ بیعت کر لی۔ اور مراحل سلوک طے کرتا رہا۔ ہر وقت اذکار اور اشغال میں مصروف رہتا۔ اور مولانا موصوف کی خدمت کرتا رہتا۔ جس سے مولانا موصوف کو ان پر اعتماد ہو گیا۔ اس شخص نے آہستہ آہستہ تمام باتیں پوچھ لیں، اور تحریک کا ممبر بن گیا۔ ساری راز کی باتیں پوچھنے کے بعد فرار ہو گیا۔ اور حکومت کو مطلع کر دیا۔ اسی کی نشاندھی پر مولانا موصوف گرفتار کر لئے گئے۔ لیکن چونکہ کوئی قطعی ثبوت نہ تھا اور یہ خود اقرار نہ کرتے تھے، اس لئے پنجاب کے بعض علاقوں میں نظر بند کر دیئے گئے۔ آزادی کے چند دن پہلے پانی پت میں وفات پائی۔(۱۲)

(۷) مولانا شبیر احمد عثمانی دیوبندی

مولانا شبیر احمد عثمانی کی ولادت ۱۳۰۴ھ/۱۸۸۷ء میں دیوبند میں ہوئی۔ ۱۳۱۲ھ میں دارالعلوم دیوبند میں داخل کئے گئے۔ اور ۱۳۲۵ھ میں فراغت حاصل کی۔ سیاست سے آپ کو ہمیشہ دلچسپی رہی اور تحریک آزادی میں کھل کر حصہ لیا۔ جمعیۃ علماء ہند کے رکن تھے۔ سی آئی ڈی رپورٹ میں ہے"وہ بڑا فاضل مولوی ہے۔ اس نے ترکی کی امداد کے لئے چندہ جمع کرنے میں جنگ بلقان کے دوران بڑی سرگرمی سے حصہ لیا۔ اور اسلامی سیاست میں وہ زبردست دلچسپی لیتا ہے۔ وہ مولانا محمود الحسن کی جہادی اسکیم کے ساتھ ہمدردی رکھتا ہے۔ اگر اسے حبیب الرحمان اور مفتی عزیز الرحمان نہ روکتے تو وہ ستمبر ۱۹۱۵ء میں مولانا کے ساتھ ہجرت کرنے والوں میں شامل ہو جاتا" ۱۳۵۶ھ/۱۹۱۹ء میں جمعیۃ علمائے ہند اسلام قائم ہوئی تو اس کے صدر منتخب ہوئے اور پاکستانی تحریک کے حامی ہو گئے۔ آزادی کے بعد ۱۹۴۷ء میں پاکستان چلے گئے۔ ۱۳۶۹ھ/۱۹۴۹ء میں بھاولپور میں آپ کا انتقال ہوا اور کراچی میں تدفین عمل میں آئی۔(۱۳)

(۸) مولانا مرتضی حسن چاندپوری

مولانا مرتضی حسن کا وطن چاندپور ضلع بجنور تھا۔ ۱۳۰۴ھ/۱۸۸۷ء میں دارالعلوم دیوبند سے فارغ ہوئے۔ مدرسہ امدادیہ دربھنگہ اور مدرسہ مراد آباد میں تدریسی خدمات انجام دیئے۔ دارالعلوم دیوبند میں نظامت تعلیم کی خدمت بھی کچھ دنوں کے لئے تفویض کی گئی۔ آپ نے ریشمی خطوط تحریک میں سرگرم حصہ لیا۔ ریشمی خطوط ڈائریکٹری جو سی آئی ڈی رپورٹ پر مشتمل ہے اسمیں تحریر ہے:

(۱۲) نقش حیات۔ جلد دوم۔ص۔۱۹۲، شیخ الہند مولانا محمود حسن حیات اور علمی کارنامے۔ص۔۴۰۳، تحریک آزادی اور مسلمان۔ص۔۱۵۸
(۱۳) تحریک شیخ الہند ریشمی خطوط سازش کیس۔ص۔۸۶

''مولوی سید مرتضیٰ حسن پسر حکیم بنیاد علی ساکن چاند پور ضلع بجنور صوبہ جات متحدہ ایک ہی شخص ہے۔ دیوبند میں تعلیم پائی اور بعد میں بحیثیت مدرس مدرسہ امدادیہ دربھنگہ نیز مدرسہ دیوبند میں کام کرتا رہا۔ اس نے طبیب کا کام بھی کیا ہے۔ مولانا محمود الحسن صاحب کا پکا معتمد اور سازش جہاد کا سربرآور ممبر ہے۔ دیوبند کے خفیہ مشوروں میں شریک ہوا کرتا تھا۔ ستمبر 1915ء میں محمود الحسن کے ساتھ عرب گیا۔ محمد میاں اور دوسرے لوگوں کے ساتھ فروری ۱۹۱۶ء میں واپس آیا۔ مولانا محمود الحسن اسے ساری پارٹی میں سب سے زیادہ لائق اور چالاک سمجھتے تھے۔ مولانا کے تحت وہ سب سے بڑا افسر تھا۔ صوجات متحدہ کی سی آئی ڈی نے جب اسے گرفتار کیا، تو وہ مراد آباد کے کسی مدرسہ میں مدرس تھا۔'' (۱۴)

اپنے وطن میں ۱۳۷۱ھ/1951 میں وفات پائی۔

(۹) حضرت مفتی کفایت اللہ دہلوی

مفتی کفایت اللہ بن شیخ عنایت اللہ کی ولایت ۱۸۷۵ء کو شاہجہاں پور میں ہوئی۔ ابتدائی تعلیم گھر پر حاصل کی۔ اعلیٰ تعلیم کے لئے مدرسہ شاہی مراد آباد بھیج دیئے گئے۔ دوسال بعد دیوبند گئے، اور دارالعلوم میں داخلہ لیا۔ تین سال کے دارالعلوم دیوبند میں رہے۔ حضرت شیخ الہندؒ اور اس وقت کے مشاہیر علماء مولانا خلیل احمد سہارنپوری، مولانا غلام رسول ہزاروی، مولانا حکیم حسین دیوبندی وغیرہ سے تعلیم کی تکمیل کی۔

فراغت کے بعد کچھ عرصہ تک شاہجہانپور میں مدرسہ اعزازیہ میں مدرس رہے۔ پھر اپنے ساتھی مولانا امین الدین صاحب کے بلانے پر مدرسہ امینیہ دہلی تشریف لے گئے۔ مولانا امین الدین صاحب کے انتقال کے بعد حضرت شیخ الہند نے ہمدردان مدرسہ سے مشورہ کے بعد مدرسہ امینیہ کا انتظام واہتمام بھی سپرد کردیا۔ مفتی کفایت اللہ نے ایک مجلس انتظامیہ بنائی، اور اس کے مشورہ سے عمر بھر مدرسہ امینیہ میں بطور مہتمم/صدر مدرس کام کرتے رہے۔

مفتی صاحب نے تحریک آزادی میں خوب حصہ لیا۔ ترک موالات کے بارے میں پانچ سو علماء کا مشہور فتوی مفتی صاحب نے مرتب کیا تھا۔

(۱۴) ریشمی خطوط سازش کیس ڈائریکٹری۔ ص۔ ۷۳

جمعیۃ علماء کے قیام میں آپ کا بڑا حصہ تھا۔ آپ تقریباً بیس سال تک جمعیۃ علماء ہند کے صدر رہے۔ اور دوران صدارت بہت سے اہم امور انجام دیتے رہے۔

۱۹۳۰ء میں قصہ خوانی بازار پشاور میں تحریک آزادی کے سلسلہ میں برٹش حکومت نے بے تحاشہ گولیا چلائیں، اور بے شمار پٹھانوں کو شہید کردیا۔ اس پر آپ کی رپورٹ شائع ہوئی۔ حکومت نے اس کو ضبط کرلیا۔ انڈین نیشنل کانگریس کے سردار وٹھل بھائی پٹیل نے مفتی صاحب کی رپورٹ کی خوب تعریف کی، جو اخباروں میں شائع ہوئی۔ تحریک آزادی میں حصہ لینے کی وجہ سے دومرتبہ گرفتار ہوئے، ایک مرتبہ چھ ماہ کی قید ہوئی، اور دوسری مرتبہ ڈیڑھ سال قید بامشقت کی سزا ہوئی۔

مفتی صاحب کا انتقال ۳۱/دسمبر ۱۹۵۲ء کی رات ساڑھے دس بجے ہوا۔ اور یکم جنوری ۱۹۵۳ء کو درگاہ خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ کے دروازہ اور ظفر منزل کے درمیان مدفون ہوئے۔ (۱۵)

(۱۰) مولانا صادق کراچوی

مولانا مفتی محمد صادق کی ولادت محلہ کھڈہ کراچی میں ۱۸۷۴ء میں ہوئی۔ آپ کے والد مولانا عبداللہ بن عبد الکریم کراچی کے ایک بااثر اور خداترس بزرگ تھے۔ انہوں نے محلہ کھڈہ میں درس تدریس اور وعظ وتبلیغ کا کام شروع کیا اور کراچی میں مشہور دینی درسگاہ مظہر العلوم کو ۱۸۸۵ء میں قائم کیا، جس کو آگے چل کر مولانا نے خوب ترقی دی۔

مولانا نے ابتدائی تعلیم اپنے والد ماجد سے حاصل کی۔ کچھ عرصہ بعد مولانا احمد الدین چکوانی کو بلا کر ان کی مزید تعلیم کے لئے مقرر کیا گیا۔ پھر دارالعلوم دیوبند بھیج دیئے گئے۔ وہاں انہوں نے حضرت شیخ الہندؒ کی صحبت میں رہ کر تعلیم کی تکمیل کی۔ ۱۸۹۶ء میں دارالعلوم سے فارغ ہوئے۔

مولانا نے ہندوستان کی آزادی میں نمایاں حصہ لیا۔ اور تحریک ریشمی رومال جو حضرت شیخ الہندؒ کی قیادت میں شروع ہوئی تھی' اس کے آٹھ ہیڈ کوارٹروں میں سے ایک آپ کے سپرد تھی۔ جنگ عمومی کے زمانہ

(۱۵) الجمعیت جمعیۃ علماء نمبر۔ ص۔ ۴۳۱

میں انگریزوں نے عراق پر حملہ کیا تھا، انہوں نے اپنے رفقاء کے تعاون سے اندرونی طور پر بلوچستان قبائل سے بغاوت کرادی۔ کراچی سے ہر ہفتہ سپاہی اور رسد بذریعہ جہاز جایا کرتی تھی۔ جس کی وجہ سے انگریزی فوجیں پیش قدمی کرتی رہیں۔

''بلوچستان بغاوت کی وجہ سے جو کمک عراق بھیجی جاتی تھی' اسے سندھ میں اتارنا پڑا۔ جس کی وجہ سے انگریزی فوجیں عراق میں اپنی بڑھتی ہوئی پیش قدمی کو برقرار نہ رکھ سکیں۔ اور انہیں کوت العمارہ میں محصور ہونا پڑا۔ بغاوت کرنے کے لئے جب انگریزی فوجیں وہاں پہنچیں، تو اس وقت تک ترکی فوجوں نے حصار مضبوط کرلیا تھا۔ کئی ماہ تک محصور رہنے کے بعد انگریزوں کو ہتھیار ڈالنا پڑا۔ انگریزی فوجیں جب محصور ہوئی تھیں، تو ان کی تعداد تیس ہزار تھی، لیکن جب حصار سے آزادی نصیب ہوئی تو کل تیرہ ہزار تھیں' کیونکہ سترہ ہزار اسی کے اندر مر گئے تھے۔ اس کے بعد مولانا محمد صادق صاحب کو گرفتار کرلیا گیا لیکن ثبوت نہ ہونے کی وجہ سے کاروا ڑ میں نظر بند کردیئے گئے۔ جہاں جنگ عمومی کے اختتام تک نظر بند رہے۔'' (۱۶)

''۱۹۰۹ء میں مولانا عبیداللہ سندھی نے دارالعلوم دیوبند میں جمعیۃ الانصار قائم کی تھی۔ تو ان کے سرگرم رفیق کار مولانا صادق اور مولانا احمد علی تھے۔ آل مسلم پارٹیز کانفرنس منعقدہ ۱۶ر۱۷ر ستمبر ۱۹۴۵ء نے جو ایک آل انڈیا مسلم پارلیمنٹری بورڈ بنایا تھا اس کے ۲۳ر ممبروں میں سے ایک مولانا موصوف بھی تھے۔ جب مولانا عبیداللہ سندھی جلاء وطنی کی زندگی گذار رہے تھے۔ اور آخری ایام میں حجاز میں تھے۔ مولانا صادق نے صوبہ سندھ کے وزیر اعلیٰ جناب اللہ بخش سومرو کی توجہ دلا کر حکومت سندھ کی کوشش سے پابندی ہٹوائی۔ اس طرح وہ مارچ ۱۹۳۹ء میں واپس اپنے وطن تشریف لائے۔ کراچی بندرگاہ پر ان کا شاندار استقبال کیا گیا۔'' (۱۷)

مولانا صادق کراچوی نے ۱۸ر جون ۱۹۵۳ء کو وفات پائی۔

(۱۱) مولانا سید حسین احمد مدنی

مولانا سید حسین احمد کا آبائی وطن موضع الہ داد پور تحصیل ٹانڈہ ضلع فیض آباد ہے۔ ابتدائی تعلیم کے بعد

(۱۶) الجمعیۃ جمعیۃ علماء نمبر۔ ص۔ ۴۳۰، شیخ الہند مولانا محمود حسن حیات و علمی کارنامے۔ ص۔ ۴۰۴
(۱۷) الجمعیۃ جمعیۃ علماء نمبر۔ ص۔ ۴۲۱

بارہ سال کی عمر میں آپ کو دیوبند حضرت شیخ الہندؒ کی خدمت میں بھیج دیا تھا۔ آپ نے دارالعلوم دیوبند کے اساتذہ سے تعلیم حاصل کی۔ مگر آپ کی خصوصی تربیت حضرت شیخ الہندؒ نے فرمائی۔ حضرت نے مولانا سید حسین احمدؒ کو بہت سی ابتدائی کتابیں خود پڑھائیں ۔ دارالعلوم سے فراغت حاصل کرنے کے بعد حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ کی خدمت میں پہنچے اور ان سے بیعت ہوگئے۔ ۱۳۱۶ھ/ ۱۸۹۸ء میں والد محترم نے جملہ اہل وعیال کو ساتھ لے کر ہجرت کا ارادہ کیا، تو آپ بھی ان کے ساتھ حجاز تشریف لے گئے۔ مکہ معظمہ پہنچ کر حضرت حاجی امداد اللہؒ سے ملاقات کا شرف حاصل کیا، اور اس کی صحبت میں چند ماہ رہ کر مدینہ منورہ تشریف لے گئے۔ مدینہ منورہ میں مسجد نبوی میں درس تدریس کا سلسلہ شروع کیا۔ صحاح ستہ اور تفسیر وفقہ کی بڑی بڑی کتابوں کے تقریباً ۱۵ سبق روزانہ پڑھاتے تھے۔ نماز صبح کے بعد سلسلہ درس شروع ہوکر عشاء کے بعد تک رہتا۔ آپ کی شہرت عرب سے نکل کر دیگر ممالک تک پہنچ چکی تھی، اور شیخ الحرم کے خطاب سے مشہور ہوگئے۔

اس زمانہ میں مسلم ممالک پر ترکی حکومت کا بہت زیادہ اثر تھا۔ بلکہ یہ کہا جائے کہ ترکی حکومت ہی مسلم ممالک کی محافظ تھی، تو بیجا نہ ہوگا۔ خانہ کعبہ کے متولی ہونے کی وجہ سے اس کا اثر ورسوخ اور زیادہ بڑھ گیا تھا۔ انگریزوں کی نظر میں یہ طاقت ہمیشہ کھٹکتی رہی اور اس طاقت کو ختم کرنے کے لئے یہ لوگ ہمیشہ کوشاں رہے۔ ترکی حکومت کے اثر کو ختم کرنے کے لئے ترکوں کے خلاف عربوں کی بغاوت کو خاص اہمیت حاصل ہے۔ چنانچہ انگریزوں کے ذریعہ عربوں میں قومیت کا احساس پیدا کیا گیا اور موقع بموقع اس کو بڑھایا گیا۔ اس سلسلہ میں کرنل لارنس زیادہ مشہور ہے۔ جس نے اسلام قبول کرکے اصلاح کا بیڑا اٹھایا' فصیح عربی میں اس کی تقریریں عربوں کو مسخر کرلیتی تھیں۔ انگریزوں کی یہ کوشش کامیاب ہوئی۔ اور عربوں میں ترکوں کے خلاف جذبات پیدا ہوگئے۔ اس کا فائدہ والی مکہ شریف حسین نے اٹھایا۔ اور انگریزوں سے مل کر اس نے ترکی حکومت کے خلاف بغاوت کردیا۔ اس بغاوت کی وجہ سے بے چینی ہندوستان میں بھی پھیلنے لگی۔ چنانچہ حکومت ہند نے خاں بہادر مبارک علی اورنگ آبادی کو ترکی حکومت کے خلاف فتوی لانے کے لئے مکہ معظمہ بھیجا۔ اس فتوی پر حضرت شیخ الہند کے ساتھیوں نے دستخط کرنے سے انکار کردیا۔ انکار کرنے والوں میں حضرت شیخ حسین احمد مدنی بھی تھے۔ چنانچہ حضرت شیخ الہندت کے ساتھ آپ کو بھی گرفتار کرلیا گیا۔ اور مالٹا بھیج دیئے گئے۔

مالٹا سے واپسی کے بعد حضرت شیخ الہندؒ کی وفات ہوگئی۔ چنانچہ حضرت شیخ الہندؒ کے بعد ان کے جانشین حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی نے ان کے مشن کو اپنے ہاتھ میں لیا۔اور ہندوستان کی آزادی کے لئے جوش وخروش کے ساتھ کام کرنا شروع کر دیا۔ ۸/۹ جولائی ۱۹۲۱ء کو کراچی میں مولانا محمد علی جوہر کی صدارت میں آل انڈیا خلافت کانفرنس کا اجلاس ہوا۔جس کی ایک تجویز میں پولیس اور فوج کی ملازمت حرام قرار دی گئی۔کسی چیز کے حلال یا حرام ہونے کا فتوی عالم دین ہی صادر کرسکتا تھا۔اس موقع پر آپ نے تجویز پیش کی۔مولانا محمد علی جوہر نے اس کو پڑھ کر سنایا اور فرمایا کہ یہ جلسہ کی کاروائی کا لب لباب ہے۔پیر غلام مجدد نے اس کا سندھی میں ترجمہ کیا۔ ڈاکٹر کچلو' مولانا نثار احمد اور مولانا شوکت علی نے اس کی تائید میں تقریریں کیں۔پھر جگت گرو شنکر اچاریہ نے انگریزی میں تقریر کی۔تجویز کو فتوی کی صورت دی گئی۔جس پر پیر غلام مجدد' مولانا سید حسین احمد مدنی اور مولانا نثار احمد نے دستخط کئے۔ یہ تجویز خلاف قانون قرار دی گئی۔اس موقع پر جمعیۃ علماء ہند کا متفقہ فتوی بھی خلاف قانون قرار دیا گیا۔اور اس کو بھی ضبط کر لیا گیا۔اس کے جرم میں مذکورہ بالا ساتوں محرکین وموئدین ومقررین کو تعزیزات ہند کے تحت گرفتار کر کے کراچی جیل کے حوالات میں پہنچا دیا گیا۔

حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی نے جمعیۃ علماء ہند کو نہایت متحرک وفعال بنایا اور آپ کے دور صدارت میں جمعیۃ علماء ہند نے تحریک آزادی میں اہم رول ادا کیا۔اور ہندو اور مسلمانوں کی مشترکہ کوشش نے ملک کی آزادی کے لئے راستہ ہموار کیا۔

جمعیۃ علماء ہند کو کوشش کا نتیجہ تھا کہ علماء ہند میں آزادی کی لہر پورے طور پر دوڑ چکی تھی۔علماء کرام اپنی تمام صلاحیتوں کے ساتھ تحریک آزادی میں اتر چکے تھے۔تحریر وتقریر اور عملی کوشش ان کا طرۂ امتیاز تھا۔تحریک آزادی میں حصہ لینے کی وجہ سے جیل گئے۔اور اپنے عیش وآرام کو ترک کر کے ملک کو آزاد کرایا۔

جب کانگریس نے آزادی کامل کی تجویز منظور کی۔تو کوئی وجہ نہیں رہی کہ مسلمان کانگریس سے علیحدہ رہیں۔چنانچہ امروہہ اجلاس میں مولانا حفظ الرحمان نے یہ تجویز پیش کی۔اس کی تائید حضرت مولانا مدنی نے کی۔ موئید دوم حضرت علامہ سلیمان ندوی تھے،موید سوم ابوالمحاسن مولانا محمد سجاد بہاری تھے۔پھر لاہور کے مفسر قرآن مولانا احمد علی پھر مولانا عبدالحلیم صدیقی وغیرہ نے تائید کی۔اور کانگریس کے ساتھ مل کر تحریک کا سلسلہ شروع ہوا۔

حضرت شیخ مدنی نے مسلمانوں کو ملک کی اکثریت ہندوؤں کے ساتھ مل کر تحریک آزادی میں حصہ لینے کی پرزور وکالت کی۔اور یہی حضرت شیخ الہندؒ کا بھی خیال تھا۔مولانا محمد میاں صاحب تحریر کرتے ہیں:''اس کے علاوہ جمعیۃ علماء کے اراکین ان شہیدان وفا کے جانشین تھے جن کا نظریہ یہ تھا کہ ہندوستان ان کا ملک ہے۔انگریزوں نے ان سے چھینا ہے۔انگریزوں سے واپس لینا سب سے پہلے ان پر فرض ہے۔یہی نظریہ تھا جس کی بناء پر حضرت شیخ الہندؒ نے تنہا تحریک شروع کردی اور مالٹا سے واپسی پر جب دوسروں کو بھی میدان میں دیکھا تو مسرت ظاہر کی کہ برادران وطن بھی ان کے ہمنوا ہو گئے۔

استعانت بالمشرکین اوران کیساتھ اشتراک عمل کے بارے میں مولانا محمد شفیع صاحب ومولانا ظفر احمد تھانوی وغیرہ کی جانب سے جو فتاوی دیئے گئے۔ان کے جوابات بھی اخبارات اور مستقل رسائل کی صورت میں شائع ہو چکے ہیں۔جمعیۃ علماء ہند کے دفتر سے یہ جوابی فتاوی حاصل کئے جاسکتے ہیں۔مجملاً یہ ہے کہ جن لوگوں نے عدم جواز کا فتوی دیا،انہوں نے حالات کا صرف ایک رخ نمایاں کیا ہے۔بلاشبہ اگر مسلمانوں میں بذات خود قوت مقاومت موجود ہو،اور استعانت بالکفار میں فتنہ کا خوف نہ ہو تو استعانت صرف اس شرط کے ساتھ جائز ہے کہ اسلام کا حکم ظاہر اور غالب رہے۔جیسا کہ قائلین عدم جواز نے تصریحات پیش کی ہیں۔لیکن اگر مسلمانوں میں بذات خود قوت مقاومت موجود نہ ہو اور ان کے لئے کوئی دوسری جائے پناہ بھی نہیں ہے،تو اختیار اھون البلیتین کے اصول کے تحت بعض کفار کا مقابلہ بعض کفار کی استعانت سے جائز ہے۔جیسا کہ حضرت امام مسلم کی حدیث سے واضح ہے۔

آگے تحریر فرماتے ہیں:

گیارہ میں پانچ صوبوں میں مسلم اکثریت کی حکومتیں قائم ہوں گی۔جو تمام داخلی معاملات،قانون سازی' نظام تعلیم' اقتصادی نظام کے قیام' معاشرتی اور تمدنی مسائل میں پوری طرح با اختیار ہوں گی۔کیا مسلمانوں کے مفاد اور مصالح کے لحاظ سے مفید نہیں ہے۔یہ مصلحتیں ومفادات ان اغراض سے بہت زیادہ اہم ہیں جن کی بناء پر استعانت بالمشرکین کی اجازت دی گئی۔اس لئے ہندوستان کی آزادی کیلئے غیر مسلم جماعتوں اور قوموں سے اشتراک عمل کرنا نہ صرف جائز بلکہ ضروری ہے۔

''جمعیۃ علماء مراد آباد نے ۲۳/۲۴/۲۵/اپریل ۱۹۴۲ء کو قصبہ بچھراؤں میں ایک کانفرنس

منعقد کی۔حضرت شیخ مدنی سے کانفرنس میں شرکت کی منظوری حاصل کرلی۔حضرت شیخ نے کانفرنس میں شرکت کی اور تقریر کی۔کانفرنس کے بعد حضرت مدنی کی گرفتاری کے لئے وارنٹ جاری کردیا گیا۔دیوبند میں گرفتار کرنا خطرناک تھا۔۲۴ر جون ۱۹۴۵ء کی شب میں جب حضرت پنجاب کی ایک اتحاد کانفرنس میں شرکت کے لئے تشریف لے جارہے تھے، تقریباً دو بجے شب میں سہارنپور اور دیوبند کے درمیان ٹلہری اسٹیشن پر سب انسپکٹر پولیس حضرت مدنیؒ کے ڈبہ میں آیا اور گرفتاری کا وارنٹ پیش کردیا۔حضرت مدنی صبح مرادآباد جیل بھیج دیئے گئے۔پھر وہاں سے نینی تال جیل منتقل کردیئے گئے۔مولانا سید محمد شاہد فاخری خلف حضرت مولانا محمد فاخر الہ آبادی سجادہ نشین دائرہ حضرت اجمل الہ آبادی، مولانا عبدالحئی‘ عبدالمجید صاحب‘ مولانا عبدالقیوم لکھنوی‘ مولانا عبدالباری عباسی گورکھپوری وہاں موجود تھے۔یہ حضرات یکے بعد دیگرے رہا ہوتے رہے۔“(۱۸)

۵ر دسمبر ۱۹۵۷ء کو وصال فرمایا۔

(۱۲) مولانا احمد سعید دہلوی

مولانا احمد سعید کے والد کا نام حافظ نواب مرزا تھا۔جو زینت المساجد میں امام تھے اور مکتب میں بھی پڑھاتے تھے۔مولانا سعید کی پیدائش دہلی میں ہوئی۔ابتداء میں قرآن شریف حفظ کیا۔اور ٹمیا محل کے مدرسہ میں قرآن پاک حفظ مکمل کیا۔۱۳۲۸ھ/۱۹۰۰ء میں مدرسہ امینیہ میں داخل ہوئے اور ۱۳۳۶ھ میں فارغ التحصیل ہوئے۔۲۲ر برس کی عمر ہوگئی کہ ۱۹۱۰ء میں مفتی کفایت اللہؒ کی نظران پر پڑی اور انہوں نے اپنی نگرانی میں مزید تعلیم وتربیت کا سلسلہ شروع کیا۔اور اس طرح صاحب صلاحیت اور جید عالم دین اور فارغ التحصیل ہوئے۔

مولانا نے جمعیۃ علماء کے قیام اور اس کی ترقی میں بھرپور حصہ لیا۔۱۹۱۹ء سے ۱۹۴۰ء تک مسلسل ناظم عمومی رہے۔ملک کی آزادی میں سرگرم حصہ لیا۔اور پہلی بار گرفتار ہوکر جیل گئے۔اور اس کے بعد متعدد بار گرفتا رہوئے اور جیل میں رہے۔وہ اپنی زندگی میں آٹھ بار جیل گئے۔اور زندگی کے پندرہ برس جیل میں گذارے۔ زیادہ تر ملتان گجرات اور میاں والی کے جیلوں میں رہے۔

”جمعیۃ علماء کے قیام کے بعد ملک میں سیاسی تحریکات نے زور پکڑا۔رولٹ بل کے خلاف تحریک

(۱۸) اسیران مالٹا۔ص۔۲۹۷ تحریک آزادی اور مسلمان۔ص۔۱۵۵، الجمعیۃ جمعیۃ علماء نمبر۔ص۔۴۳۲

خلافت کے واسطہ سے بہت شور وغوغا ہوا۔مسلمانوں نے جمعیۃ علماء ہند کی قیادت میں تحریک آزادی میں حصہ لیا۔ہندوستان کا اتحاد اس وقت عروج پر تھا۔جمعیۃ علماء ہند کے پلیٹ فارم سے عوام بے دھڑک جیل جارہے تھے۔مولانا احمد سعید ان تحریکات کے سلسلہ میں اکتوبر ۱۹۲۱ء میں گرفتار ہوکر میاں والی جیل میں رہے۔ایک سال قید بامشقت کی سزا ہوئی تھی‘ ۲۸ر ستمبر ۱۹۲۲ء کو رہائی ہوئی۔۱۹۳۰ء کی تحریک میں اور پھر ۱۹۳۲ء کی تحریک میں حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ کے ساتھ گجرات جیل میں اور پھر ملتان جیل میں رہے۔“(۱۹)

۴ر ستمبر ۱۹۵۹ء میں انتقال ہوا۔

(۱۳) مجاہد ملت مولانا حفظ الرحمان سیوہاروی

مولانا حفظ الرحمان ۱۳۱۸ھ/۱۹۰۰ء میں پیدا ہوئے۔آپ کا اصلی نام معزالدین تھا،حفظ الرحمان تاریخی نام تھا۔وطن سیوہارہ ضلع بجنور تھا۔آپ کے والد ماجد کا نام مولوی شمس الدین صدیقی تھا۔ابتدائی تعلیم مدرسہ شاہی مرادآباد میں حاصل کی‘ پھر مدرسہ فیض عام سیوہارہ میں آپ کو داخل کردیا گیا۔پھر دارالعلوم دیوبند میں داخلہ لیا۔اور حضرت علامہ کشمیری‘ حضرت علامہ شبیر احمد عثمانی‘ حضرت میاں صاحب‘ اور مفتی عزیز الرحمان عثمانی سے استفادہ کیا۔مولانا ایک جید عالم اور سیاسی رہنما تھے۔

”۱۹۱۹ء میں جمعیۃ علماء ہند کی تشکیل اور مولانا حفظ الرحمان کی قومی اور ملی سرگریوں کا آغاز تقریباً ساتھ ہوا۔ایک طرح سے مولانا حفظ الرحمان کی جمعیۃ سے وابستگی نے ان میں ایک نئی قوت عمل پھونکی ،اور جوں جوں وقت گذرتا گیا،مولانا کی اس تنظیم سے وابستگی بڑھتی گئی۔ مارچ ۱۹۴۲ء میں اجلاس لاہور میں مولانا کو جمعیۃ علماء ہند کا ناظم بنادیا گیا۔مولانا نے اپنے نظامت میں تحریک آزادی کے لئے جمعیۃ علماء ہند کو مزید متحرک وفعال بنادیا۔مولانا اس وقت جمعیۃ علماء ہند کے ناظم بنائے گئے جب ۱۹۴۲ء میں بھارت چھوڑو تحریک زوروں پر تھی۔اس تحریک میں مولانا نے سرگرمی سے حصہ لیا۔اور اس تحریک میں حصہ لینے کی وجہ سے مولانا کو گرفتار کرلیا گیا۔دوسال تک جیل میں رہے۔۱۴ر جولائی ۱۹۴۴ء کو بریلی جیل سے رہا

(۱۹) الجمعیۃ جمعیۃ علماء نمبر۔ص۔۴۶۳

ہوئے۔اور ملک وملت کی خدمت میں منہمک ہو گئے۔ یہاں تک کہ ملک کو آزاد کرالیا۔

مولانا کے دورنظامت میں جمعیۃ علماء ہند نے ملک وملت کے لئے اہم خدمات انجام دیئے۔اسی خدمات کی وجہ سی ''مجاہدملت'' کے لقب سے پکارے گئے۔مولانا نے فرمایا:''یہ دیش ہمارا ہے۔ یہ ملک ہمارا ہے۔اس کے ذرہ ذرہ سے ہم کومحبت ہے۔اس وجہ سے محبت ہے کہ وطن کی محبت ہمارا مذہبی فریضہ ہے، میرا مذہب مجھے بتاتا ہے کہ وطن کی محبت ایمان کا جزو ہے۔''(۲۰)

۲رراگست ۱۹۶۲ء میں انتقال ہوا۔

(۱۴) مولانا عبدالحلیم صدیقی

مولانا عبدالحلیم ملیح آباد کے رہنے والے تھے۔لکھنو میں تعلیم پائی۔آخری تعلیم ندوۃ العلماء لکھنو میں حاصل کرنے کے بعد اسی ادارہ میں درس دینے لگے۔

مولانا ایک صاحب صلاحیت اور جید عالم تھے۔عربی زبان پر گہری نظر کی وجہ سے بڑی قدرومنزلت کی نگاہ سے دیکھے جاتے تھے۔

مولانا عبدالحلیم صدیقی نے ۱۹۳۰ء میں تحریک آزادی میں شریک ہوئے۔ ندوۃ العلماء لکھنو سے مدرسی سے استعفیٰ دیدیا۔تحریک آزادی میں حصہ لینے کی وجہ سے جیل گئے۔

آپ نے جمعیۃ علماء کے ناظم کی حیثیت سے ملک وملت کا کام انجام دیا، جب مولانا احمد سعید دہلوی جیل گئے تو انہوں نے ان کی موجودگی میں جمعیۃ علماء ہند کی ذمہ داریاں نہایت ہی خوش اسلوبی کے ساتھ نبھائی۔اور جمعیۃ علماء ہند کا نام روشن کیا۔

''جمعیۃ علماء ہند نے ۱۹۲۶ء میں عالم اسلام کی موتمر مکہ میں شرکت کے لئے جو وفد بھیجا، اس میں مولانا عبدالحلیم صدیقی اس وفد کے صدر حضرت مفتی کفایت اللہ کے پرائیویٹ سکریٹری کی حیثیت سے گئے تھے۔اس موقع پر ہندوستان کے جو علماء اکابر موتمر میں شریک ہوئے ان میں چند نام یہ تھے۔علی برادران، مولانا سید سلیمان ندوی، مولانا ثناراحمد امرتسری، مولانا عبدالواحد غزنوی، مفتی کفایت اللہ، مولانا احمد سعید، مولانا شبیر احمد عثمانی وغیرہ۔

موتمر کی کاروائیاں ختم ہوگئیں۔ اور لوگ مدینہ منورہ جانے لگے تو جلالۃ الملک سے آخری ملاقات کے لئے گئے۔اس ملاقات میں جلالۃ الملک نے مولانا عبدالحلیم سے فرمایا''آپ یہاں حجاز میں رہیں، میرے کاموں میں میرا ہاتھ بٹائیں، جو ذمہ داری آپ پسند کریں گے وہ

(۲۰) الجمعیۃ جمعیۃ علماء نمبر۔ص۔ ۴۷۳

میں آپ کو دیدونگا۔

مولانا عبدالحلیم صاحب نے جواب میں فرمایا:

''اس سے بڑھ کر میری خوش نصیبی اور کیا ہوگی کہ حرم میں میرا قیام ہو اور مجھے طواف کعبہ کی سعادت سے بہرہ اندوز ہونے کا موقع ملے۔مگر چونکہ ہندوستان کو ہم انگریزوں سے آزاد کرانے کا تہیہ کر چکے ہیں۔اس لئے یہاں رہ کر ہمارا دل ودماغ ہندوستان میں لگا رہے گا۔اس کے مقابلہ میں مجھے زیادہ پسند ہے کہ ہم ہندوستان جا کر وہاں کی آزادی کی جدوجہد کو آگے بڑھائیں۔اور ہمارا دل ودماغ حرمین سے وابستہ رہے۔''(۲۱)

۳۱رجنوری ۱۹۶۹ء میں انتقال ہوا۔

(۱۵) مولانا خلیل احمد امبیٹھوی

مولانا خلیل احمد کی ولایت ۱۲۶۹ھ/۱۸۵۱ء میں ہوئی، آپ کا وطن امبیٹھہ ضلع سہارنپور تھا۔نانوتہ نانیہال تھی، ابتدائی تعلیم نانوتہ اور امبیٹھوی میں حاصل کی، ۱۲۸۵ھ/ ۱۸۶۸ء میں دارالعلوم دیوبند میں داخلہ لیا۔ چھ ماہ بعد مظاہر العلوم سہارنپور چلے گئے۔ وہاں سے ۱۲۸۸ھ/۱۸۷۱ء میں فارغ ہوئے۔ ۱۲۸۹ھ/ ۱۸۷۲ء میں دیوبند آئے اور فنون کی تکمیل کی۔ آپ نے تحریک آزادی میں خوب حصہ لیا۔اور ریشمی خطوط سازش کے سلسلہ میں گرفتار کئے گئے۔ چنانچہ ریشمی خطوط ڈائرکٹری (جو انگریزوں کی تیار کردہ ہے) میں آپ کے سلسلہ میں یہ تفصیل درج ہے۔

''ایک بہت معزز محترم مولوی جس کے مریدوں کی تعداد ہندوستان بھر میں بہت زیادہ ہے۔ موضع امبیٹھوی ضلع سہارنپور کا رہنے والا ہے۔اور مولوی محمد میاں عرف مولوی منصور کا قریبی رشتہ دار ہے۔ ہندوستانی علماء میں شاید یہ واحد شخص ہے جو مولانا محمود الحسن کے ہجرت کے سوال پر متفق تھا۔ایس ایس جہاز کے ذریعہ عرب گیا۔ستمبر ۱۹۱۵ء کے شروع میں وہاں پر قیام کے دوران یہ مولانا محمود الحسن کی سیاسی سازش میں شامل ہوگیا۔ اور غالب پاشا کے معاملہ میں بھی شامل رہا۔ یہ بھی یقین کیا جاتا ہے کہ مکہ کے دھرم پور رباط میں جہاد سے متعلق

(۲۱) الجمعیۃ جمعیۃ علماء نمبر۔ص۔۴۶۹

مذاکرات میں شامل ہوا کرتا تھا۔ جب انور پاشا اور جمال پاشا ترک افواج کی کامیابی کے لئے دعا کرنے مدینہ آئے، تو مولوی خلیل احمد بھی ان کے ساتھ شامل ہوگیا۔ پاشاؤں نے اس کو نذر پیش کی ۔ ۸/ستمبر ۱۹۱۶ء کو ایس ایس اکبر نامی جہاز کے ذریعہ ہندوستان واپس ہوا ۔بمبئی میں اترتے ہی گرفتار کرلیا گیا۔" (۲۲)

۱۳۴۶ھ/ ۱۹۷۲ء میں مدینہ منورہ میں وفات پائی اور وہیں مدفون ہوئے۔

(۱۶) مولانا عبدالباری فرنگی محلیؒ

مولانا عبدالباری فرنگی محلی اپنے مکتب فکر کے سربراہ اور مقتدا تھے۔ خلافت تحریک میں آپ گاندھی جی اور علی برادران کے مشیر اعلیٰ تھے۔ "خدام کعبہ" کے نام سے بھی آپ نے ایک جماعت بنائی تھی۔ آپ کی حیات مبارکہ میں فرنگی محل اسلامی تحریکوں اور جماعتوں کا اہم مرکز تھا۔ قیام جمعیۃ علماء ہند کے سنگ بنیاد کی بمقام دہلی آپ نے سربراہی فرمائی تھی۔ اور افتتاحی اجلاس عام بمقام امرتسر کی صدارت بھی آپ نے فرمائی تھی، خلافت اور جمعیۃ علماء ہند دونوں کے لئے آپ جدوجہد اور کوشش فرماتے تھے۔ پورے ملک کے ہندو مسلمان آپ کا احترام کرتے تھے۔ نحیف الجثہ اور کمزور ہونے کے باوجود آپ ہر تحریک میں نہایت استقلال اور پامروی سے حصہ لیتے تھے۔ عالم دین اور مرشد بھی تھے مولانا محمد علی جوہر مولانا شوکت علی آپ کے مرید تھے۔ اور آپ سے تعلق کے بعد ہی یہ دونوں حضرات باقاعدہ مولانا بنے تھے۔ حضرت مولانا عبدالباری صاحب اور آپ کے رفقاء کرام جناب مولانا سلامت اللہ صاحب فرنگی محلی جناب مولانا سید فاخر صاحب الہ آبادی، مولانا نثار احمد صاحب کانپور مولانا عبدالماجد صاحب بدایونی اور دوسرے حضرت نے جمعیۃ علماء ہند کے پلیٹ فارم پر قربانیاں بھی دی ہیں یہ سب حضرات جمعیۃ علماء ہند کے سالانہ اجلاس عام مجلس عاملہ اور دوسرے متعلقہ جلسوں میں برابر شریک ہوتے تھے۔ اپنے اپنے مکتب فکر کے نظریات وخیالات کو پس پشت ڈال کر سب حضرات

(۲۲) ریشمی خطوط ڈائریکٹری۔ ص۔ ۵۱

مولانا عبدالباری کی رہنمائی میں جمعیۃ علماء ہند کے پلیٹ فارم پر جمع ہوگئے تھے۔ مولانا سید محمد فاخر الہ آبادی، مولانا نثار احمد کانپوری متعدد بار بار جیل گئے ہیں۔ (۲۳)

(۱۷) مولانا ابوالکلام آزادؔ

مولانا ابوالکلام آزادؔ کی پیدائش ۱۸۸۸ء کو ہوئی۔ ان کے والد کا نام مولانا خیرالدین تھا۔ آپ کے آباء واجداد دہلی کے پنڈت محلہ میں رہتے تھے۔ مولانا نے دینی تعلیم اپنے وقت کے علماء سے حاصل کی۔ وہ ایک جید عالم تھے۔

مولانا آزادؔ نے تحریک آزادی میں خوب حصہ لیا۔ آپ نے آزادی کی تحریک کو تیز کرنے کے لئے ۱۹۱۲ء میں اخبار "الھلال" جاری کیا۔ جس کا لقب ہی صور اسرافیل ہوگیا۔ اس اخبار کے ذریعہ ملک میں آزادی کے جذبات پیدا ہوئے۔ جس کے نتیجہ میں اخبار کی ضبطی، ضمانتوں کی طلبی، نظربندی اور قید وبند کی سزا سے مولانا آزادؔ دوچار ہوئے۔ ۱۹۱۹ء میں جب جمعیۃ علماء کا قیام عمل میں آیا۔ تو مولانا جمعیۃ علماء ہند میں شامل ہوگئے۔ اور جمعیۃ علماء کے صف اول کے قائد ہوگئے۔ قیام جمعیۃ علماء ہند کی پہلی افتتاحی میٹنگ امرتسر میں آپ نے صدارت کی۔ پھر اس کے بعد بھی متعدد سالانہ اجلاس کا آپ کو صدر بنایا گیا۔

آپ خلافت کمیٹی کے بھی روح رواں تھے۔ خلافت تحریک کے سلسلہ میں گاندھی جی کے ملک گیر دورے میں جہاں ان کے ساتھ علی برادران ہوتے، مولانا آزادؔ بھی ساتھ ہوا کرتے تھے۔ مولانا آزادؔ آل انڈیا کانگریس میں بھی اہم بنیادی ستون تھے۔ کانگریس کے متعدد بار صدر چنے گئے۔

مولانا آزادؔ ملک کو آزاد کرانے کے لئے ہندو اور مسلمان کے اتحاد کو ضروری سمجھتے تھے۔ اور جمعیۃ علماء کے پلیٹ فارم سے اس پیغام کو انہوں نے عام کیا۔ ہندو اور مسلم اتحاد کے لئے انہوں نے دونوں قوموں سے اپیل کی۔ لیکن انہوں نے مسلمانوں پر خصوصی فرض عائد کیا کہ وہ اتحاد کو آگے بڑھائیں۔ اور جنگ آزادی میں قائدانہ کردار ادا کریں۔ مولانا آزادؔ برطانوی حکومت کی غلامی سے ہندوستان کی نجات دلانے کے لئے ہر ممکن قربانی دینے کے لئے تیار تھے۔

(۲۳) الجمعیۃ جمعیۃ علماء نمبر۔ ص۔ ۴۸۱

راشٹریہ اندولن کے وقت میں مولانا کی تقریر نے بڑا زبردست اثر ڈالا۔ ڈاکٹر راجندر پرشاد کے الفاظ میں ''انہوں نے اپنی تقریروں سے ملک میں بیداری کی ایسی لہر دوڑادی کہ ہر چہار جانب سے آزادی کا طوفان امنڈ آیا۔ سرکار اس کو برداشت نہیں کرسکی۔ اور جولائی ۱۹۲۱ء میں کلکتہ میں تقریروں کی بنیاد پر باغی ہونے کا الزام لگا کر مولانا آزادؔ کو گرفتار کرلیا گیا۔ وہ جیل کے اندر بھی ملک کی آزادی کے لئے کام کرتے رہے۔

جواہر لال نہرو لکھتے ہیں: کانگریس میں ورکنگ کمیٹیوں میں مجھے ان کو بغور مطالعہ کرنے کا موقع ملا۔ اور بالخصوص پچھلے دس برس سے تو مجھے ان سے بہت گہرا تعلق رہا۔ اگر ہمارے ایام قید وبند اور میری ہندوستان سے غیر حاضری کے دنوں کو اس میں سے مستثنیٰ کردیا جائے تو کانگریس کے اندر شامل اور اس کی عظیم الشان تجویزوں اور اہم فیصلوں میں مجھے ان کی حصول رفاقت کی عزت حاصل رہی۔

کانگریس کی تاریخ میں اور اکابرین ہندوستان کی تاریخ میں بہت کم لوگ اس حقیقت سے آشنا ہیں کہ کانگریس کی تجاویز اور عزائم کی تراش وخراش اور وضع وقطع میں ان کا زبردست ہاتھ کس طرح مصروف کار رہا ہے۔ قطع نظر اس کے وہ پریزیڈنٹ ہوں یا ورکنگ کمیٹی کے ایک عام ممبر، ان کے آزاد مشورے غیر معمولی طور پر وقیع سمجھے جاتے تھے۔ کیونکہ ان کی رائے اور مشوروں کے پس پردہ دانش، تدبر اور فہم وفراست کی غیر معمولی پختگی اور گھلاوٹ روز بروز نمایاں ہوتی جاتی تھی۔

مزید تحریر کرتے ہیں۔ ''بڑے آدمی پیدا ہوتے آئے ہیں اور پیدا ہوتے رہیں گے۔ لیکن مولانا جس خاص نوعیت کے مالک تھے وہ بھارت یا کسی اور جگہ نظر نہ آسکیں گے۔ مولانا آزادؔ نے اسلام کی بڑی خدمت کی۔ جب کہ انہوں نے کہا کہ اسلامی ممالک ایمپلزم کے نتیجہ سے تبھی بچائے جاسکتے ہیں، جب بھارت آزاد ہوگا۔

تحریک آزادی میں حصہ لینے کی وجہ سے مولانا آزادؔ بہت سی مرتبہ گرفتار ہوئے۔ رانچی جیل اور احمد آباد جیل میں بند رہے۔

غرض مولانا نے تحریک آزادی میں جم کر حصہ لیا۔ اور اپنی صلاحیت کا لوہا سبھوں سے منواتے

رہے۔ اور اپنی خدمت کے ذریعہ ملک کی آزادی کے لئے قربانی پیش کرتے رہے۔

مولانا آزادؔ کا نام مسلم مجاہدین آزادیؔ میں سبھوں کی زبان پر رہتا ہے۔ اور سبھی ان کے خدمات کے معترف ہیں۔

ہندوستان کی حکومت جمہوریت اور سیکولرزم کی بنیاد پر قائم ہوئی۔ یہ مولانا آزادؔ کا عظیم کارنامہ ہے۔ براعظم ایشیا میں ہندوستان کو نمایاں مقام دلانے کے لئے مولانا نے جو خدمات انجام دی ہیں وہ اپنی جگہ یادگار ہے۔ یہی وجہ ہے کہ گاندھی جی آپ کے مشوروں اور پنڈت جواہر لال نہرو آپ کے ہدایات کا انتظار کرتے تھے۔ (۲۴)

(۱۸) مولانا آزاد سبحانی

مولانا آزاد سبحانی کا پورا نام عبد القادر آزاد سبحانی تھا۔ سکندر پور ضلع بلیا کے رہنے والے تھے۔ پوری زندگی کانپور میں گذاری۔ مدرسہ جامعۃ العلوم کانپور کے مدرس تھے۔ اور زبردست خطیب ومقرر تھے۔ مشاہیر علماء میں آپ کا شمار تھا۔ کانپور کی مسجد جب ۱۹۱۳ھ میں انگریزوں نے شہید کیا۔ اس وقت آپ نے جرأت وبہادری کا مظاہرہ کیا۔ اور انگریزوں کے خلاف میدان میں آئے۔ پھر انگریزی حکومت کے خلاف سخت تقریریں کیں اور گرفتار کرکے جیل بھیج دیئے گئے۔ پھر آپ تحریک آزادی کے سلسلہ میں بہت مشہور ہوئے اور پورے ملک میں جانے پہچانے جانے لگے۔ مجاہدین آزادی میں نمایاں مقام رکھتے تھے۔ ۱۹۱۹ء میں جمعیۃ علماء ہند کا قیام عمل میں آیا، تو اس کی تاسیس میں حصہ لیا۔ جمعیۃ علماء ہند سے منسلک رہے۔ اور ملک وملت کی خدمت کرتے رہے۔ ریشمی رومال کی سازش کیس کی فائل میں آپ کا نام بھی ہے۔ (۲۵)

(۱۹) مولانا ظہور محمد خاں سہارنپوری

مولانا ظہور محمد خاں شہر سہارنپور کے رہنے والے تھے۔ حضرت شیخ الہندؒ کے فدائی تھے۔ تحریک آزادی میں ابتداہی سے شریک تھے۔ مشن کا ممبر بنانے اور مالیات کے فراہم کرنے کی بڑی سرگرمی سے کام کرتے رہے۔ مدرسہ رحمانیہ رڑکی کے صدر مدرس تھے۔ جب تحریک سے تعلق رکھنے والے لوگوں کی گرفتاریاں شروع ہوئیں تو مولانا کو بھی گرفتار کرلیا گیا۔ اور الہ آباد لے جایا گیا۔ وہاں سی آئی ڈی کے دفتر میں ان پر بڑی سختی کی گئی۔

---

(۲۴) الجمعیۃ جمعیۃ علماء نمبر۔ ص۔ ۴۸۱۔ ۴۸۲، ابوالکلام آزاد مختلف صفحات

(۲۵) تحریک آزادی اور مسلمان۔ ص۔ ۱۵۷، الجمعیت جمعیۃ علماء نمبر۔ ص۔ ۴۲۱

مگرانہوں نے زبان نہیں کھولی' اور گونگے بہرے بنے رہے۔تنگ آ کر پولیس نے چھوڑ دیا۔تحریک خلافت کے زمانہ میں سفر آخرت اختیار کیا۔(۲۶)

(۲۰) مولانا ابوالحسن تاج

مولانا ابوالحسن تاج محمد موضع امروہٹ ضلع سکھر کے باشندے تھے۔سکھر کے اطراف وجوانب میں انکا بڑا اثر ورسوخ تھا۔ ہزاروں بلکہ لاکھوں مسلمان متوسل اور مرید تھے۔شیخ الہندؒ سے ملاقات کے لئے امروہہ گئے۔آپ نے ان کو اپنے مشن میں شریک کیا۔سندھ کے ضلعوں میں سکھر شیخ الہندؒ کی تحریک کا مرکز بن گیا۔گورنمنٹ نے شبہ کی بنیاد پر آپ کو گرفتار کیا۔مگر بعد میں چھوڑ دیا۔تحریک خلافت میں شروع سے آخر تک بڑے جوش وخروش کے ساتھ شریک رہے۔تحریک خلافت ہی کے ایام میں انتقال کیا۔(۲۷)

(۲۱) مولانا محمد مبین دیوبندی

مولانا محمد مبین قصبہ دیوبند سہارنپور کے باشندے اور عیدگاہ قدیم کے امام اور مدرسہ چھاؤنی انبالہ میں تدریسی خدمات انجام دیتے تھے۔شیخ الہند سے وابستہ تھے،تحریک آزادی کے ممبر تھے۔امدادی فنڈ اکٹھا کرنے کے سلسلے میں برما ورنگون کے کئی سفر کئے۔اور پوری راز داری کے ساتھ اس خدمت کو انجام دیتے رہے۔گرفتاری کے بعد پولیس نے آپ کو بڑی سختی کی۔مگر آپ پوری ہمت اور استقلال کے ساتھ جواب دیتے رہے اور مرعوب نہ ہوئے۔(۲۸)

(۲۲) مولانا شاہ عبدالرحیم رائپوری

مولانا عبدالرحیم رائپوری قصبہ رائپور ضلع سہارنپور کے باشندے تھے۔مولانا رشید احمد گنگوہی کے خلیفہ تھے۔دارالعلوم دیوبند کی مجلس کے ممبر اور شیخ الہندؒ کے معتمد دوست تھے۔جنگ عظیم کے شروع ہوجانے کے بعد جب شیخ الہندؒ حجاز جانے لگے۔تو اہم امور کے سلسلہ میں ان کو اپنا قائم مقام بنا گئے۔تمام کارکنوں کو ہدایت اور تاکید تھی کہ ان کے مشورے کے بغیر کوئی قدم نہ اٹھایا جائے۔جزوی امور مولانا احمد اللہ پانی پتی انجام دیتے رہیں

(۲۶) تحریک آزادی اور مسلمان۔ص۔۱۵۹ (۲۷) تحریک آزادی اور مسلمان۔ص۔۱۶۰
(۲۸) تحریک آزادی اور مسلمان۔ص۔۱۶۵

گے۔حضرت رائپوری دلسوزی' استقلال اور عالی ہمتی کے ساتھ تحریک کے متعلق سارے امور انجام دیتے رہے۔تحریک کی ناکامی کے بعد پولیس رائے پور پہنچی۔آپ بستر علالت پر تھے۔سی آئی ڈی نے تحریک کے متعلق استفسار کیا۔آپ نے تمام کی تردید کی۔پولیس ناکام واپس آئی۔۔پھر آپ کا انتقال ہوگیا۔(۲۹)

(۲۳) مولانا احمد اللہ چکوالی

مولانا محمد احمد اللہ چکوال (پنجاب) کے رہنے والے تھے۔دارالعلوم دیوبند کے فاضل شیخ الہندؒ کے شاگرد اور مولانا عبیداللہ سندھی کے مخصوص دوستوں میں تھے۔مولانا سندھی ہی کی وجہ سے تحریک آزادی اور شیخ الہندؒ کے مشن میں سرگرمی سے حصہ لیا۔اس تحریک کا برانچ جو پنجاب میں تھا۔مولانا موصوف اس کے صدر تھے۔بڑی مستقل مزاجی سے تحریک میں شریک رہے۔اور ہزاروں کو مشن کا ممبر بنایا۔دیوبند بار بار آنا جانا لگا رہا۔ان کو بھی گرفتار کیا گیا اور جیل بھیجدیا گیا۔ابتداء میں کوئی الزام ثابت نہیں ہوسکا۔مگر جب کاغذات گورنمنٹ کے ہاتھ آ گئے تو اقبال جرم کرلیا۔(۳۰)

(۲۴) مولانا سلامت اللہ فرنگی محلی لکھنوی

مولانا سلامت اللہ بن مولانا شرافت اللہ بن ملا کرامت اللہ صاحب کا سال ولادت تقریباً ۱۳۰۲ھ ہے۔۱۸۸۴ء آپ نے ابتداء میں انگریزی تعلیم ایف اے تک حاصل کی۔پھر علوم عربیہ کی تعلیم کی طرف متوجہ ہوئے۔اور اپنے ہی خاندان کے علماء سے مختلف علوم وفنون کی تعلیم حاصل کی۔حدیث کی تکمیل مولانا عبدالباری سے کی۔فراغت کے بعد مدرسہ نظامیہ میں درس وتدریس کا مشغلہ اختیار کیا۔مولانا کو ہمیشہ قومی وملی مسائل سے دلچسپی رہی۔جب اٹلی اور طرابلس میں جنگ شروع ہوئی تو آپ نے ترکی مجروحین کے لئے چندہ فراہم کیا،اور جنگ بلقان میں تقریباً سیتالیس ہزار روپے جمع کر کے بھیجے۔جب ترک موالات کی تحریک شروع ہوئی،تو مولانا کو صوبہ خلافت کمیٹی کا صدر بنایا گیا۔اور تقریباً تین سال تک پرجوش طریقہ پر قومی خدمت انجام دیتے رہے۔اسی سلسلہ میں ۹ر دسمبر ۱۹۲۱ء کو گورنمنٹ نے زیر دفعہ ۱۷ الف قانون ترمیم فوجداری میں آپ کو اور مولانا شوکت علی' چودھری خلیق الزماں' حکیم عبدالباری اور پنڈت جواہر لال نہرو وغیرہ کو گرفتار کرلیا۔ایک سال قید اور دوسو روپے جرمانہ کی سزاء ہوئی۔لیکن گورنمنٹ کے حکم سے تین مہینہ کے بعد ہی رہائی ہوگئی۔سیاسی معاملات میں

(۲۹) تحریک آزادی اور مسلمان۔ص۔۱۶۴ (۳۰) تحریک آزادی اور مسلمان۔ص۔۱۶۴

آپ ہمیشہ حضرت مولانا عبدالباری فرنگی محلی کے رفیق کار رہے۔

علمی اعتبار سے آپ کا مقام بلند تھا۔آپ نے علم الفرائض میں فرائض غوثیہ تصنیف فرمائی۔شرح عقائد پر آپ کا حاشیہ ہے۔(۳۱)

(۲۵) مولانا غلام محمد بھاولپوری

مولانا ابوالسراج غلام محمد دین پوری موضع دین پور علاقہ خان پور ریاست بھاولپور کے باشندے تھے۔انہیں کی وجہ سے دین پور بھی تحریک شیخ الہندؒ کا مرکز بن گیا تھا۔اس کے صدر مولانا موصوف تھے۔ آپ کے صاحبزادے اور دوسرے خدام مشن کے ممبر تھے۔مولانا عبیداللہ سندھی نے ان کو تحریک میں شریک کیا۔دین پور میں انقلاب کی پوری تیاریاں شروع کرلی گئیں کہ ایک دن فوج کا ایک بڑا دستہ خان پور ریلوے اسٹیشن پر اترا۔وہاں کے لوگوں نے فوراً دین پور پہنچ کر مرکز میں فوج کی آمد کی خبر دی۔رات میں تمام سامان رائفلیں' بندوقیں اور کارتوس دوسری جگہ منتقل کردیئے گئے۔صبح کو جب انگریزی فوج دین پور پہنچی تو اس کو تفتیش میں کوئی چیز نہ ملی۔ ریشمی خطوط جو بچوں کے کھلونے کے ڈبے میں رکھا ہوا تھا وہیں طاق پر تھا۔انگریز افسر نے ڈبہ اٹھا کر دیکھا مگر کھلونے کو دیکھ کر پھر رکھدیا۔کوئی مشتبہ چیز نہ ملی۔فوج کی آمد کی خبر پورے علاقہ میں پھیل گئی۔اور ہزاروں کا اجتماع ہوگیا۔ اس لئے فوج کے افسر نے دین پور میں مولانا موصوف کو گرفتار نہیں کیا۔ان سے کہا گیا کہ ہمارا بڑا افسر خان پور میں ہے۔آپ اس سے بات کرلینا۔اس طرح مولانا کو خان پور لایا گیا۔ پھر وہاں سے بھاولپور' وہاں سے پنجاب لے جا کر جالندھر جیل میں ڈال دیا۔ان کی گرفتاری سے عوام میں ہیجان تھا' اور کچھ بھی ہوسکتا تھا۔اس لئے کچھ دنوں کے بعد ثبوت نہ ملنے کی وجہ سے رہا کردیا گیا اور آپ دین پور واپس آئے۔(۳۲)

(۲۶) مولانا عبدالرحیم پوپلزئی

مولانا عبدالرحیم کے والد کا نام عبدالحکیم تھا۔آپ کا تعلق پشاور کے ایک علمی خاندان سے تھا۔ابتدائی تعلیم اپنے والد سے پڑھی، تکمیل کے لئے پشاور سے سفر کیا۔رام پور اور دہلی کی تعلیم گاہوں سے فیض حاصل کیا۔ ۱۹۱۰ء کے بعد دارالعلوم دیوبند پہنچے۔وہاں حضرت شیخ الہندؒ سے تلمذ اور صحبت حاصل ہوا۔

---

(۳۱) الجمعیۃ جمعیۃ علماء نمبر۔ص۔ ۴۱۴ (۳۲) تحریک آزادی اور مسلمان۔ص۔ ۱۲۰

اور حضرت شیخ الہندؒ کی تحریک میں شامل رہے۔

تعلیم سے فراغت کے بعد پشاور کی مشہور مسجد قاسم علی خاں میں سلسلہ درس شروع کیا۔تھوڑی ہی مدت میں اطراف وجوانب سے بکثرت طلبہ درس میں شرکت کے لئے آنے لگے۔

حضرت شیخ الہندؒ کی خدمت میں رہ کر فکر ولی اللٰہی سے واقف اور رفتہ رفتہ گہرا ربط وتعلق پیدا ہوا۔

شیخ الہندؒ کے تعلق کی بنا پر تحریک خلافت سے بھی وابستگی تھی، اور فکر ولی اللٰہی سے مناسبت کی وجہ سے مولانا سندھی سے بھی خاصے مراسم تھے۔تحریک ولی اللٰہی کے علمی وفکری پہلوؤں سے گو دونوں متفق تھے۔ لیکن عملی طریقہ کار میں دونوں کے مابین خاصا اختلاف بھی تھا۔(۳۳)

(۲۷) مولانا محمد اکبر یاغستانی

مولانا محمد اکبر یاغستان کے باشندے اور دارالعلوم دیوبند کے فاضل تھے۔حضرت شیخ الہندؒ سے انہیں شرف تلمذ حاصل رہا۔صلاحیت اور استعداد علمی بہت اچھی تھی۔حضرت شیخ الہند سے کتب حدیث کے تکمیل کے بعد جنوبی افریقہ چلے گئے۔ جہاں علمی خدمات اور امامت کے فرائض انجام دیئے۔ چند سال وہاں رہ کر اپنے وطن واپس آگئے۔حضرت شیخ الہند نے ان کو جہاد میں شرکت اور دوسروں کو آمادہ کرنے لئے حکم دیا۔یاغستان قبائل میں آپس میں بے انتہا اختلاف اور پشت در پشت کی عداوتیں اور لڑائیاں چلی آرہی تھی۔آپ کی مساعی سے ان میں بڑی حد تک کمی ہوئی اور کسی حد تک اتفاق واتحاد کی فضاء پیدا ہوگئی، جو جہاد کے لئے معاون ثابت ہوئی۔(۳۴)

مولانا کی کوشش سے یاغستان میں مختلف گروہوں کے اختلاف تھے' ختم ہوگئے۔اور اتحاد واتفاق کی فضاء بن گئی اور پورا یاغستان متحدہ طور پر انگریزوں سے جہاد کے لئے میدان میں نکل آیا۔(۳۵)

(۲۸) مولانا عبدالجلیل شہید

مولانا عبدالجلیل شہید خلف مولانا ریاض الدین (شارح قصیدہ بردہ) حضرت مولانا شاہ اسحٰق دہلوی کے شاگرد رشید اور جامع مسجد علی گڑھ کے امام تھے۔اور وہیں آپ کا حلقہ درس بھی قائم تھا۔نہایت متقی' پاکباز اور باخدا

---

(۳۳) رسالہ الرحیم جون۔ ۶۳۔ص۔ ۳۶۔ ۳۴ (۳۴) نقش حیات۔جلد دوم۔ص۔ ۱۹۸
(۳۵) تحریک آزادی اور مسلمان۔ص۔ ۱۶۳

بزرگ تھے۔شہر کے آدمی آپ سے گہری عقیدت رکھتے تھے۔عوام کے رجحان سے متاثر ہو کر دنیادار انگریز بھی آپ سے ملاقات کرنے آتے تھے۔ مگر آپ ان کو بہت ہی کم ملاقات کی اجازت دیتے تھے۔

آپ کے پوتے قاضی محمد سفیان صاحب قاضی شہر علی گڑھ کا بیان ہے کہ علی گڑھ انگریزوں سے خالی ہوا تو زمام قیادت آپ کے حوالہ کی گئی۔تقریباً دو ماہ تک شہر کا نظم ونسق آپ نے سنبھالے رکھا۔ جولائی یا اگست میں انگریز تازہ دم فوجیں لے کر آگرہ کی جانب سے علی گڑھ پر حملہ آور ہوئے۔تو مولانا اپنے ساتھیوں کے ساتھ مقابلہ کے لئے سینہ سپر ہو گئے۔

منڈراک کی سڑک پر انگریزی فوجوں سے تصادم ہوا۔مقابل تازہ دم اور تمام سامان سے مسلح تھا۔اس کی فوج باضابطہ قواعد دان تھی اور اس طرف جوش آزادی، دلیری اور قربانی کا جذبہ تھا۔جس نے آپ کو میدان جنگ میں ثابت قدم رکھا۔یہاں تک کہ بہتر (۷۲) ساتھیوں کے ساتھ۔آپ نے اسی میدان میں جام شہادت نوش کیا۔ان بہتر (۷۲) شہداء کو جامع مسجد میں لایا گیا اور وہیں دفن کیا گیا۔مولانا عبدالجلیل شہید ان شہداء کے نیچے دفن کئے گئے۔ان تمام شہداء کے مزارات جامع مسجد کے شمالی دروازہ کے بالکل قریب ہیں۔(۳۶)

(۲۹) مولانا فیض احمد بدایونی

مولانا فیض احمد بن حکیم غلام احمد مولوی محلہ شہر بدایوں میں ۱۸۰۸ء میں پیدا ہوئے۔تین سال کے تھے کہ والد کا انتقال ہو گیا۔آپ کی والدہ نے آپ کی تربیت کی۔مولانا بہت ذکی و ذہین تھے۔ آپ کی تعلیم آپ کے ماموں مولانا فضل رسول سے ہوئی۔علوم وفنون کی تمام کتابیں انہیں سے پڑھیں۔فراغت کے بعد باطنی حصول کیلئے اپنے نانا حضرت مولانا شاہ عبدالمجید کی جانب متوجہ ہوئے اور ان سے بیعت ہوئے۔اور علوم باطنی کی تکمیل کی۔اس کے بعد آپ نے مسند درس کو سنبھالا اور ایک عالم کو سیراب کیا۔

میرٹھ اور دہلی میں انقلاب ہوا، تو اس کا فوری اثر آگرہ پر پڑا۔ یہاں لفٹنٹ گورنر نے ہندوستان اور انگریزی فوج کو جمع کر کے سمجھایا۔جس کا اثر چند دنوں تک رہا۔جون کے مہینہ میں پھر ہنگامہ شروع ہوا۔اور جولائی میں تیزی آ گئی۔ یہاں مجاہدین کی سرپرستی ڈاکٹر وزیر خاں اور مولانا فیض احمد بدایونی نے کی۔ پھر دہلی روانہ

(۳۶) علمائے حق جلد اول۔ص۔۲۲۱،علماء ہند کا شاندار ماضی۔جلد چہارم۔ص۔۳۱۶

ہو گئے۔ڈاکٹر وزیر خاں جنرل بخت خاں کے مشیر خاص کی حیثیت سے کام کرنے لگے اور مولانا فیض احمد صاحب مرزا فضل کے پیشکار مقرر ہوئے۔۱۹ر ستمبر ۱۸۵۷ء کو جب جنرل بخت خاں نے دہلی سے کوچ کیا تو مولانا فیض احمد صاحب اور ڈاکٹر پرویز خاں ان کے ساتھ تھے۔اس وقت لکھنؤ میں معرکۂ کارزار گرم تھا۔مولانا شاہ احمد اللہ صاحب دادِ شجاعت دے رہے تھے، مولانا فیض احمد و ڈاکٹر وزیر خاں لکھنؤ پہنچے اور تمام اہم معرکوں میں شاہ صاحب کے ساتھ رہے۔

سقوط لکھنؤ کے بعد جب اجتماع شاہجہانپور میں ہوا۔اور یہاں چند ماہ تک انگریزوں کے سخت معرکہ ہوتے رہے۔اسی اثنا مولانا فیض احمد صاحب بدایوں پہنچے۔ڈاکٹر وزیر خاں آپ کے ساتھ تھے۔اور شاہزادہ فیروز بھی بدایوں پہنچ چکے تھے۔ بدایوں کے معرکوں میں ان مجاہدین نے حصہ لیا۔ککرالہ کے معرکہ میں قیادت کا فرض انجام دیا۔پھر جب یہاں ناکامی ہوئی تو قصبہ محمدی پہنچے۔ جہاں مولانا احمد اللہ شاہ نے حکومت قائم کی تھی۔یہ دونوں مولانا کی وزارت میں داخل ہوئے۔مولانا احمد اللہ شاہ کی شہادت کے بعد ایسے روپوش ہوئے کہ آپ کے ماموں مولانا فضل الرسول نے آپ کی تلاش میں قسطنطنیہ تک سفر کیا، مگر سراغ نہ مل سکا۔(۳۷)

(۳۰) مولانا فضل ربی پشاوری

مولانا فضل ربی پشاور کے باشندہ اور دارالعلوم کے فارغ التحصیل تھے۔حضرت شیخ الہندؒ کے شرف تلمذ حاصل کیا تھا۔انتہائی جوشیلے اور باہمت بزرگ تھے۔اپنے وطن میں علمی مشاغل میں مصروف تھے۔حضرت شیخ الہندؒ نے حکم دیا کہ یاغستان کے علاقہ میں جا کر وہاں کے لوگوں کو آمادۂ جہاد کریں۔موصوف بڑے اچھے مقرر تھے۔ان کی تبلیغ جہاد کا خاصہ نتیجہ خیز اثر برآمد ہوا۔اور ایک بڑی جمعیت جہاد کے لئے تیار ہو گئی۔حاجی ترنگ زئی صاحب نے جب علم جہاد بلند کیا، تو مولانا موصوف بھی ان کے ساتھ جہاد میں رہے۔شکست کے بعد کابل چلے گئے۔اور اپنی استعداد وصلاحیت کی بناء پر افغانستان کے محکمہ میں ملازم ہو گئے۔(۳۸)

(۳۱) مولانا ابوالوفا ثناء اللہ امرتسری

مولانا ثناء اللہ امرتسری جون ۱۸۶۸ء میں امرتسر میں پیدا ہوئے۔ابتدائی کتابیں مختلف اساتذہ سے پڑھ کر عربی کی تعلیم مولانا احمد اللہ کے پاس شروع کی۔حدیث کی تعلیم مولانا حافظ عبدالمنان وزیرآبادی سے حاصل کر کے ۱۸۸۹ء میں سند لی۔پھر دہلی آکر حضرت مولانا نذیر حسین محدث دہلوی سے اجازت حاصل کی۔پھر حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن سے سند حاصل کی۔آپ نے اخبار اہلحدیث ہفت روزہ ۱۹۰۳ء میں جاری کیا۔جو

(۳۷) علماء ہند کا شاندار ماضی۔جلد چہارم۔ص۔۲۶۱ (۳۸) نقش حیات۔جلد دوم۔ص۔۱۹۸،تحریک آزادی اور مسلمان۔ص۔۱۶۱

۴۴رسال تک امرتسر سے نکلتا رہا۔

تحریک آزادی میں کھل کر حصہ لیا۔ جمعیۃ علماء ہند کے موسسین میں سے تھے۔ جمعیۃ علماء ہند کو آگے بڑھانے میں اہم رول ادا کیا۔ ساتھ ہی جمعیۃ علماء کے پلیٹ فارم سے آزادی کی تحریک میں پیش پیش رہے۔ آپ کے فرزند مولوی عطاء اللہ اگست ۷ ۱۹۴ء کو امرتسر کے فساد میں شہید ہو گئے۔ تو ۱۴راگست کو امرتسر کو چھوڑ کر لاہور پہنچے۔ وہاں سے گوجرانوالہ پھر سرگودھا تشریف لائے۔ اور یہیں زندگی کے بقیہ ایام گذارے۔ (۳۹)

آپ کی وفات مارچ ۱۹۴۸ء کو ہوئی۔

(۳۱) مولانا ابوالسراج غلام محمد بھاولپوری

مولانا ابوالسراج غلام محمد موضع دین پور علاقہ خان پور ریاست بھاولپور کے باشندے اور حضرت حافظ محمد صدیق کے خلیفہ اول تھے۔ اس اطراف میں ان کی بہت شہرت تھی، دین پور بھی تحریک آزادی کا مرکز تھا، جس کے صدر خود مولانا ابوالسراج تھے، آپ کے صاحبزادے اور خدام مشن کے ممبر تھے، حضرت شیخ الہند سے تعلق مولانا عبداللہ سندھی صاحب کے ذریعہ ہوا، اور انہیں کے ذریعہ سے مشن کی تحریک میں شریک ہوئے۔

ریشمی خطوط سے وابستہ تھے، یہ خطوط آپ کے پاس پہنچے تھے، انقلاب کی تیاری کے لئے جملہ سامان جمع کر لئے تھے، اور مزید کوششیں جاری تھیں کہ فوج کی بڑی تعداد اسٹیشن خان پور شام کو پہنچی، وہاں کے مخلصین نے فوراً مرکز میں خبر کر دی، راتوں رات تمام سامان رائفل، کارتوس وغیرہ منتشر کر دیا گیا۔ صبح جب انگریز افسر فوج کے ساتھ دین پور پہنچا اور تفتیش کی تو کوئی چیز موجود نہیں تھی، ریشمی خطوط کو بھی تلاش کیا، وہ ایک ڈبہ میں بچوں کے کھلونوں کے نیچے رکھا ہوا تھا۔ انگریز افسر نے اس ڈبہ کو اٹھایا مگر اوپر کے کھلونوں کو دیکھ کر رکھ دیا، غرض کوئی مشتبہ چیز نہیں پائی گئی۔ خبر ہر جگہ پھیل گئی، ہزاروں آدمی جمع ہو گئے۔ اس لئے پولس ان کو دین پور میں گرفتار نہیں کر سکی۔ آپ کو خان پور بلایا گیا، وہاں گئے، پھر آپ کو بھاولپور بلایا گیا پھر وہاں سے پولس کے افسران پنجاب لے گئے، اور غالباً جالندھر میں نظر بند کر دیا۔ کچھ عرصہ کے بعد ثبوت نہ ملنے کی وجہ سے وہاں سے رہا کر دیئے گئے۔ (۴۰)

---

(۳۹) الجمعیۃ جمعیۃ علماء نمبر۔ص۔ ۴۱۴ (۴۰) نقش حیات جلد دوم ص۔ ۱۹۵ خلاصہ

حصہ دوم

بہار میں علماء کی تحریک آزادی

خصوصی مطالعہ

دسواں باب

بہار پر انگریزوں کا تسلط

سلطان اورنگ زیب عالمگیر تک مغلیہ سلطنت نہایت ہی مضبوط رہی۔غزنی سے لیکر چاٹگام تک اور کشمیر سے لیکر کرناٹک تک پورا ملک ایک ہی بادشاہ کے زیرنگیں تھا۔پروفیسر جدوناتھ سرکار لکھتے ہیں:

’’اورنگ زیب کی تاریخ عملاً ہندوستان کی شصت سالہ تاریخ ہے۔خود اس کا عہد حکومت (۱۶۵۸ تا ۱۷۰۷) سترھویں صدی کے نصف آخر پر حاوی ہے اور ہمارے ملک کا اہم ترین تاریخی زمانہ ہے۔یہ اسی بادشاہ کا ورود مسعود تھا، جب کہ حکومت مغلیہ اپنے انتہائی عروج کو پہنچی اور ابتداء عہد تاریخ سے برطانوی حکومت کے قیام تک کے زمانہ میں شاید یہ واحد حکومت ہے جس نے اتنی وسعت حاصل کی۔

غزنی سے لے کر چاٹگام تک اور کشمیر سے کرناٹک تک تمام ملک ایک ہی بادشاہ کے زیر نگیں تھا، اور لادک و مالابار کے دور ودراز مقامات پر بھی اسی بادشاہ کا خطبہ پڑھا جاتا تھا۔اسلام کی آخری سب سے بڑی ترقی کا یہی زمانہ تھا۔

اس طرح سے جو حکومت قائم ہوئی تھی، ایک سیاسی وحدت تھی۔اس کے مختلف قطعات پر ماتحت حکمرانوں کا تسلط نہ تھا، بلکہ بلاواسطہ بادشاہ کے ماتحت تھے۔اور اس حیثیت سے اورنگ زیب کی ہندوستانی حکومت اشوک، سمدرگپت یا ہرشوردھن کی حکومت سے وسیع تر تھی۔اس وقت تک کسی صوبہ کے گورنر نے سر نہ اٹھایا تھا۔اگرچہ کہیں کہیں علم بغاوت بلند ہوتا تھا لیکن کسی صوبہ میں بھی کوئی شخص ایسا پیدا نہیں ہوا، جو شہنشاہ دہلی کے حکام کی سرتابی کرسکتا۔‘‘(۱)

ڈاکٹر تاراچند نے اپنی کتاب ہسٹری آف دی فریڈم موومنٹ میں اورنگ زیب کی سلطنت کی وسعت

(۱) علمائے ہند کا شاندار ماضی۔جلد۔اول۔ص ۴۶۶

بیان کرتے ہوئے لکھا ہے۔

’’سولہویں صدی کی ابتداء میں بابر نے مغلیہ سلطنت کی بنیاد رکھی اور اس کے باحوصلہ اور طاقتور وارثوں نے اسے بہت وسیع علاقوں تک پھیلا دیا۔یہاں تک کہ اورنگ زیب کے انتقال کے وقت شمال میں اس کی سرحد قراقرم کے پہاڑ اور آکسس دریا سے شروع ہوکر جنوب میں دریائے کاویری تک پہنچتی تھی۔اور مغرب سے مشرق میں اس کی سلطنت ایران سے لیکر برما تک پھیلی ہوئی تھی۔چنانچہ مغلوں نے اپنے پہلے یا بعد کے کسی بھی ایمپائر (سلطنت) سے زیادہ وسیع خطوں پر حکمرانی کی۔اس دور میں دولت وثروت، جاہ وجلال، عظمت وشوکت اور تہذیب وثقافت کے لئے اس وسیع سلطنت کی بڑی شہرت تھی۔اس کی حکومت اور انتظامیہ کا نظام بڑے وسیع علاقوں میں امن وسلامتی قائم کئے ہوئے تھا۔اور اس نے ادب اور فن (آرٹ) کے فروغ کے لئے بے مثال مواقع فراہم کر رکھے تھے۔اس کی کامرانیاں دنیا کی تہذیبی تاریخ کے روشن ابواب کا حصہ ہیں۔لیکن یہ حسین عمارت بہت دنوں تک نہیں ٹھہر سکی۔۱۵۲۶ء سے جب پانی پت میں اس کی بنیاد پڑی ۱۷۳۹ء کے نادر شاہ کے تہلکہ خیز حملے تک ۲۱۳ برس کی مدت ہوتی ہے، صرف اتنی ہی مدت تک یہ سلطنت قائم اور برقرار رہی۔یہ ٹھیک ہے کہ مغلیہ سلطنت کا دور طویل نہیں تھا، مگر ہندوستانی ایمپائرس (سلطنتوں) کی زندگی غیر معمولی طور پر کم رہی ہے۔موریہ سلطنت ڈیڑھ سو سال تک قائم رہی۔گپتا سلطنت قریب دو سو برس چلی۔۔۔۔کچھ محفوظ علاقائی جیسے دکن کی چولا حکومت اور بنگال کی پال حکومت زیادہ دیر تک قائم رہیں۔غالباً اسکی وجہ ان کی محفوظ علاقائی پوزیشن تھی ورنہ زمانہ قدیم اور عہد وسطی دونوں میں ہندوستان کے اندر سلطنتیں (ایمپائرس) عام طور پر مختصر ہی مدت تک قائم رہ سکیں۔۔۔۔ویدک دور سے اٹھارہویں صدی کے اختتام تک کی پوری تاریخ میں ہندوستان کو بہ یک وقت دو صدیوں سے زیادہ کا سیاسی اتحاد کبھی نصیب نہیں ہوا۔لہذا ہندوستان کی تاریخ سلطنتوں کے عروج وزوال

اور اس افراتفری کی داستان ہے جو ایک کے زوال اور دوسرے کے قیام کے دوران ہوئی۔(۲)

تقی رحیم لکھتے ہیں:

''لیکن ان تمام خوبیوں اور کمالات کے باوجود تاریخ کا منشاء پورا ہو کر رہا اور بابر سے لیکر اورنگ زیب تک چھ نسلوں کی محنت اور قربانیوں سے بنائی ہوئی مغلیہ سلطنت کی عمارت اورنگ زیب کے مرنے کے پچاس برس کے اندر ہی ٹوٹ کر پارہ پارہ ہوگئی۔اورنگ زیب کی دیوقامت شخصیت کے رعب سے اسکی زندگی میں تو تاج وتخت کے لئے خاندانی روایت کے مطابق شاہزادوں میں سے کسی کو اس کے خلاف بغاوت کرنے کی جرأت نہیں ہوسکی۔لیکن ۱۷۰۷ء میں اس کے مرنے پر شاہزادوں میں گدی کے لئے حسب دستور لڑائی ہوئی۔جس میں اس کا بڑا لڑکا شاہزادہ معظم کامیاب ہوا اور بہادر شاہ کا لقب اختیار کر کے تخت پر بیٹھا۔گرچہ اورنگ زیب کے مقابلے میں اسکی شخصیت کسی شمار میں نہیں تھی۔پھر بھی اس نے اپنے دور حکومت میں سلطنت کے وقار کو کسی طرح گرنے نہیں دیا۔ایک خاص مستحسن کام اس نے یہ کیا کہ سکھ جو جہانگیر کے زمانے ہی سے مغلوں سے ناراض اور بیزار چلے آرہے تھے،انہیں اس نے اپنی طرف ملالیا۔چنانچہ گدی کی لڑائی میں خود گرو گوبند سنگھ کی قیادت میں سکھوں نے اس کی مدد کی تھی۔اور گرو گوبند سنگھ کی موت بھی اس کے ایک فوجی منصب دار کی حیثیت سے ایک شاہی فوجی مہم میں ہوئی۔لیکن اس کا دور حکومت صرف چار ہی برس رہا۔اور ۱۷۱۲ء میں اس کے انتقال کے بعد گدی کے لئے حسب دستور شاہزادوں میں پھر لڑائی شروع ہوئی۔مگر اس وقت تک درباری سیاست میں امراء کا وزن اور اثر بہت بڑھ چکا تھا۔چنانچہ خود غرض اور ناعاقبت اندیش امراء نے دعوی داروں میں سے سب سے زیادہ نالائق اور نا اہل جہاندار شاہ کو تخت پر بیٹھایا۔اور اس نے اپنی سفلہ مزاجی اور دنائت طبع کی وجہ سے ایک سال کے اندر ہی مغل دربار کے وقار کو خاک میں ملادیا۔امراء میں اس وقت سب سے زیادہ وزن سید

(۲) ہسٹری آف دی فریڈم موومنٹ ص ۶۱-۶۳ تحریک آزادی میں بہار کے مسلمانوں کا حصہ ص ۱۴-۱۵

برادران کا تھا۔چنانچہ انہوں نے اسے معزول کر کے فرخ سیر کو ۱۷۱۳ء میں گدی پر بٹھایا۔سید برادران بادشاہ گر سمجھے جانے لگے تھے۔اس لئے وہ چاہتے تھے کہ شہنشاہ ان کے اشارے پر چلے۔چنانچہ کچھ دنوں کے بعد فرخ سیر نے سید برادران سے پنڈ چھڑانے کی کوشش شروع کردی۔مگر اس کی عہد شکنی اور ڈھلمل پن کی وجہ سے امراء میں سے کسی نے اس کا ساتھ نہیں دیا۔یہاں تک اس کے اپنے خسر اجیت سنگھ نے بھی اس کے بجائے سید برادران ہی کا ساتھ دیا چنانچہ ۱۷۱۹ء میں سید حسین علی نے مرہٹوں کی مدد سے دلی آکر فرخ سیر کا خاتمہ کیا۔اس امداد کے بدلے میں مہاراشٹر میں مرہٹوں کے سوراج (حکومت) کا حق تسلیم کیا گیا۔اور مرہٹوں نے اپنی طرف سے دلی کے تخت کی اطاعت وفرمانبرداری کا یقین دلایا۔فرخ سیر کو سید بردران نے بڑی اذیت دے کر مارا اور اس کے جگہ پر کچھ مہینوں کے لئے بہادر شاہ کے دو چھوٹے چھوٹے پوتوں کو یکے بعد دیگرے تخت پر بٹھایا۔

''سید برداران کی اس طرح کی خودرائیوں اور سازشوں سے دوسرے امراء تنگ آکر ان کے خلاف آپس میں مل گئے اور انہوں نے بہادر شاہ کے تیسرے پوتے محمد شاہ کو ۱۷۱۹ء میں تخت پر بٹھایا۔سید برادران نے بغاوت کی مگر نا کامیاب ہوئے اور مارے گئے۔محمد شاہ ۱۷۱۹ء سے لیکر ۱۷۴۸ء تک تخت نشیں رہا۔اور اس طویل مدت میں مغلیہ سلطنت کو ظاہری اور باطنی ہر پہلو سے برباد کردیا۔تاریخ میں اسے محمد شاہ رنگیلے کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔مرہٹوں نے مہاراشٹر سے آگے بڑھ کر گجرات اور مالوہ کو بھی اپنے دخل میں کرلیا اور چوتھ کے نام پر صرف دکن کے علاقوں ہی میں نہیں بلکہ پورب میں بہار و بنگال پچھم میں راجپوتانہ اور اتر میں دوآبہ کے علاقوں میں بھی لوٹ مار کا بازار گرم کر رکھا تھا۔دوسری طرف ایران کے حکمراں نادر شاہ نے آگے بڑھ کر کابل (افغانستان) کے صوبے پر قبضہ کرلیا۔اور اسی پر قناعت نہیں کی بلکہ آگے بڑھتا ہوا خیبر سے گذر کر لاہور پر بھی چڑھ دوڑا۔تب جا کر دلی کے حکمرانوں کی آنکھ کھلی اور اس کے مقابلے کے لئے فوج روانہ کی گئی۔دونوں فوجوں کا مقابلہ ۱۷۳۹ء میں کرنال میں ہوا۔نادر شاہ کا ہندوستان پر قبضہ کرنے کا کوئی ارادہ نہیں تھا۔چنانچہ اسے نظام

الملک نے واپس لوٹ جانے پر راضی بھی کرلیا تھا لیکن خود دلی دربار کے ایک دوسرے بااثر وزیر نواب سعادت علی خاں صوبہ دار اودھ نے اسے دلی آنے کی ترغیب دی اور نادر شاہ ایک مہمان کی حیثیت سے دلی میں داخل ہوا اور وہاں پہنچ کر ایک چھوٹی سی بات کا بہانہ بنا کر ایسا قتل عام کرایا کہ آج تک اسے ہندوستان کی تاریخ کا ایک خونیں باب قرار دیا جاتا ہے۔ بہر حال شاہی خزانے کو خالی کرکے نادر شاہ ایران لوٹ گیا اور ہندوستان کا شہنشاہ محمد شاہ ہی کو برقرار رکھا مگر افغانستان اور اس سے لگے ہوئے دریائے سندھ کے اس پار کے سارے علاقے کو اپنی حکومت میں لے لیا۔ چنانچہ اس طرح افغانستان ہندوستان سے الگ ہوگیا ورنہ اس کے پہلے وہ برابر ہندوستان ہی کا ایک صوبہ سمجھا جاتا تھا۔(۳)

مزید لکھتے ہیں

’’بنگال کے صوبہ دار مرشد قلی خاں نے شروع ہی سے دلی کی درباری سیاست سے کوئی تعلق نہیں رکھا۔ ۱۷۱۴ء سے ۱۷۱۸ء کے درمیان اس نے بہار اور اڑیسہ کو بھی اپنی عملداری میں شامل کرلیا۔ اور عملی طور پر ۱۷۲۰ء سے ہی بنگال بہار اور اڑیسہ کے صوبوں پر مشتمل اپنی ریاست کے آزاد حکمراں کی حیثیت سے کام کر رہا تھا۔ مرشد قلی خان کا انتقال ۱۷۲۰ء میں ہوا۔ اور اسکی جگہ پر اس کا داماد شجاع الدولہ حکمراں ہوا۔ مگر ۱۷۴۲ء میں اس کے انتقال کرنے پر بہار کے ناظم علی وردی خاں نے اس کے بیٹے سرفراز خاں کو جنگ میں ہرا کر ان تینوں صوبوں کی حکومت اپنے قبضہ میں کرلی۔ چنانچہ بنگال، بہار اور اڑیسہ کے صوبے ۱۷۲۰ء ہی سے مغلیہ دربار کے قبضے سے نکل چکے تھے اور اس کے حکمراں سلطنت کے خلاف کھلی بغاوت کئے بغیر عملی طور پر آزاد حکمراں کی حیثیت سے اپنی مملکت کا استحکام اور انتظام کرتے چلے آرہے تھے۔ دکن کے صوبہ دار نظام الملک بھی عملی طور پر ایک آزاد حکمراں کی حیثیت ہی سے اپنے علاقے پر حکومت کر رہے تھے۔ حالانکہ وہ دلی کی سیاست سے تعلق بھی رکھتے تھے۔ اور کٹھن موقعوں پر دربار کی مدد بھی کرتے تھے۔ مگر جیسے جیسے دلی دربار کا حال زبوں ہوتا گیا اور ملک میں انتشار وطوائف الملوکی

(۳) تحریک آزادی میں صوبہ بہار کے مسلمانوں کا حصہ۔ ص ۱۶۔ ۱۷

پھیلتی گئی ویسے ویسے ان کا دھیان اپنی مملکت کی طرف زیادہ مرتکز ہوتا گیا۔ یہاں تک کہ نادر شاہی حملے کے بعد وہ دلی دربار کی سیاست سے کلی طور پر کنارہ کش ہو کر اپنی ریاست کے انتظام اور استحکام میں منہمک ہوگئے۔ اسی طرح اودھ کے نواب سعادت علی خاں بھی دلی دربار کی سیاست میں بھرپور حصہ لیتے ہوئے اپنی ریاست کا نظم ونسق ایک آزاد حکمراں ہی کی طرح کرتے تھے اور دلی دربار کا کوئی دخل ان کی ریاست کے معاملات میں نہیں تھا اور بعد میں ان کے جانشیں صفدر جنگ کو سیاسی الجھنوں کے باعث دلی چھوڑ کر کلی طور پر اپنی ریاست کے انتظام وانصرام میں لگ جانا پڑا۔ اصل میں مغلیہ سلطنت کا دبدبہ تو نادر شاہی حملہ کے وقت ہی بالکل خاک میں مل گیا تھا۔ جیسا کہ مشہور مورخ سر جدو ناتھ سرکار نے لکھا ہے کہ نادر شاہ کے حملہ کے وقت ہی دلی کی وہ حیثیت ختم ہوگئی تھی جو اس کے پہلے متحدہ سلطنت کی راجدھانی ہونے کی حیثیت سے اسے حاصل تھی۔ مگر محمد شاہ کے انتقال کے بعد تو اس عظیم سلطنت کا صرف نام ہی باقی رہ گیا تھا۔ چنانچہ اس سیاسی افراتفری کے عالم میں بڑی تعداد میں وہ خود مختار و نیم خود مختار مملکتیں وجود میں آئیں، جنہوں نے ہندوستان کی تاریخ میں نہایت ہی اہم رول ادا کیا۔ اس وقت کا حالت کا ذکر کرتے ہوئے ڈاکٹر تارا چند نے اپنی کتاب ہسٹری آف فریڈم موومنٹ میں لکھا ہے کہ اب مرشد آباد، لکھنو اور حیدر آباد کی اہمیت دلی سے زیادہ ہوگئی اور پونا کا اثر ہندوستان کے ہر حصے میں بڑھتا جارہا تھا۔ غرض کہ ان ہی بکھری اور آپس میں لڑتی ہوئی قوتوں پر غلبہ پانے میں انگریزوں کو سو برس لگ گئے۔ اور تب جاکر انہیں پورے ہندوستان کو اپنے زیر نگیں کرنے میں کامیابی حاصل ہوسکی۔(۴)

تقی رحیم تحریر کرتے ہیں:

’’قومی آزادی کی جدوجہد کی تاریخ مرتب کرتے وقت اس حقیقت کو ذہن میں رکھنا انتہائی ضروری ہے کہ ہندوستان کے دوسرے علاقوں کے مقابلے میں ایسٹ انڈیا کمپنی کی حکومت کی نحوست کا سایہ بہار اور بنگال پر بہت پہلے پڑا۔ اور کمپنی کے فرزندوں کی بے پناہ لوٹ اور ظلم

(۴) تحریک آزادی میں بہار کے مسلمانوں کا حصہ۔ جلد اول۔ ص ۱۷۔ ۱۸

بے نہایت کا شکار جس لمبی مدت تک اس خطے کے باشندوں کو ہونا پڑا ویسا اس ملک کے دوسرے حصے کے باشندوں کو نہیں ہونا پڑا۔ عملی طور پر تو پلاسی کی لڑائی میں سراج الدولہ کو ہرا کر کلائیو نے ۱۷۵۷ء ہی میں مشرقی ہندوستان کے ان تینوں صوبوں بنگال، بہار اور اڑیسہ کو کمپنی کے تسلط میں کرلیا تھا۔ اور اس طرح سے ہندوستان کے تقریباً ایک تہائی حصے پر کمپنی کی حکومت قائم کرنے میں کامیاب ہوگیا۔ پھر بھی پورے ہندوستان پر قبضہ کرنے میں کمپنی کو تقریباً ایک سو سال لگ گیا۔ (۵)

ڈاکٹر تارا چند نے ہسٹری آف دی فریڈم مومنٹ ان انڈیا میں اس لڑائی کے متعلق لکھا ہے:

’’دھوکہ دھڑی، عیاری، سازش، سیاست اور خدا معلوم کس کس طرح کی چالوں سے بھری اس لڑائی کی وحشت ناک کہانی کی تفصیل بیان کرنے کی ضرورت نہیں، جس کے ذریعہ بنگال (بہار اور اڑیسہ سمیت) برطانوی غلامی میں گیا۔ جون ۱۷۵۷ء میں ہوئی پلاسی کی لڑائی کے ذریعہ سرج الدولہ کو گدی سے اتار دیا گیا اور میر جعفر نے احسان مندی کے جذبے کے ساتھ کرنل کلائیو کے گیدڑ اور بنگال کے کٹھ پتلی نواب کا رول ادا کرنا قبول کیا۔ پلاسی کی لڑائی سے برآمد نتیجوں کے طویل سلسلے نے ہندوستان کی صورت ہی بدل دی۔ صدیوں سے قائم معاشی اور ریاستی نظام کی ماہیتی تبدیلی ہوگئی۔

پلاسی میں اقتدار تبدیل ہوا اور ۱۷۶۴ء میں بکسر کی لڑائی نے حقوق عطا کئے۔ بے اختیار مغل شہنشاہ نے ایک فرمان کے ذریعہ کمپنی کو بہار و بنگال اور اڑیسہ کے دیوانی حقوق عطا کئے۔ کمپنی کی تاریخ میں جائز معاشی تجارت کا دور ختم ہوا اور سیاسی قوت کی سرپرستی اور ریاستی لگان کے بل پر تجارت کا نیا دور شروع ہوا۔ اور ہندوستان کی تاریخ میں بعید مغرب سے ابھرنے والی نئی سماجی قوتوں کے کام کرنے کی شروعات ہوئی جسے بحر اعظموں اور بر اعظموں کو پار کر کے پورے خطہ ارض کا احاطہ کرنا تھا‘‘ (۶)

(۵) تحریک آزادی میں بہار کے مسلمانوں کا حصہ۔ ص ۱۱
(۶) ہسٹری آف دی فریڈم مومنٹ ان انڈیا۔ جلد اول۔ ص ۲۲۰۔ ۲۲۱

’’گرچہ اس وقت جب مغلیہ حکومت بالکل پارہ پارہ ہوچکی تھی اور دلی کی مرکزی حکومت میں کوئی جان باقی نہیں رہ گئی تھی اس کے باوجود اس وسیع ملک کے مختلف علاقوں میں بہت سارے حکمراں موجود تھے جن کی حکومتیں فوجی اعتبار سے کمپنی کے مقابلے میں زیادہ طاقت ور تھیں اور جن کے سائے میں ان کی حدود مملکت کے اندر دیسی صنعت وحرفت، زراعت و تجارت اور علم و ہنر کو فروغ ہو رہا تھا۔ نیز ان کی رعیت اپنے دیسی حکمرانوں کے سائے میں خوشحال اور مطمئن تھی۔ لیکن یہ ٹھیک ہے کہ مرکزی حکومت کے کمزور ہوجانے کے باعث ملک میں انتشار و طوائف الملوکی پھیلی ہوئی تھی اور لوٹ مار کا بازار گرم تھا۔ مرہٹوں اور افغانوں کی لوٹ مار سے خاص طور پر سارا ملک پریشان اور ہیبت زدہ تھا۔ لیکن اگر غور سے دیکھا جائے تو پتہ چلے گا کہ ان کی لوٹ کا کوئی خاص اثر اس ملک کے معاشی نظام کے استحکام پر نہیں پڑتا تھا۔ ہل اور چرخے کی بنیادوں پر قائم اس ملک کی عام معیشت جیوں کی تیوں قائم رہتی تھی۔

لیکن ہندوستان کے اس سب سے زرخیز اور دولت مند خطے یعنی بہار و بنگال پر اپنا تسلط جمانے کے بعد کمپنی کے فرزندوں نے فرعونی پالیسی کے تحت اپنی بے پناہ لوٹ کے زور سے اس خطے کے معاشی نظام کے استحکام کی اس بنیاد ہی کو تہس نہس کر ڈالا، جس پر اس کا سارا ڈھانچہ کھڑا تھا۔ تاریخ اور تہذیب روز اول ہی سے بیرونی حملہ آور آ کر ہندوستان میں لوٹ مار مچاتے رہے۔ جن میں سے کچھ تو لوٹ مار کر واپس لوٹ گئے اور اکثر یہیں رس بس گئے۔ لیکن ایسٹ انڈیا کمپنی نے اپنی مخصوص سرمایہ دارانہ پالیسی کے تحت اس خطہ جنت نشاں میں ہل اور چرخے کی بنیادوں پر نامعلوم زمانے سے قائم اس کی اس دیہی عوامی معیشت ہی کو بالکل نیست و نابود کر دیا۔ جس پر اس ملک کی دولت مندی اور یہاں کے باشندوں کی خوش حالی کا سارا انحصار تھا!‘‘ (۷)

’’کہنے کی ضرورت نہیں کہ بہار اور بنگال پر کمپنی کے لٹیرے تاجروں کا قبضہ ۱۷۵۷ء ہی میں ہوگیا تھا۔ اس لئے ملک کے دوسرے حصوں کی بہ نسبت اس خطے کو لوٹنے اور برباد کرنے کا موقع انہیں زیادہ ملا۔ غرضیکہ اپنا تسلط جمانے کے بعد کمپنی کے سفلے فرزندوں نے اس علاقہ کو اس دھوم سے لوٹا

(۷) تحریک آزادی میں بہار کے مسلمانوں کا حصہ۔ ص ۱۲

کہ چند ہی برسوں کے اندر دنیا کے اس خوشحال ترین خطے کی عوامی معیشت کے استحکام کی ساری بنیاد ہی چکنا چور ہر کر رہ گئی اور اس علاقے کے باشندے بالکل کنگال ہو گئے۔ چنانچہ کمپنی کے فرزندوں کے ہاتھوں لائی ہوئی اس بربادی کے مہلک اور منحوس اثرات آج بھی اس علاقے کی عوامی اور سماجی زندگی پر نمایاں ہیں۔ دوسری طرف کمپنی کے ان سورماؤں نے اس خطے پر قائم اپنی حکومت کے دبدبے اور اس زرخیز خطے کے وسائل کے زور پر ملک کے دوسرے حصوں پر دخل جمانا بھی شروع کر دیا۔ مگر اس میں انہیں ویسی آسان اور سستی کامیابی نہیں ملی جیسی بہار اور بنگال میں ہوئی تھی۔ چنانچہ پورے ہندوستان پر قبضہ جمانے میں کمپنی کو تقریباً ایک سو سال لگ گئے۔ اس لئے دوسرے علاقوں کی عوامی معیشت بہار و بنگال کی طرح برباد نہیں کی جا سکی۔‘‘(۸)

پلاسی کی لڑائی کے وقت فوجی اور سیاسی دونوں لحاظ سے مجموعی طور پر ہندوستان بھر میں مرہٹوں کی طاقت اول نمبر پر تھی۔ پلاسی کی لڑائی ۱۷۵۷ء میں ہوئی اور اس کے چار ہی برس بعد ۱۷۶۱ء میں مرہٹوں اور افغانوں کے درمیان زوردار لڑائی پانی پت کے میدان میں ہوئی۔ جس میں احمد شاہ ابدالی نے مرہٹوں کو اس بری طرح پسپا کیا کہ فوری طور پر مرہٹے بالکل پست ہو گئے۔ ورنہ اس کے پہلے ان کے عزائم اتنے بلند تھے اور ان کا کچھ ایسا زور اور دبدبہ ملک بھر پر قائم ہو گیا تھا کہ مغلیہ خاندان کی جگہ پر مرہٹوں کی ہی حکمرانی ہو گئی۔ گرچہ پانی پت کے میدان میں ان کا زور بڑی حد تک ٹوٹ گیا تھا مگر بالکل ہی ختم نہیں ہوا تھا۔ انہوں نے پھر اپنے آپ کو سنبھالا اور اٹھارویں صدی کے اختتام تک وسطی اور جنوبی ہندوستان میں انگریزوں کے قدم جمنے نہیں دیئے۔

آپ نے ملاحظہ کیا کہ بہار اور بنگال پر انگریزوں کا تسلط پلاسی کی لڑائی کے بعد ۱۷۵۷ء ہی میں ہو چکا تھا۔ اس کے خلاف بہار میں نواب میر قاسم نے آواز اٹھائی۔

تقی رحیم تحریر کرتے ہیں:

’’ہندوستان کے مجاہدین آزادی کی فہرست میں نہ صرف بہار بلکہ پورے ہندوستان کی سطح پر بھی سب سے پہلا نام میر قاسم کا آئے گا۔ میر قاسم کی پیدائش کا ذکر تاریخوں میں نہیں ملا۔ مگر ہمیں اس سے کوئی خاص مطلب نہیں! کیوں کہ اس کی مجاہدانہ سرگرمیوں کا میدان بہار ہی رہا۔ اس

(۸) تحریک آزادی میں بہار کے مسلمانوں کا حصہ۔ ص ۱۳

لئے پیدائش اس کی جہاں بھی ہوئی ہو، اس کا شمار بہار ہی کے مجاہدین آزادی میں ہوگا۔ اس دور میں ہمارے ملک کے دیسی حکمرانوں سے کمپنی کی جو لڑائیاں ہوئیں، وہ نہ تو دو قوموں کے درمیان تھیں اور نہ دو بادشاہوں کے درمیان بلکہ وہ ٹکراؤ دو مختلف اور متضاد نظاموں کا تھا۔ ان لڑائیوں میں ایک طرف تو ابھرتی ہوئی برطانوی سرمایہ داری تھی۔ جس کی نمائندگی ایسٹ انڈیا کمپنی کر رہی تھی۔ اور دوسری طرف ہمارا زوال یافتہ جاگیرداری نظام تھا۔ جس کی نمائندگی ہندوستانی دیسی حکمران کر رہے تھے۔ لہذا کمپنی کی جیت فطری اور لازمی تھی۔ کیوں کہ وہ ہندوستانی حکمرانوں کے مقابلے میں بہتر اور ترقی یافتہ نظام کی حامل تھی۔ اصل میں یہ مقابلہ تاجرانہ حقائق پرستی پر مبنی اجتماعی حکمت عملی اور جاگیردارانہ خود پرستی پر مبنی انفرادی بے راہ روی کے درمیان تھا اور اپنے عہد کے دوسرے ہندوستانی حکمراں کی طرح میر قاسم بھی ان نقائص اور کمزوریوں کا شکار تھا۔ مگر اس کے باوجود اس دور کے ہندوستانی حکمرانوں میں وہ واحد حکمراں تھا جس نے کمپنی کے سورماؤں کے تاجرانہ زور فتور کی نوعیت کو سمجھ کر ان ہی کے داؤ پیچ سے انہیں جواب دینے کی کوشش کی۔‘‘(۹)

انگریزوں کے خلاف نواب میر قاسم کی لڑائی انفرادی تھی۔ عوامی تحریک نہیں تھی۔ انگریز اس وقت ملک میں اس قدر مضبوط ہو چکے تھے کہ ان کے خلاف کسی میں تحریک چلانے کی کوئی ہمت نہیں تھی۔ ایسے وقت میں انگریزوں کے خلاف حضرت شاہ عبدالعزیز دہلوی نے آواز اٹھائی اور فتویٰ صادر کیا۔ پھر ان کی سرپرستی میں ۱۸۰۳ء سے ملک کی آزادی کے لئے تحریک شروع ہوئی۔ جس کی قیادت حضرت سید احمد شہید، مولانا سید شاہ عبدالحئی اور مولانا سید محمد اسمٰعیل شہید کر رہے تھے۔ جو تحریک مجاہدین کے نام سے مشہور ہے۔ جس کا مختصر مطالعہ آپ حصہ اول کے باب اول، دوم اور سوم میں کر چکے ہیں۔ تحریک مجاہدین کا مرکز بہار میں بھی تھا۔ جس کا ذکر آئندہ باب میں آئے گا۔

(۹) تحریک آزادی میں بہار کے مسلمانوں کا حصہ۔ ص ۵۰

گیارھواں باب

۱۸۵۷ء سے پہلے بہار میں علماء کی تحریک

حضرت سید احمد بریلوی سے بہار کے ایک طالب علم مولوی ولایت علی کی ملاقات تقریباً ۱۸۱۰ء میں لکھنؤ میں ہوئی۔ جب وہ فرنگی محل میں تعلیم حاصل کر رہے تھے۔ سید صاحب کا قافلہ تبلیغ کے ارادہ سے لکھنؤ میں وارد ہوا۔ اور اس قافلہ کا چرچا ان کے استاد مولانا اشرف صاحب تک پہنچا۔ تو وہ بھی ان سے ملاقات کے لئے گئے۔ مولانا اشرف صاحب سنجیدہ عالم تھے۔ منطق اور فلسفہ کے ذوق نے ان کو تحقیق کا عادی بنا دیا تھا۔ انہوں نے سید صاحب کی شہرت سے متاثر ہونے کے بجائے حقیقت تک پہنچنے کی کوشش کی۔ چنانچہ سید صاحب سے تنہائی میں ملاقات کی فرمائش کی۔ سید صاحب اپنی زندگی اسی مقصد کے لئے وقف کر چکے تھے۔ آپ نے اجازت دیدی۔ اور جب مولانا پہنچے تو فوراً تخلیہ کر دیا۔ مولانا محمد اشرف صاحب نے جس قابل اعتماد شاگرد کے ذریعہ اپنا تعارف کرا کر ملاقات کا وقت مقرر کرایا تھا۔ وہ یہی مولانا ولایت علی تھے۔ جو اس وقت تخلیہ میں بھی موجود تھے۔ اس موقع پر سید صاحب کی تقریر دو گھنٹہ جاری رہی۔ ان کی تقریر نے استاد اور شاگرد دونوں پر جادو کا کام کیا۔ چنانچہ دونوں سید صاحب سے بیعت ہوگئے۔

مولانا ولایت علی پر جو اثر ہوا، انہوں نے چاہا کہ خاندان کے چھوٹے بڑے سب اس سے فائدہ حاصل کریں۔ چنانچہ تقریباً دو سال کے بعد جب سید صاحب کا قافلہ حج کے لئے روانہ ہونے لگا، تو انہوں نے اپنے والد مولانا فتح علی صاحب کو سید صاحب کے فضائل و مناقب سے مطلع کیا۔ اور درخواست کی کہ سید صاحب پٹنہ پہنچیں تو ان کی خدمت میں حاضر ہو کر ان کے فیوض و برکات سے مستفیض ہوں۔ چنانچہ مولانا فتح علی خاندان کے چند

بزرگوں کو لیکر پٹنہ گئے۔ اور سید صاحب سے ملاقات کی۔ پہلی ملاقات میں باضابطہ بیعت کا موقع نہیں مل سکا۔ مگر محبت و عقیدت سے سرشار ہوگئے۔ سید صاحب نے حج کا اعلان کیا اور اس سفر کو بھی اپنی تبلیغی اور تنظیمی کاموں کا ذریعہ بنایا۔

تقی رحیم تحریر کرتے ہیں:

''حج کے سفر میں شرکت کے لئے انہوں نے اپنے دوسرے مخلصین کو بھی دعوت دی اور ان کے ساتھ حج کا سفر کرنے کو ان کے چار سو مرید بریلی میں جمع ہوگئے۔ حج کے لئے کلکتہ میں جہاز پکڑنے کا فیصلہ ہوا اور بریلی سے ان کا قافلہ کشتیوں کے ذریعہ گنگا کی راہ سے گیا۔ راستے میں بنارس، زمانیہ اور غازی پور قیام کرتے ہوئے بہار کی سرحد میں داخل ہوا۔ بہار میں پہلا پڑاؤ بکسر میں ہوا۔ بکسر سے چھپرہ اور دانا پور میں قیام کرتے ہوئے سید صاحب اپنے قافلہ کے ساتھ پٹنہ پہنچے۔ دانا پور کے قیام کے دوران سید صاحب ایک دن خانقاہ مجیبیہ کے سجادہ نشیں حضرت شاہ نعمت اللہ سے ملنے بھی تشریف لائے تھے۔ اور اس خانقاہ کو اکثر مروجہ بدعات سے پاک کہا تھا۔ پٹنہ میں ان کا قیام دو ہفتہ ہوا۔ پہلے سے وہ پٹنہ کے دو آدمیوں کو جانتے تھے۔ ایک ولایت علی جو لکھنؤ ہی میں ان سے مرید ہو چکے تھے۔ اور دوسرے قیصر علی۔ لیکن پٹنہ کے دوران قیام میں بہت سے لوگ حلقہ ارادت میں داخل ہوئے۔ جنہوں نے بعد میں ان کی تحریک میں بڑے بڑے کارہائے نمایاں انجام دیئے۔ پٹنہ کے بعد باڑھ، سورج گڑھ، مونگیر اور بھاگلپور قیام کرتے ہوئے راج محل پہنچے۔ بہار کا آخری پڑاؤ یہی تھا۔ اس کے بعد بنگال کی سرحد میں داخل ہوگئے۔ راج محل سے چل کر مرشد آباد اور کٹوا (بردوان) میں قیام کرتے ستمبر ۱۸۲۱ء میں کلکتہ پہنچے۔ کلکتہ میں ان کا قیام تین مہینے رہا۔ جہاں اردگرد کے مضافاتی علاقوں کے سوا سلہٹ اور چٹگاؤں تک سے لوگوں نے آکر ان کے ہاتھ پر بیعت کی اور ان کے مرید ہوئے۔ راستے میں اور بھی لوگ حج کے لئے قافلے میں شریک ہوتے گئے۔ اس لئے کلکتہ سے روانگی کے وقت ان کے قافلے میں ۷۵۰ افراد شریک تھے۔''(۱)

---

(۱) تحریک آزادی میں بہار کے مسلمانوں کا حصہ۔ ص ۵۸

حج سے واپسی کے وقت سید صاحب بمبئی اترے۔ چند دنوں وہاں قیام کر کے اکتوبر ۱۸۲۳ء میں کلکتہ پہنچے۔اس بار بھی وہاں دو ماہ سے زیادہ ٹھہرے۔اور ان تمام مقامات پر قیام کرتے گئے، جہاں روانگی کے وقت ٹھہرے تھے۔ان میں مونگیر بھی تھا۔جہاں انہوں نے بندوقیں، طمنچے اور چارنالی توپیں خریدیں۔پھر پٹنہ آئے۔پٹنہ میں مولوی ولایت علی نے سید صاحب کو اپنے گھر مدعو کیا اور اسی دن ان کے گھر کے سبھی لوگوں نے ان سے بیعت کی۔تیسرے دن احمد اللہ کے والد الٰہی بخش نے اپنے بیٹے کی تقریب شادی میں سید احمد صاحب کو اپنے یہاں مدعو کیا۔نکاح انہوں نے پڑھایا۔اس تقریب میں آٹھ نو سو آدمیوں نے شرکت کی تھی۔پٹنہ سے رخصت ہو کر سید صاحب پھر مرزاپور، بنارس اور الہ آباد وغیرہ قیام کرتے ہوئے اپریل ۱۸۲۴ء میں بریلی واپس لوٹے۔ اس سفر میں سید صاحب نے مریدوں کی تعداد بڑھانے اور ان میں سے کام کے آدمی نکالنے کی طرف خاص طور سے توجہ دی۔بلکہ اسی غرض سے اس سفر کو اتنا طول دیا تھا۔اپنے اس مقصد کے حصول میں انہیں بہار و بنگال اور خاص کر پٹنہ میں بہت کامیابی حاصل کی۔پٹنہ میں ولایت علی، شاہ محمد حسین اور الٰہی بخش صاحب کے پورے خاندان نے ان سے بیعت کی۔جن کی وجہ سے پٹنہ اس تحریک کا ایک ایسا مرکز بن گیا جہاں سے سید صاحب کو اپنی جہادی کارروائیوں کے لئے سب سے زیادہ جانی اور مالی امداد ملی اور ان کی شہادت کے بعد بھی اس مرکز نے ان کی تحریک کو پچاس برسوں کے قریب سرگرم اور زندہ رکھا۔

''سید صاحب نے بریلی لوٹ کر باضابطہ ہجرت اور جہادی دعوت شروع کر دی اور مجاہدین کی ایک اچھی تعداد بریلی میں جمع کر لی۔جس میں دلی کے شاہ اسماعیل و شاہ عبدالحئی اور پٹنہ کے مولوی ولایت علی، عنایت علی اور مظہر علی جیسے باصلاحیت اور سرفروش مخلصین تھے۔چنانچہ سید صاحب انہیں ساتھ لیکر مجاہدین کے قافلے کے ساتھ جنوری ۱۸۲۶ء میں سرحد کی طرف ہجرت کر گئے۔راستے میں بھی اپنی تبلیغی سرگرمیاں جاری رکھی۔چنانچہ گوالیار اور ٹونک میں وہاں کے حکمرانوں سے مل کر ملک کو بدیسیوں کی غلامی سے چھٹکارا دلانے کی تدبیروں پر باتیں کیں۔ٹونک سے راجپوتانہ، سندھ اور بلوچستان کے ریگزاروں سے ہوتے ہوئے ان کا قافلہ

نومبر ۱۸۲۶ء میں پشاور پہنچا۔(۲)''

سرحدی قبائل کے لوگ کسی منضبط حکومت کے ٹھیک سے تابعدار کبھی نہیں رہے۔مغلیہ حکومت کے عروج کے دور میں بھی وہ برابر شورشیں کرتے رہتے تھے۔نادر شاہ درانی اور احمد شاہ ابدالی نے اپنے وقتوں میں انہیں کچھ قابو میں رکھا تھا۔مگر ابدالی کے مرنے کے بعد وہ پھر سے بے سر کی فوج ہو گئے تھے۔چنانچہ ان کے انتشار اور اختلاف سے فائدہ اٹھا کر رنجیت سنگھ نے ان کے علاقوں پر قبضہ کر لیا تھا۔مگر اس کی حکومت کے خلاف بھی یہ لوگ برابر شورش کرتے رہتے تھے۔اسی انتشار اور ابتری کی حالت میں سید صاحب اس علاقہ میں پہنچے تھے۔آنے کے پہلے سید صاحب نے کچھ سرداروں سے خط و کتابت بھی کر لی تھی۔اور وہ ان کی طرف سے حمایت و تعاون کی یقین دہانی کے بعد سرحد تشریف لے گئے تھے۔مگر انہیں سرحد کے سرداروں کی طرف سے دھوکہ اور غداری کے سوا اور کچھ نہیں ملا۔ڈاکٹر قیام الدین نے اپنی کتاب وہابی موومنٹ میں لکھا ہے۔

''قبائل جو ان سے آملے تھے۔نہ ان کی نیت اتنی صاف تھی اور نہ مطمح نظر میں وسعت اور خلوص تھا۔ان میں سے اکثر کا مقصد حقیر و ذلیل تھا۔وہ صرف تاخت و تاراج اور لوٹ مار کے خواہاں تھے۔سچ تو یہ ہے کہ سید احمد کی تمام جدوجہد میں یہ ایک زہر ثابت ہوا۔سید احمد کے جاں نثار متبعین کے گروہ ''جنہیں ہندوستانی مجنوں'' کا لقب دیا گیا اور ان حریص زر قبائلیوں کے مطمح نظر اور نیتوں کے فرق نے سید احمد کے فوجی منصوبوں کو بالکل گڑبڑ کر کے رکھ دیا۔''(۳)

مولانا محمد میاں صاحب تحریر کرتے ہیں:

''اسی زمانہ میں کہ سید صاحب حج بیت اللہ کے لئے تشریف لے گئے تھے، مولانا ولایت علی صاحب درسیات سے فارغ ہو کر لکھنو سے پٹنہ پہنچے، اور ایک مرکز قائم کر دیا۔بقول مصنف سوانح احمدی:

مولانا (ولایت علی صاحب) نے اسی وقت سے جمعہ اور جماعت اپنے یہاں قائم کر کے وعظ و نصیحت شروع کر دی۔

---

(۲) تحریک آزادی میں بہار کے مسلمانوں کا حصہ۔ص ۵۹ (۳) وہابی موومنٹ ص ۸۴

عوام کے جذبات نے پوری گرمجوشی سے مولانا کے وعظ اور نصیحت پر لبیک کہا۔اور کچھ دنوں بعد جب سید صاحب کی واپسی کی خبر مشہور ہوئی تو مشتاقان زیارت کی ایک جماعت استقبال کے لئے مونگیر تک پہنچی۔اس کی قیادت مولانا ولایت علی صاحب اور آپ کے ماموں مولانا قاضی شاہ احمد حسین صاحب کر رہے تھے۔

یہ وہی مونگیر ہے جو اس زمانہ میں اسلحہ سازی میں شہرت رکھتا تھا اور جہاں سے سید صاحب نے کافی اسلحہ خریدے تھے۔

مونگیر سے قافلہ روانہ ہوا۔سب سے پہلے قصبہ ''باڑہ'' میں قیام ہوا۔جہاں مولانا ولایت علی صاحب کے والد صاحب اور دوسرے عمائدین نے کئی روز تک پورے قافلہ کی شاندار دعوتیں کیں۔عوام کو سید صاحب اور جماعت کے مقررین کے مواعظ وخطابات سے استفادہ کا موقع ملا اور ہزاروں مسلمان گروہ درگروہ حلقہ بگوش ارادت ہوئے۔قافلہ باڑہ سے روانہ ہو کر پٹنہ پہنچا۔''(۴)

ڈاکٹر ڈبلو ڈبلو ہنٹر نے لکھا ہے:

''ان کے مریدوں کی تعداد اس قدر بڑھ گئی تھی کہ ایک باقاعدہ نظام حکومت کی ضرورت پیش آئی۔انہوں نے باقاعدہ اپنے ایجنٹ مقرر کئے تاکہ ہر اس شہر سے جو ان کے راستے پر پڑتا ہو،تجارت کے منافع پر ٹیکس وصول کریں۔اس کے بعد انہوں نے چار خلیفے مقرر کئے۔یعنی روحانی نائب اور ایک ''قاضی القضاۃ'' مقرر کیا۔اور اس کے لئے ایک باقاعدہ فرمان جاری کیا جیسا کہ مسلمان بادشاہ صوبجات میں اپنے گورنر مقرر کرتے وقت کیا کرتے تھے۔اس طرح پٹنہ میں ایک مستقل مرکز قائم کرنے کے بعد وہ یہاں سے روانہ ہوئے۔''(۵)

جب سید صاحب ہجرت کر رہے تھے،تو مولانا ولایت علی صاحب نے اپنے بارے میں ہجرت کرنے کی اجازت چاہی،تو انہوں نے ہجرت کی اجازت نہیں دی۔ بلکہ صوبہ بہار کی خدمت سپرد کر کے آپ کو پٹنہ واپس کر دیا۔جہاں عرصہ تک تحریک کے لئے کام کرتے رہے۔

مولانا محمد میاں صاحب تحریر کرتے ہیں:

(۴)علماء ہند کا شاندار ماضی جلد سوم ص ۱۳ (۵) ہمارے ہندوستانی مسلمان ص ۲۳

''وطن اور اہل وطن کی گلوخلاصی کے لئے جب سید صاحب نے بیرون وطن کا قصد کیا،تو مولانا ولایت علی صاحب اور خاندان کے دوسرے مجاہد ہمرکاب تھے۔اور جب آزاد قبائل میں آزاد مرکز قائم کرلیا تو مولانا ولایت علی صاحب سفارت کابل کے لئے نامزد کئے گئے۔نوجوان سفیر جب کابل پہنچا تو جذبات تبلیغ واصلاح بھی بے قابو ہو گئے۔آپ نے فرائض سفارت کے علاوہ ماحول کی اصلاح وتربیت کے لئے تقریریں بھی شروع کردیں۔اور حالات سے متاثر ہو کر ایک طویل اصلاحی نظم بھی ارشاد فرمائی۔

سید صاحب نے شمال ہند کا دورہ کیا تھا۔جنوبی ہند میں صرف بمبئی چند روز قیام فرمایا۔حیدرآباد،مدراس وغیرہ کہیں نہیں جاسکے تھے۔آزاد قبائل میں آزاد مرکز قائم کرنے کے بعد اس کمی کی تلافی کا قصد فرمایا۔چنانچہ مولانا ولایت علی صاحب کابل سے واپس ہوئے تو آپ کو حیدرآباد،اور مولانا محمد علی صاحب رام پوری کو مدراس کے لئے مامور فرمایا۔یہ بزرگ اس جدائی سے آزردہ ہوئے تو سید صاحب نے فرمایا۔''مولانا ہم آپ کو تخم کر کے اٹھاتے ہیں۔''(۶)

حیدرآباد میں مولانا ولایت علی کی تحریک کامیاب رہی۔نواب ناصر الدولہ کا دور حکومت تھا۔ناصر الدولہ کے بھائی مبارز الدولہ نے مولانا ولایت علی صاحب کی دعوت قبول کی۔مگر ایک ایسا اسٹیٹ جس کی بنیاد وفاداری انگریز سے استوار کی گئی تھی۔وہ مجاہدین کے سرفروشانہ جذبات کو کیسے برداشت کر سکتا تھا۔چنانچہ مشکل سے دو ہی سال ہوئے تھے کہ آپ کو حدود ریاست سے نکلنا پڑا۔کچھ دنوں بعد آپ کے سب سے بڑے معتقد مبارز الدولہ کو نظربندی اور پارٹی کے دوسرے سرگرم ارکان کو جلاوطنی نصیب ہوئی۔

مولانا ولایت علی صاحب حیدرآباد سے بمبئی تشریف لے گئے۔اور ابھی وہاں کام بھی نہیں شروع کر پائے تھے کہ معرکہ بالاکوٹ پیش آگیا،جس کی وجہ سے نیا پروگرام بنانا پڑا۔اب سب سے اہم سوال مرکز کا پیش آگیا کہ اس کو کس طرح باقی رکھا جائے۔ایثار وقربانی کی رسم کو کس طرح پروان چڑھایا جائے۔

اس عرصہ میں دوسرا حادثہ یہ پیش آیا کہ پٹنہ میں آپ کے والد ماجد مولانا فتح علی صاحب وفات

(۶)علماء ہند کا شاندار ماضی جلد سوم ص ۱۹

پا گئے۔لہذا پہلے آپ نے پٹنہ کا پروگرام بنایا۔ برہان پور، جبل پور، نرسنگھ پور، کندولی اور سیونی وغیرہ کا دورہ کرتے ہوئے آپ دوسال میں پٹنہ پہنچے اور وہاں پہنچ کر پھر سے کام شروع کیا۔

مولانا ولایت علی صاحب نے پٹنہ پہنچ کر تازہ سرگرمیوں کے لئے پرانے ساتھیوں کی نئی پارٹی بنائی۔جس کا مرکز ''صادق پور'' ہوا، اور جس کے مرکزی ارکان یہ تھے۔

۱۔مولانا سید محمد علی صاحب

۲۔مولانا شاہ محمد حسین صاحب

۳۔مولانا عنایت علی صاحب

مولانا محمد میاں صاحب تحریر کرتے ہیں:

''پارٹی کے ارکان کے کام اور ان کے علاقے معین کردیئے گئے۔مثلاً مولانا ولایت علی صاحب جو اس جماعت کے امیر کی حیثیت رکھتے تھے اور عام طور پر ان کو ''بڑے حضرت'' کہا جاتا تھا۔۱: تحریک کی عمومی نگرانی۔۲: بیرونی ممالک سے رابطہ آپ کے فرائض تھے۔۳: اور جب آپ کا قیام پٹنہ میں ہوتا، نواب فخرالدولہ کی مسجد میں نماز جمعہ کی امامت اور نماز کے بعد تقریر آپ کے ذمہ تھی۔اور جمعہ کے علاوہ اور باقی دنوں میں مذکورہ بالا پروگرام جاری رہتا تھا۔یہ بات خاص طور پر قابل ذکر ہے کہ آپ کا وعظ بہت پرتاثیر ہوتا تھا۔آپ پارٹی کے خاص ارکان کے علاوہ تحریک کے دوسرے ہم نواؤں میں تبلیغ وارشاد کا سلیقہ پیدا کرکے قصبات ودیہات کے لوگوں کی ہدایت کے لئے بھیجتے رہتے تھے۔

مولانا محمد علی صاحب رام پوری کا تعلق اسی علاقہ سے برقرار رہا، جو آپ کے لئے سید صاحب تجویز فرما چکے تھے۔یعنی جنوبی ہند کا علاقہ جس کا مرکز مدراس تھا۔

شاہ محمد حسین صاحب کو صوبہ بہار سپرد ہوا۔آپ کا ہیڈ کوارٹر، پٹنہ قرار دیا گیا۔جب آپ کا قیام پٹنہ میں ہوتا تو مسجد نمو ھیہ کی امامت اور وہاں وعظ وتقریر بھی آپ کے ذمہ ہوتا۔

مولانا عنایت علی صاحب کو صوبہ بنگال سپرد ہوا۔آپ نے وطن عزیز سے رخت سفر باندھا اور بنگال ہی میں کئی برس گذار دیئے۔''(۷)

(۷)علماء ہند کا شاندار ماضی جلد سوم ص ۲۶

ان کی جدوجہد نے کیا رنگ پیدا کردیا۔اس سلسلہ میں ڈاکٹر ہنٹر لکھتے ہیں:

''پٹنہ کے خلفاء جوان تھک واعظ، خوداپنے آپ سے بے پرواہ، بے داغ زندگی بسر کرنے والے، انگریز کافروں کی حکومت تباہ کرنے میں ہمہ تن مصروف، روپیہ اور رنگروٹ جمع کرنے کے لئے ایک مستقل نظام قائم کرنے میں نہایت چالاک تھے۔وہ اپنی جماعت کے اراکین کا نمونہ اور ان کے لئے ایک مثال تھے۔ان کی بہت سی تعلیم بے عیب تھی۔اور یہ انہی کا کام تھا کہ انہوں نے اپنے ہزاروں ہم وطنوں کو بہترین زندگی بسر کرنے اور اللہ تعالیٰ کے متعلق بہترین تصور پیدا کرنے کی ترغیب دی۔''(۸)

''ہر ایک ضلع کے مبلغین، متعصب لوگوں کے گروہ دارالاشاعت میں بھیجتے۔ان میں سے اکثر کو جن کے جوش کو پٹنہ کے لیڈر اور بھڑکا دیتے تھے۔چھوٹے چھوٹے گروہوں کی شکل میں سرحدی کیمپ کی طرف روانہ کردیا جاتا۔ان میں سے زیادہ ہوشیار نوجوانوں کو زیادہ دیر تک زیر تربیت رکھنے کے لئے منتخب کرلیا جاتا تھا۔اور جب وہ باغیانہ اصولوں سے اچھی طرح واقف ہوجاتے تھے، تو ان کو ان کے صوبے کی طرف ایک واعظ یا مذہبی کتب فروش کی حیثیت سے واپس کردیا جاتا۔''(۹)

''پٹنہ کے مجسٹریٹ نے لکھا تھا کہ ان لوگوں نے ہمارے گنجان آباد ضلعوں کے ہر ایک گاؤں میں خود حکومت کے افسران کی زیر حفاظت اور زیر سایہ علانیہ بغاوت کی تبلیغ کی۔مسلمان آبادی کے دلوں کو بے قرار کیا، اور فتنہ وفساد کے لئے ایسا حیرت انگیز اقتدار حاصل کیا، جیسا کہ ظاہر ہے۔''(۱۰)

''پٹنہ کی عدالت کے کاغذات سے ثابت ہوتا ہے کہ ان کے خلفاء نے مذہبی آتش بیانوں کی حیثیت سے سرحد میں کافی نام پیدا کرلیا تھا۔۱۸۴۷ء میں سر ہنری لارنس کو گواہیوں کے دوران معلوم ہوا کہ وہ پنجاب میں مجاہدین کے نام سے موسوم تھے۔اور اسی حیثیت سے محافظوں کے درمیان ان کو ان کے وطن پٹنہ میں پہنچا دیا گیا تھا۔''(۱۱)

(۸)ہمارے ہندوستانی مسلمان ص ۱۰۱ (۹)ہمارے ہندوستانی مسلمان ص ۱۰۳

(۱۰)ہمارے ہندوستانی مسلمان ص ۷۵ (۱۱)ہمارے ہندوستانی مسلمان ص ۷۳

''ایک انقلابی جماعت جوفرازی کے نام سے مشہور تھی اور مشرقی اضلاع میں اس کا کافی اثر تھا،جس کے سرغنہ نثار علی عرف ٹیٹومیاں نے ۱۸۳۱ء میں علم بغاوت بلند کیا تھا۔مولانا یحیٰی علی صاحب نے ان کو بھی اس تنظیم میں شامل کرلیا تھا،اور اب یہ تحریک یہاں تک ہمہ گیر ہوگئی تھی کہ ۱۸۴۶ء میں ان کی تعداد اسی ہزار تھی۔جو آپس میں پورا پورا بھائی چارہ رکھتے تھے اور ہر ایک دوسرے کے کام کو جماعت کا کام سمجھ کر پوری گرمجوشی سے انجام دیتا تھا۔'' (۱۲)

''سازشیوں کے لئے سب سے زیادہ خطرناک کام پٹنہ کے دارلاشاعت سے جس کو وہ اپنی خفیہ زبان میں چھوٹا مال گودام کہتے تھے،مجاہدین کے سرحدی کیمپ تک جس کو وہ بڑا مال گودام کہتے تھے،رنگروٹوں کا پہنچانا تھا۔ایک بنگالی وہابی سے راستہ میں ہزاروں تکلیف وہ سوالات پوچھنے کا احتمال تھا۔شمال مغربی صوبے اور پنجاب کے وسیع علاقے میں اس کو تقریباً دو ہزار میل کی مسافت طے کرنی پڑتی،اس کی اجنبیت ہر گاؤں میں اپنے قد اور اپنی زبان کی وجہ سے بہت جلد ظاہر ہوجاتی لیکن اس خطرناک کام میں یحیٰ علی کی قابلیت پوری طرح بروئے کار آئی۔اس نے تمام راستے پر جماعت خانوں کا سلسلہ قائم کردیا۔اور ان کا انتظام معتبر مریدوں کے ہاتھوں میں رکھا۔اس نے جرنیلی سڑک کو مختلف حصوں میں تقسیم کردیا تھا۔اس طرح سرحدی کیمپ کو جانے والا ہر باغی مختلف صوبوں میں بے خطر چلا جاتا۔اس کو یقین تھا کہ ہر پڑاؤ پر اس کو ایسے دوست مل جائیں گے جو اس کے لئے چشم براہ ہیں۔جماعت خانے جو راہ میں پڑتے،ان کے منتظم مختلف طبقات کے لوگ تھے،مگر تمام کے تمام انگریزی حکومت کا تختہ الٹنے میں ہمہ تن مصروف۔ایک مقامی سازشی ان کا صدر ہوتا تھا۔ایسے اشخاص کے انتخاب میں بہترین مردم شناسی کا ثبوت دیا تھا۔کیونکہ ان میں سے کسی ایک نے بھی گرفتار ہونے کے خوف یا لالچ کی ترغیب سے اپنے تباہ شدہ امام کے خلاف گواہی دینے پر آمادگی ظاہر نہ کی۔'' (۱۳)

مقامی مبلغ اور امام ان تمام مسلمانوں سے جو جماعت سے تعلق رکھتے تھے،چار قسم کے چندے (ٹیکس) وصول کرتے تھے۔

(۱۲) علماء ہند کا شاندار ماضی جلد سوم ص ۲۹ (۱۳) ہمارے ہندوستانی مسلمان ص ۱۳۵

۱۔عشر۔یعنی مسلمان کاشتکاروں سے پیداوار کا دسواں حصہ۔

۲۔زکوٰۃ۔صاحب نصاب سے اس کے سرمایہ کا چالیسواں حصہ سالانہ۔

۳۔صدقہ فطر۔عید کے موقع پر ایک خاص صدقہ جس کی مقدار فی کس تقریباً پونے دو سیر گیہوں ہوتی ہے۔

۴۔متفرق امدادیں۔چٹکی۔یعنی صبح شام ہر ایک کھانے کے وقت ایک چٹکی آٹا۔

ڈاکٹر ہنٹر کا بیان ملاحظہ فرمائیے۔یہ بیان اگرچہ ایک خاص شخص کی کارگذاری سے متعلق ہے،مگر اس سے پورے مالی نظم کا نمونہ سامنے آجائیگا۔

ہنٹر کا بیان ہے:

''اس (مولانا عبدالرحمٰن اور ان کے بعد ان کے فرزند مولانا امیر الدین صاحب) کا روپیہ جمع کرنے کا انتظام بالکل سادہ اور مکمل تھا۔اس نے دیہاتوں کو مالی علاقوں میں تقسیم کردیا تھا۔اور ہر علاقے میں ایک محصل ٹیکس مقرر کیا۔پھر یہ افسر از خود ہر گاؤں میں ایک محصل ٹیکس مقرر کرتے اور ان کے جمع کئے ہوئے روپیہ کا حساب بھی لیتے۔پھر اس روپیہ کو ضلع کے مرکز میں بھیج دیتا۔اصولاً ہر گاؤں میں ایک محصل ٹیکس ضرور ہوتا۔جہاں آبادی بہت زیادہ ہوتی،وہاں زیادہ آدمیوں کو ملازم رکھ لیا جاتا اسے مقامات پر ایک امام ہوتا جو نماز باجماعت پڑھاتا،اور چندہ وصول کرتا۔امام کے علاوہ ایک جنرل منیجر ہوتا تھا۔جس کے ذمہ جماعت کی دنیاوی ضروریات کی خبر گیری ہوتی تھی۔اور ایک اور افسر تھا۔جو خطرناک خطوط اور اس نذرونیاز کو ساشیوں کو دی جاتی۔ منزل مقصود تک پہنچانے کے لئے ''قاصد'' مہیا کرتا۔'' (۱۴)

(۱۴) ہمارے ہندوستانی مسلمان ص ۱۱۹

بارھواں باب

۱۸۵۷ء کا غدر اور بہار کے علمائے کرام

حصہ اول کے باب ششم میں ۱۸۵۷ء کا غدر اور علمائے کرام میں آپ تفصیل سے مطالعہ کر چکے ہیں کہ ۱۸۵۷ء سے پہلے علمائے کرام نے انگریزوں کے خلاف باضابطہ تحریک چلائی۔ اور ان کو اس ملک سے بھگانے کے لئے پورے ملک کا دورہ کیا۔ جس کی وجہ سے عوامی بیداری پیدا ہوئی۔ حضرت سید احمد شہید، مولانا سید عبدالحئی، مولانا شاہ محمد اسماعیل اور مولانا سید نصیرالدین دہلوی نے پورے ملک کا دورہ کیا۔ اس میں بہار کے علماء نے بھی اہم رول ادا کیا۔ مولانا ولایت علی صادق پوری اور ان کے بھائی مولانا عنایت علی صادق پوری نے بہار، بنگال، حیدرآباد صوبوں کا دورہ کر کے عوامی بیداری پیدا کی۔ اور جذبہ آزادی کو شعلہ بنانے میں سرگرم حصہ لیا۔ مولانا ولایت علی نے شمالی ہند اور جنوبی ہند کا دورہ کیا۔ پھر آزاد قبائل کا دورہ کیا۔ اور وہاں آزاد مرکز بھی قائم کیا۔ مولانا ولایت علی صادق پوری اپنے دورہ میں حیدرآباد بھی گئے۔ پھر وہاں سے پٹنہ واپسی کا ارادہ کیا۔ برہان پور، جبل پور، ہرسنگھ پور، تندولی اور سیبونی وغیرہ کا دورہ کرتے ہوئے دو سال میں پٹنہ پہنچے۔ اور پھر انقلابی پارٹی کی تشکیل کی۔ مولانا عنایت علی صادق پوری نے بنگال کا دورہ کیا۔ وہاں سے سرحد پہنچے۔ مولانا ولایت علی کا قافلہ اس وقت کہنہ سرائے پنجاب میں ٹھہرا ہوا تھا۔ وہاں ان سے ملاقات کی اور پھر منگل تھانہ ہوتے ہوئے ستھانہ تشریف لے گئے۔ اس طرح بہار کے علماء نے ملک کے مختلف حصوں کا دورہ کر کے عوامی بیداری پیدا کرنے میں حصہ لیا۔

۱۸۵۷ء کا غدر صرف چند دنوں کی کوششوں کا نتیجہ نہیں تھا بلکہ یہ برسوں کی محنت کا نتیجہ تھا۔ جس کو تحریک مجاہدین کے علمائے کرام نے آگے بڑھایا۔ اور فوجیوں اور عوام وخواص کے لہجہ کے بدلنے میں اہم رول ادا کیا۔ ہندوستانی فوجیوں کو بغاوت پر اکسانے کے لئے ان مجاہدین علمائے کرام کی خفیہ سازش ہمیشہ جاری رہی۔ اس میں بہار کے علمائے کرام نے بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ اس سازش کے سلسلہ میں ڈاکٹر ہنٹر کی تحریر ملاحظہ ہو:

”۱۸۵۲ء کو انہوں نے خیال کیا کہ اپنے طے شدہ پروگرام کو عملی جامہ پہنانے کا مناسب وقت آگیا ہے۔ روپیہ اور آدمی ہمارے علاقہ سے ستیانا کیمپ کو متواتر جا رہے تھے۔ اس سلسلہ میں حکومت پنجاب نے ہماری فوج کے ساتھ سازشی خط وکتابت بھی پکڑ لی تھی یعنی انہوں نے کمال عیاری کے ساتھ ہماری نمبر ۴ دیسی پیادہ فوج کے ساتھ سازش کی تھی جو اس وقت راولپنڈی میں مقیم تھی اور متعصب نوآبادی کے بہت ہی قریب تھی۔ اگر وہ ہمارے صوبہ پر چڑھائی کرتے تو یہی رجمنٹ تھی۔ جو سب سے پہلے ان کے مقابلے کے لئے بھیجی جاتی۔ ان خطوط سے یہ بات پایہ ثبوت کو پہنچ گئی تھی کہ بنگال سے باغی کیمپ تک روپیہ اور آدمی پہنچانے کے لئے ایک باقاعدہ نظام موجود ہے۔ انہی دنوں پٹنہ کے مجسٹریٹ نے یہ رپورٹ دی کہ اس شہر میں باغی جماعت کے آدمیوں میں اضافہ ہو رہا ہے اور اس انگریزی صوبہ کے دارالخلافہ کے مجاہدین شہر میں بغاوت کی اعلانیہ تبلیغ کر رہے تھے۔ پولیس بھی ان ہی دیوانوں کی طرفدار تھی اور ان کے لیڈروں میں سے ایک نے اپنے مکان پر سات سو آدمی اس غرض کے لئے جمع کر رکھے تھے کہ اگر اس سلسلہ کی کوئی مزید تفتیش ہوئی تو اس کا مقابلہ ہتھیاروں سے کیا جائے۔“ (۱)

”سرحد پر مجنونوں کے کیمپ کو روپیہ اور آدمی پہنچانے کے لئے جو باغیانہ نظام قائم تھا، اس کی طرف سے انگریزی حکومت اب زیادہ دیر تک آنکھیں بند نہ کر سکتی تھی۔ لارڈ ڈلہوزی نے ۱۸۵۲ء کے موسم خزاں میں اس موضوع پر دو اہم یادداشتیں تحریر کیں۔ پہلی یادداشت میں لارڈ موصوف نے یہ حکم فرمایا تھا کہ اندرون ملک میں اس نظام کی پورے طور پر نگرانی کی جائے اور دوسری یادداشت میں ان قبائل کے ساتھ ایک سرحدی جنگ کی موزونیت پر بحث کی گئی تھی۔ جن کی کافروں کے ساتھ تو ہم پرستانہ نفرت کی آگ کو ہندوستانی دیوانوں نے ہوا

(۱) ہمارے ہندوستانی مسلمان ص ۳۷

دے کر خوب ہی بھڑکا دیا تھا۔اسی سال انہوں نے ہمارے حلیف ریاست امب کے نواب صاحب پر حملہ کر دیا۔جس کی وجہ سے انگریزی فوج بھیجنے کی ضرورت محسوس ہوئی۔ ۱۸۵۳ء میں ہمارے بہت سے سپاہی غداروں کے ساتھ خط وکتابت کرنے کے جرم میں سزا یاب ہوئے۔"(۲)

"میں ان بے عزتیوں، حملوں اور قتل وغارت کی تفصیلات میں جانا نہیں چاہتا جو ۱۸۵۶ء میں سرحدی جنگ کا باعث ہوئے۔اس دوران میں مذہبی دیوانوں نے سرحدی قبائل کو انگریزی حکومت کے خلاف متواتر اکسائے رکھا۔ایک ہی واقعہ تمام حالات کو واضح کر دیگا۔یعنی ۱۸۵۰ سے ۱۸۵۷ء تک ہم علیحدہ علیحدہ سولہ فوجی مہمیں بھیجنے پر مجبور ہوئے۔جس سے باقاعدہ فوج کی تعداد ۳۵ ہزار ہوگئی تھی۔اور ۱۸۵۶ء سے ۱۸۶۳ء تک ان مہمات کی گنتی بیس ۲۰ تک پہنچ گئی تھی اور باقاعدہ فوج کی مجموعی تعداد ساٹھ ہزار تک ہوگئی تھی۔بے قاعدہ فوج اور پولیس اس کے علاوہ تھی۔اس اثنا میں ستیانا کیمپ جو ہر وقت ہمارے خلاف سرحد میں تعصب کے جذبات کو ابھارتا رہتا تھا۔نہایت عقلمندی سے ہماری فوج کے ساتھ براہ راست مقابلہ کرنے سے گریز کرتا رہا۔لیکن ۱۸۵۷ء میں انہوں نے ہمارے خلاف عام اتحاد کی بنا ڈالی اور یہاں تک گستاخانہ دلیری سے کام لیا کہ انگریزی حاکموں سے بھی تخویف مجرمانہ میں مدد کرنے کا مطالبہ کرنے لگے۔چنانچہ ہمارے انکار کرنے پر وہ اس قدر برانگیختہ ہوگئے کہ ہمارے علاقہ پر چڑھ دوڑے اور لفٹنٹ ہورن (LIEVT HORN) کے کیمپ پر شبخون مارا۔جو اس علاقہ کا اسسٹنٹ کمشنر تھا اور اس نے بڑی مشکل سے اپنی جان بچائی۔اس کا بدلہ لینے کے لئے اب زیادہ دیر نہ کی جاسکتی تھی۔چنانچہ سر سڈنی کوٹن (SIR SIDNEY COTTON) پانچ ہزار فوج کی معیت میں پہاڑی علاقہ میں داخل ہوگیا۔چونکہ یہ جنگ ان جنگوں میں سب سے پہلی تھی جو اس جنونی کیمپ کی وجہ سے ہمیں لڑنی پڑیں۔اس لئے میں اس کو یہیں مختصراً بیان کئے دیتا ہوں۔اور دوسری لڑائی کو جو ۱۸۶۳ء میں ہوئی صرف بطور مثال

(۲) ہمارے ہندوستانی مسلمان ص ۳۷۔۳۸

پیش کروں گا۔کسی قدر وقت کے بعد جنرل سر سڈنی کوٹن کی فوج نے باغی اتحادیوں کے گاؤں کو جلا کر خاک کر دیا۔ان کے دو نہایت اہم قلعوں کو مسمار اور ستیانا کی باغی نوآبادی کو بالکل تہ وبالا کر دیا۔لیکن مجاہدین نے صرف یہ کیا کہ مہابن پہاڑیوں کی دشوار گزار وادیوں میں پیچھے ہٹ گئے اور ان کی قوت کو ذرا بھر بھی ضعف نہ پہنچنے پایا کیونکہ فوراً ہی ہمسایہ قبیلہ نے ملکا کے مقام پر انہیں ایک نوآبادی قائم کرنے کی اجازت دے دی۔"(۳)

سرگذشت مجاہدین میں مذکور ہے:

"مولانا عنایت علی نے انگریزی فوجوں میں بھی دعوت جہاد کا انتظام کر دیا تھا،جس کی تفصیلات تو معلوم نہ ہوسکیں،لیکن اس انتظام کی جھلکیاں مختلف سرکاری رپورٹوں میں نظر آتی ہیں۔مثلاً ریون شا کی رپورٹ میں بتایا گیا ہے کہ ۱۸۵۲ء میں کارفرمایان پنجاب کو باغیانہ خط وکتابت کا سراغ ملا اور معلوم ہوا کہ دیسی پیادہ فوج کی چوتھی رجمنٹ مقیم راولپنڈی کو راہ وفا سے منحرف کرنے کی کوشش کی گئی۔تحقیقات پر پتا چلا کہ تحریک بغاوت کا مرکز عظیم آباد کا محلہ صادق پور تھا،جو مولانا ولایت علی،مولانا عنایت علی اور ان کے اقربا کا وطن تھا۔لارڈ ڈلہوزی نے یہ رپورٹ دیکھ کر تاکید کی کہ اہل صادق پور کی سرگرمیوں کو بہ طور خاص زیر نگرانی رکھا جائے۔کچھ مدت بعد مذکورہ بالا رجمنٹ کے منشی محمد ولی پر مقدمہ چلا۔ ۱۲۔مئی ۱۸۵۳ء کو جرم ثابت ہوگیا،لیکن یہ معلوم نہ ہوسکا کہ منشی صاحب موصوف کو کیا سزا دی گئی۔"(۴)

"مالدہ مرکز کی بنیاد ہنٹر کے بیان کے مطابق ۱۸۴۰ء کے لگ بھگ پڑی تھی۔مولانا ولایت علی کے ایک خلیفہ عبدالرحمٰن لکھنوی تھے۔جنھوں نے ضلع مالدہ میں شادی کر لی۔ان کے لڑکے مولوی امیر الدین صاحب کے سلسلہ میں ہنٹر کا بیان ہے کہ مولوی صاحب کا حلقہ کار پورے ضلع مالدہ کے علاوہ متصلہ اضلاع میں سے مرشد آباد اور راج شاہی کے بعض حصوں پر بھی مشتمل تھا۔دریائے گنگا کے دونوں کناروں اور اس کے جزیروں میں بسنے والے مسلمان مولوی امیر الدین کو بہت عزت واحترام کی نظر سے دیکھتے تھے۔یہ بتانا مشکل ہے کہ مولوی

(۳) ہمارے ہندوستانی مسلمان ص ۳۸۔۴۰ (۴) سرگزشت مجاہدین ص ۲۹۱

صاحب نے کل کتنے آدمی فراہم کئے،لیکن مجاہدین کی ایک چوکی کے چارسوتیس آدمیوں میں سے کم وبیش دس فی صد موصوف ہی کے حلقے سے گئے تھے۔''(۵)

سرگذشت مجاہدین میں مزید مذکور ہے:

''نارنجی کی جنگ میں انگریزوں کی کامیابی وائلی کے بیان کے مطابق مجاہدین کے جوش وہمت پر اثر انداز نہ ہوسکی اور تین مہینے سے کم مدت کے اندر اندر انہوں نے ایک اور شبخون مارا۔یوسف زئی کا انگریز اسسٹنٹ کمشنر (مسٹر ہارن) دورہ کرتا ہوا شیخ جانا میں خیمہ زن تھا۔مجاہدین نے خدوخیل،نارنجی اور شیخ جانا کے باشندوں کی مدد سے اکتوبر ۱۸۵۷ء میں سخت شبخون مارا۔ڈاکٹر بیلیو کے بیان کے مطابق مولوی شریعت اللہ شبخون مارنے والے جیش کے سالار تھے۔اسسٹنٹ کمشنر بہ صد مشکل جان بچاکر بھاگا۔اس کے ساتھیوں میں سے پانچ مارے گئے اور پورا سامان مجاہدین کے ہاتھ آیا۔اس بنا پر انگریزوں نے ایک زبردست تادیبی مہم کی تیاری کی۔جس کا مدعا یہ تھا کہ مجاہدین کے تمام مرکزوں کو تباہ کرڈالا جائے۔چنانچہ تقریباً پانچ ہزار کا لشکر تیار کیا گیا۔میجر جنرل سرسڈنی کاٹن کو اس فوج کا سالار بنایا گیا۔''(۶)

تقی رحیم تحریر کرتے ہیں:

''۱۸۵۷ء میں ہندوستانی فوجیوں کی بغاوت میں وہابیوں کے رویے کے متعلق مورخوں کے خیال میں بہت اختلاف ہے۔کچھ لوگوں کا تو یہاں تک کہنا ہے کہ وہ نہ صرف اس بغاوت سے الگ تھلگ رہے بلکہ اس کے خلاف حکومت کی مدد بھی کی۔حالاں کہ وہابیوں کی تمام سرگرمیوں پر دھیان رکھتے ہوئے،اس پر یقین کرنا ممکن نہیں!دوسری طرف اس سوال پر وہابیوں کی دفاع کرنے والے حلقوں کی طرف سے کچھ اس طرح کی دلیلیں پیش کی جاتی ہیں؛جس سے اس بغاوت کی اصل اہمیت کم ہوجاتی ہے۔حقیقت یہ ہے کہ وہابیوں نے اس بغاوت کی مخالفت نہیں کی بلکہ جہاں تہاں حمایت ہی کی۔یہ صحیح ہے کہ پٹنہ کے مرکز نے اس بغاوت میں براہ راست حصہ نہیں لیا اور نہ اس

(۵)سرگزشت مجاہدین ص ۴۱۲ تلخیص (۶)سرگزشت مجاہدین ص ۳۰۵

سلسلے میں اپنی جماعت کی کوئی رہنمائی کی۔لیکن سرحد پر مجاہدین کی جماعت نے تو یقینی طور پر انگریزی فوجوں کو الجھائے رکھنے اور ان کے ناراض سپاہیوں کو استعمال کرنے کی پوری کوشش کی تھی۔یہ ایک دوسری بات ہے کہ اس معاملے میں وہاں انہیں کوئی خاص کامیابی حاصل نہیں ہوسکی۔

پھر اس حقیقت سے کیسے انکار کیا جاسکتا ہے کہ وہابیوں نے ۱۸۳۹ء کے پہلے ہی سے کمپنی کے ہندوستانی فوجیوں سے رابطہ پیدا کرکے ان میں انگریزوں کے خلاف بے زاری اور برہمی کے جذبات ابھارنے کا کام شروع کردیا تھا۔جسے اپنی جہادی حکمت عملی کا ایک لازمی پہلو سمجھ کر انہوں نے برابر جاری رکھا اور جس سے ۵۷ء کے باغی رہنماؤں نے پورا فائدہ اٹھایا۔افسوس ہے کہ اس پہلو پر کوئی خاص تحقیقاتی کام نہیں ہوا ہے۔پھر بھی ڈاکٹر قیام الدین نے اپنی کتاب وہابی تحریک کے ایک باب میں خصوصی طور سے اسی سوال پر روشنی ڈالی ہے۔اس کے ماسوا صرف پٹنہ مرکز کی عدم شرکت کی وجہ سے اس کے ہمدردوں کی ان خدمات اور قربانیوں کو نظر انداز نہیں کیا جاسکتا جو انہوں نے ملک کے دوسرے مقامات پر اس بغاوت کی حمایت میں دیں۔''(۷)

مزید تحریر کرتے ہیں:

''اس طرح سے غور کرنے کے بعد کوئی بھی ایماندار آدمی اس سچائی سے انکار نہیں کرسکتا کہ غدر کے چالیس برس پہلے ہی سے بہار اور اتر پردیش کے مسلمانوں کے دلوں میں سید احمد شہید اور ان کے رفقاء انگریزوں کے خلاف نفرت اور غصے کی جو آگ بھڑکاتے چلے آرہے تھے وہ ۵۷ء کے غدر کے موقع پر جوالا مکھی کی صورت میں ابل پڑی۔''(۸)

گذشتہ صفحات میں آپ نے مطالعہ کیا کہ ۱۸۵۷ء تک مجاہدین کے بہت سے اہم مراکز تباہ ہوچکے تھے۔ صرف ایک اہم مرکز پٹنہ کے صادق پور کا تھا جس میں کام جاری تھا۔اس مرکز میں مجاہدین کے ساز وسامان تھے،ان کے نام ومقامات تھے،معاونت کرنے والے حضرات کے سلسلہ میں معلومات اور دیگر ضروری تفصیلات تھے۔یہیں سے

(۷)تحریک آزادی میں بہار کے مسلمانوں کا حصہ ص ۶۸
(۸)تحریک آزادی میں بہار کے مسلمانوں کا حصہ ص ۶۸

سازوسامان، رقم اور مجاہدین دیگر مقامات پر فراہم کئے جاتے تھے۔ ۱۸۵۷ء کا غدر ہوا اس وقت پٹنہ کو چھوڑ کر ملک مختلف مقامات پر انگریزوں کے خلاف جنگ جاری تھی۔ اور بہار کے علماء ان مقامات پر انگریزوں کے خلاف جہاد میں حصہ لے رہے تھے۔ صرف پٹنہ کے صادق پور مرکز کو بچانے کے لئے پٹنہ میں کسی قسم کی سرگرمی سے باز رہے۔ پٹنہ کا صادق پور مرکز بھی سرگرم ہوتا تو اس کا نتیجہ یہ ہوتا کہ سارے ساز وسامان ضبط ہوجاتے ۔سینکڑوں مجاہدین شہید ہوجاتے ۔سینکڑوں جیل میں بند ہوتے ۔ دیگر مقامات پر جو کام جاری تھا وہ بند ہوجاتا۔ مذکورہ بالا اقتباسات میں ڈاکٹر ہنٹر، ڈاکٹر بلیو کی تحریر کو آپ نے پڑھا کہ پٹنہ کو چھوڑ کر دیگر مقامات پر کس طرح علمائے بہار انگریزوں کے خلاف سازش کررہے تھے۔ اور جنگ کررہے تھے۔

تقی رحیم تحریر کرتے ہیں:

> ’’اس تحریک کا مثبت پہلو یہ ہے کہ بہار کے مسلمانوں کو آج بھی اس کا احساس اور فخر ہے کہ اس وقت جب کمپنی کی حکومت کے ڈر اور ہیبت سے سارے ملک میں سناٹا چھایا ہوا تھا تو اس وقت ہمارے بہار ہی کے بزرگوں نے اس کے اقتدار کو اس عروج واقبال کے دور میں چیلنج کرنے کی ہمت کی تھی بلکہ یہ فخر و احساس بہار کے مسلمانوں کے مزاج کا خمیر بن چکا ہے۔ جس کا اظہار ہماری اجتماعی زندگی کے ہر گام پر نامحسوس طریقے سے ہوتا رہتا ہے۔ اس طرح سے بہار کے مسلمانوں کی اجتماعی زندگی میں ان پاک مجاہدوں کی قربانی کی روح کسی نہ کسی صورت میں ابھی تک جلوہ گر ہے۔‘‘ (۹)

---

(۹) تحریک آزادی میں بہار کے مسلمانوں کا حصہ ص ۷۲

تیرھواں باب

بہار میں تحریک مجاہدین کے علمائے کرام

۱۔ مولانا ولایت علی صادق پوری

مولانا ولایت علی کے والد کا نام مولانا فتح علی تھا۔ آپ کی ولادت ۱۲۰۵ھ/۱۷۹۰ء میں ہوئی۔ چار برس کی عمر میں مکتب میں بیٹھائے گئے۔ پھر آپ کے والد بزرگوار نے آپ کو درس دینا شروع کیا۔ بارہ برس کی عمر میں فراغت حاصل کرلی۔ مزید علوم کی تحصیل کے لئے لکھنؤ گئے۔ مولانا اشرف علی استاذ معقول ومنقول کی خدمت میں تشریف لے گئے، اور تقریباً چار سال ان کی صحبت سے فیضیاب ہوئے۔ آپ کے لکھنؤ قیام کے زمانہ میں حضرت سید احمد بریلویؒ لکھنؤ میں رونق افروز ہوئے۔ مولانا محمد اشرف علی، حضرت سید صاحب سے ملاقات کیلئے تشریف لے گئے۔ ان کے ساتھ مولانا ولایت علی بھی گئے۔ مولانا ولایت علی حضرت سید صاحب سے بیعت ہوگئے، پھر مولانا ولایت کا رنگ بدل گیا اور اپنے مرشد کے ساتھ رہنے لگے۔ چنانچہ آپ بریلی قیام کے دوران مولانا اسمٰعیل شہیدؒ کی جماعت میں بھرتی ہوگئے۔ اور انہیں سے حدیث بھی پڑھا کرتے تھے۔ مولانا ولایت علی ہی کی تحریک پر آپ کے گھر کے تمام لوگ حضرت سید بریلویؒ سے بیعت ہوئے۔

حضرت سید احمد بریلویؒ نے وطن اور اہل وطن کی آزادی کے لئے ہجرت کیا تو ان کے ساتھ مولانا ولایت علی بھی تھے۔ جب سید صاحب نے آزاد قبائل میں آزاد مرکز قائم کرلیا تو مولانا ولایت علی صاحب سفارت کابل کے لئے نامزد کئے گئے۔

سید صاحب نے شمالی ہند کا دورہ کیا تھا۔ جنوبی ہند میں صرف بمبئی چندروز قیام فرمایا۔ حیدرآباد، مدراس وغیرہ کہیں نہیں جاسکے تھے۔ آزاد قبائل میں آزاد مرکز قائم کرنے کے بعد اس کمی کی تلافی کا ارادہ کیا۔ چنانچہ مولانا

ولایت علی صاحب کابل سے واپس ہوئے تو آپ کو حیدرآباد اور مولانا محمد علی رام پوری کو مدراس کے لئے مامور کیا گیا۔ یہ حضرات حضرت سید صاحب کی جدائی سے آزردہ ہوئے تو آپ نے فرمایا ''مولانا ہم آپ کو تخم کرکے اٹھاتے ہیں''۔ حیدرآباد میں آپ کی تحریک کامیاب رہی۔ نواب ناصر الدولہ کا دور حکومت تھا۔ ناصر الدولہ کے بھائی مبارز الدولہ نے مولانا ولایت علی صاحب کی دعوت قبول کرلی۔ جس کے نتیجہ میں مبارز الدولہ کو نظر بند کردیا گیا۔ حیدرآباد کے حالات نامناست تھے، اس لئے مولانا ولایت علی حیدرآباد سے بمبئی تشریف لے گئے۔ اسی درمیان بالاکوٹ کی لڑائی کا حادثہ رونما ہوگیا۔ اس حادثہ کے بعد پہلے آپ نے پٹنہ کا ارادہ کیا۔ برہان پور، جبل پور، برسنگھ پور، کندولی اور سیبونی وغیرہ کا دورہ کرتے ہوئے دوسال میں پٹنہ پہنچے اور پھر سے انقلابی پارٹی کی تشکیل شروع کی۔ اس کا مرکز صادقپور (عظیم آباد) قرار پایا۔

پارٹی کے ارکان کے کام اوران کے علاقہ معین کردیئے گئے تھے جیسا کہ مسٹر ہنٹر نے اپنی کتاب میں مولانا ولایت علی صاحب کے سلسلہ میں تحریر کیا ہے:

''مولانا ولایت علی صاحب جو اس جماعت کے امیر کی حیثیت رکھتے تھے اور عام طور پر ان کو بڑے صاحب کہا جاتا تھا (۱) تحریک کی عمومی نگرانی (۲) بیرونی ممالک سے رابطہ آپ کے فرائض تھے (۳) اور جب آپ کا قیام پٹنہ میں ہوتا، نواب فخر الدین کی مسجد میں نماز جمعہ کی امامت کے بعد تقریر آپ کے ذمہ تھی اور جمعہ کے علاوہ اور باقی دنوں میں مذکورہ بالا پروگرام جاری رہتا تھا۔'' (۱)

حضرت سید صاحب کے بعد تحریک مجاہدین کی قیادت مولانا ولایت علیؒ نے کی۔ بالاکوٹ کی دوسری لڑائی میں مولانا ولایت علی بھی شامل تھے۔ یہ لڑائی گلاب سنگھ حلیف انگریز کے ساتھ بالاکوٹ میں لڑی گئی تھی۔ پہلے آپ نے اپنے بھائی مولانا عنایت علی کو پانچ سو مجاہدین کے ساتھ بھیجا۔ پھر خود بالاکوٹ پہنچے اور مجاہدین کی کمان سنبھالی۔

اس جنگ میں گلاب سنگھ کو شکست ہوئی۔ لیکن انگریزوں کی ریشہ دوانیوں کی وجہ سے اپنے لوگوں نے بے وفائی کی۔ اور وہابی کہہ کر انگریزوں نے نفرت پیدا کرکے بالاکوٹ کے نواب سید ضامن شاہ اور سرحدی پٹھان کو بھڑکا

(۱) ہمارے ہندوستانی مسلمان ص ۹۹

دیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ مقامی حضرات مجاہدین کے مخالف ہوگئے۔ بہت سے مجاہدین کو شہید کردیا۔ بالاکوٹ کے علاقہ میں اس قتل عام کے بعد مولانا ولایت علی نے علاقہ سوات کا قصد کیا۔ راستہ میں انگریز حکومت کا علاقہ پڑتا تھا۔ مولانا ولایت علی صاحب لشکر مجاہدین کے ساتھ جب اس علاقہ میں پہنچے تو انگریزی فوجوں نے یکا یک محاصرہ کرلیا۔ مولانا عبدالرحیم صادقپوری تحریر کرتے ہیں:

''آپ حضرات نے افسران فوج سے راہ داری چاہی اور افسران نے انگریزی عملداری سے بامن وامان گذرنے کی تحریری اجازت بھیج دی۔ مگر جب یہ حضرات مجاہدین ولشکر روہیلہ سرکاری عملداری میں پہنچے تو انگریزی فوجوں نے دفعتہ ان کا محاصرہ کرلیا۔ راہ داری کے پروانے دکھائے گئے تو کہہ دیا گیا کہ سرکار کمپنی (گورنر جنرل اور اس کی کونسل) نے ان کی منظوری نہیں دی ہے۔ یہ ان افسروں کی ذاتی تحریریں تھیں جن کے وہ خود ذمہ دار ہوسکتے تھے مگر ان کا تبادلہ ہوچکا ہے'' (۲)

چنانچہ مصلحت کا تقاضا تھا کہ ہتھیار ڈال دیا جائے۔ مولانا ولایت علی نے ہتھیار ڈال دیا۔ چنانچہ مولانا مجاہدین کے دستوں اور روہیلہ فوج کے ساتھ لاہور کی طرف روانہ کردیئے گئے۔ پھر وہاں سے مجاہدین کے ساتھ پٹنہ واپس لوٹے۔

مولانا ولایت علی کو پٹنہ سے باہر جانے پر پابندی تھی، اور اس سلسلہ میں ایک مچلکہ لکھایا گیا تھا۔ اس کے تحت مولانا پٹنہ سے باہر نہیں جاسکتے تھے۔ لیکن جیسے ہی مچلکہ کی مدت پوری ہوئی مرکز ستھانہ کے لئے ہجرت کرگئے۔ ابھی وہاں تیاری ہی چل رہی تھی کہ آپ ۱۸۵۲ء میں آپ کا وصال ہوگیا۔ اور ستھانہ میں دفن کئے گئے۔ (۳)

۲۔ مولانا عنایت علی صادق پوری

مولانا عنایت علی صادقپوری کے والد کا نام مولانا فتح علی تھا۔ آپ کی ولادت ۸۔۱۲۰۷ھ بمطابق ۹۰۔۱۸۸۹ء میں ہوئی۔ حسب دستور فارسی وغیرہ ایک معلم سے پڑھ کر نحو وصرف کی تعلیم اپنے والد سے حاصل کی۔ اس کے بعد قطب عصر مولانا سید محمد مسافر کی خدمت بابرکت میں بغرض استفادہ بیٹھائے گئے اور باقی مختصرات وتفاسیر واحادیث کی تعلیم مولانا ہی سے حاصل کی۔ جب حضرت سید احمد بریلویؒ حج سے واپسی کے بعد

(۲) الدر المنثور ص ۱۲۴ (۳) سوونیئر مجاہدین صادقپور ص ۱۷ تذکرہ علمائے بہار جلد اول ص ۴۴

پٹنہ تشریف لائے، تو آپ نے اپنے خاندان کے تمام افراد کے ساتھ حضرت سید احمد بریلوی سے شرف بیعت کے بعد حضرت سید احمد شہیدؒ کے قافلہ میں شریک ہوکر محاذ جنگ پر گئے۔ کچھ عرصہ کے بعد ایک عالم نے اس تحریک کے خلاف پروپگنڈہ شروع کیا، تو ایک مشاہد کی حیثیت سے پروپگنڈہ کی تردید کے لئے سید صاحب نے آپ کو دہلی بھیجا۔ اسی درمیان حادثہ بالاکوٹ ہوگیا۔

حضرت سید صاحب کی شہادت کے بعد جب مولانا ولایت علی صاحب نے زمام قیادت سنبھالا تو آپ ان کے سب سے بڑے معتمد اور عملی جدوجہد میں دست راست بلکہ روح رواں تھے۔ آپ نے تقریباً سات سال تک بنگال کا دورہ کرکے وہ انتظام قائم کیا کہ تقریباً چالیس سال تک مجاہدین سرحد کے لئے آدمی اور روپے فراہم کیا جاتا رہا۔

آپ نے مولانا شریعت اللہ صاحب کے ماننے والوں کو جو فرازی کہلاتے تھے، تحریک مجاہدین میں شامل کرلیا۔ ساتھ ہی نثار احمد عرف ٹیٹو میاں کے ساتھیوں کو بھی اپنی تحریک میں شامل کرلیا۔ آپ بنگال ہی میں تھے کہ سید ضامن شاہؒ کی درخواست پر بالاکوٹ کے لئے مجاہدین کی تیاری شروع ہوئی۔ مولانا ولایت علیؒ نے آپ ہی کو قائد منتخب کیا۔ چنانچہ مولانا عنایت علی کی قیادت میں مجاہدین کی فوج روانہ ہوئی۔ پھر مولانا ولایت علی خود بھی وہاں پہنچ گئے۔

مولانا ولایت علی صاحب گرفتار کرکے واپس کئے گئے تو آپ بھی ساتھ تھے، کچھ دنوں پٹنہ میں قیام کرکے پھر بنگال پہنچے۔ ۱۸۵۰ء میں مولانا ولایت علی صاحب نے دوبارہ سرحد کا قصد کیا تو آپ بھی بنگال سے روانہ ہوکر مولانا ولایت علی کے قافلہ میں پہنچ گئے۔ اس وقت مولانا کا قافلہ کہنہ سرائے پنجاب میں ٹھہرا ہوا تھا۔

سوات پہنچ کر کچھ دنوں تک اپنے بڑے بھائی مولانا ولایت علی کے ساتھ رہے۔ پھر جدا ہوکر اپنا مورچہ الگ لگالیا۔

مولانا ولایت علی کے انتقال کے بعد مولانا عنایت علی منگل تھانہ سے ستھانہ تشریف لے آئے، جو مجاہدین کا مستقر اور ہیڈکوارٹر تھا۔ یہاں تمام لوگوں نے آپ کو امیر منتخب کیا اور آپ کے ہاتھ پر بیعت کی۔

آپ نے جیسے ہی زمام قیادت سنبھالی۔ انگریزوں کے حلیف جہاں دادخاں والی امب پر حملہ کرنے کا منصوبہ بنانا شروع کردیا۔ آپ کا یہ حملہ کامیاب ہوا۔ جہاں دادخاں کی قوت ٹوٹ گئی۔ انگریزوں کو بار بار امداد کے لئے فوجیں بھیجنی پڑیں جو ناکام رہیں۔

"۱۸۵۷-۵۸ء کے دوران مولانا عنایت علی کی قیادت میں وہابی تحریک کے مجاہدین کی فوجی ٹکریوں نے انگریزوں کی فوجی چھاؤنیوں پر حملے جاری رکھے۔ مگر اس جنگ کے سخت فوجی

احتیاطی اقدام کے طور پر دریا پار کرنے کے مقامات پر چوکسی تیز کردی۔ اور برطانوی ہند کے علاقہ سے رضاکاروں کی آمد اور مالی امداد کی فراہمی میں دقت پیدا ہوئی تھی۔ اور اس امداد کا آنا بند ہوگیا تھا۔ اس طرح وادی گنگا کے زرخیز میدانی علاقوں سے رضاکار اور مالی امداد کی فراہمی کا سلسلہ کمزور ہوگیا۔ اور شمال مغربی سرحد کی سنگلاخ گرم چوٹیوں پر آباد وہاں مملکت کا پودا مرجھانے لگا۔ ان صبر آزما حالات میں جب کہ غلہ کی فراہمی کی صورت نہ تھی اور عنایت علی اور ان کے رفقاء درختوں کے پتے اور چھال کھا کر پیٹ کی بھوک مٹا رہے تھے۔ انہوں نے انگریزوں کے خلاف جنگ جاری رکھی بالآخر مارچ ۱۸۵۸ء میں چنگلی کے مقام پر عنایت علی کا انتقال ہوگیا اور اسی جگہ دفن کردیئے گئے"(۴)

۳۔ مولانا فرحت حسین صادق پوری

مولانا فرحت حسین کی پیدائش ۱۲۲۶ھ/۱۸۱۱ء کو ہوئی۔ آپ مولانا فتح علی صادقپوری کے صاحبزادے اور مولانا ولایت علی صادقپوری (م۔۱۲۶۹ھ/۱۸۵۲ء) و مولانا عنایت علی صادقپوری کے بھائی تھے۔ آپ اپنے والد کے ساتھ حضرت سید احمد شہید کی خدمت میں رائے بریلی حاضر ہوئے تھے کہ سید صاحب کے ساتھ ہجرت کریں۔ لیکن حضرت سید صاحب نے ان کے والد کی ضعیفی کی وجہ سے ان کو پٹنہ واپس کردیا۔ تکمیل علم کے بعد مراحل سلوک طے کئے۔ اور تبحر علمی کے ساتھ روحانی کمالات میں اعلیٰ مقام حاصل کیا۔ آپ فن سپہ گری میں بھی اعلیٰ مہارت رکھتے تھے۔ بہترین شہسوار، اعلیٰ درجہ کے قدرانداز، اڑتی چڑیا پر بھی آپ کا نشانہ خالی نہیں جاتا۔ بنوٹ وغیرہ میں ایسے چابکدست کہ آپ اپنے پائیں باغ میں کرسی پر بیٹھ جاتے، ہاتھ میں گدکا لیتے، کھلاڑی لڑکے سب طرف سے حملے کرتے اور آپ ہر ایک کی کاٹ کرکے اس پر حملہ کردیتے۔ کنویں کے منہ پر ایک فٹ چوڑا تختہ رکھوا کر اس پر کھڑے ہوجاتے، سب طرف سے آپ پر ڈھیلے برسائے جاتے، مگر آپ سب کا وار خالی کردیتے۔ ایک ڈھیلہ بھی بدن پر نہ لگنے دیتے۔ علم تقویٰ اور شجاعت و سپہ گری کے ساتھ آپ بہترین منتظم اور دوراندیش مدبر تھے۔

۱۸۵۰ء میں مولانا ولایت علی کا قافلہ دوبارہ ہجرت کے لئے روانہ ہوا، تو صادقپور کا مرکز آپ نے اپنے بھائی مولانا

(۴) سونیئر مجاہدین صادقپور ص ۱۷، تذکرہ علمائے بہار جلد اول ص ۱۴۸

فرحت حسین صادقپوری کے حوالے کیا۔ تقریباً آٹھ سال تک مرکز آپ کے زیر نگرانی اسی شان سے سرگرم عمل رہا۔

ولیم ولسن ہنٹر ۱۸۵۷ء میں پٹنہ کے صادقپور کی حالت پر روشنی ڈالتے ہوئے تحریر کرتے ہیں:

''انہیں دنوں پٹنہ کے مجسٹریٹ نے یہ رپورٹ دی کہ اس شہر میں باغی جماعت کے آدمیوں میں اضافہ ہو رہا ہے۔ اور اس انگریزی حکومت کے دارالخلافہ کے مجاہدین شہر میں بغاوت کی علانیہ تبلیغ کر رہے ہیں۔ پولیس بھی انہیں دیوانوں کی طرفدار تھی' اور ان کے لیڈروں میں سے ایک نے اپنے مکان پر سات سو آدمی اس غرض سے جمع کر رکھے تھے کہ اگر اس سلسلہ میں کوئی مزید تفتیش ہوئی تو اس کا مقابلہ ہتھیار سے کیا جائے گا۔(۵)

پٹنہ مرکز کے سلسلہ میں مسٹر ہنٹر کی تحریر ملاحظہ ہو:

''پٹنہ کے خلفاء جوان تھک واعظ' خود اپنے آپ سے بے پرواہ، بے داغ زندگی بسر کرنے والے انگریز کافروں کی حکومت کو تباہ کرنے میں ہمہ تن مصروف، پیسہ اور رنگروٹ جمع کرنے کے لئے ایک مستقل نظام قائم کرنے میں نہایت چالاک تھے۔ وہ اپنی جماعت کے اراکین کا نمونہ اور ان کے لئے ایک مثال تھے۔ ان کی بہت سی تعلیم بے عیب تھی۔ اور یہ انہی کا کام تھا کہ انہوں نے اپنے ہزاروں ہم وطنوں کو بہترین زندگی بسر کرنے اور اللہ تعالی کے متعلق بہترین تصور پیدا کرنے کی ترغیب دی۔(۶)

پٹنہ مرکز کے سلسلہ میں مزید لکھتے ہیں:

''ہر ایک ضلع کے مبلغین' متعصب لوگوں کے گروہ دارالاشاعت میں بھیجتے۔ ان میں سے اکثر کو جن کے جوش کو پٹنہ کے لیڈر اور بھی بھڑکا دیتے تھے، چھوٹے چھوٹے گروہوں کی شکل میں سرحدی کیمپ کی طرف روانہ کر دیا جاتا۔ ان میں سے زیادہ ہوشیار نوجوانوں کو زیادہ دیر تک زیر تربیت رکھنے کے لئے منتخب کر لیا جاتا تھا۔ اور وہ باغیانہ اصولوں سے اچھی طرح واقف ہو جاتے تھے تو ان کو ان کے صوبے کی طرف سے ایک واعظ یا مذہبی کتب فروش کی

(۵) ہمارے ہندوستانی مسلمان ص ۳۷ (۶) ہمارے ہندوستانی مسلمان ص ۱۰۱

حیثیت سے واپس کر دیا جاتا۔''(۷)

''پٹنہ کے مجسٹریٹ نے لکھا تھا کہ ان لوگوں نے ہمارے گنجان آباد ضلعوں کے ہر ایک گاؤں میں خود حکومت کے افسروں کی زیر حفاظت اور زیر سایہ علانیہ بغاوت کی تبلیغ کی۔ مسلمان آبادی کے دلوں کو بیقرار کیا اور فتنہ و فساد کے لئے ایسا حیرت انگیز اقتدار حاصل کیا جیسا کہ ظاہر ہے۔''(۸)

غرض پٹنہ مرکز کے ذمہ داروں نے خاموش طور پر افراد کی تربیت کی۔ حضرت مولانا ولایت علی اور مولانا عنایت علی نے جو راستہ مقرر کیا تھا، مولانا فرحت حسین صادقپوری نے اس مرکز کو اسی انداز پر آگے بڑھایا۔ اور مجاہدین کو تیار کر کے سرحدی علاقہ میں بھیجنے کا کام کیا۔ ساتھ ہی مالیہ کی فراہمی کے لئے جو طریقہ متعین کیا گیا تھا، اسی انداز پر اس کو انجام دے کر سرحدی علاقوں کے لئے مالیات بہم پہنچانے میں اہم رول ادا کیا۔

۱۸۵۸ء میں آپ کا وصال ہو گیا۔

۴۔ مولانا احمد اللہ صادق پوری

مولانا احمد اللہ صادقپوری کے والد کا نام مولوی الہی بخش جعفری تھا۔ آپ کی ولادت ۱۸۰۸ء کو ہوئی۔ ابتدائی کتابیں مولانا ولایت علی سے پڑھیں۔ پھر مولانا منصور علی سے تحصیل علم کیا۔ حدیث کی سند مولانا ولایت علی سے حاصل کی۔ فراغت کے بعد درس و تدریس کا سلسلہ شروع کیا۔ آپ کے حلقہ درس سے جید علماء نے فیض حاصل کیا۔

انگریزی حکومت کے خلاف سازش و بغاوت کرنے والوں میں مولانا احمد اللہ صادقپوری بھی تھے۔ ۱۸۶۴ء میں مولانا یحیی علی صادقپوری گرفتار کئے گئے اور ۱۸۶۶ء میں انڈمان بھیجے گئے، تو ان کے بڑے بھائی مولانا احمد اللہ صادقپوری نے کام سنبھالا۔ مولانا احمد اللہ ذہین، ذکی اور نہایت ہی عقلمند تھے۔

مولانا احمد اللہ صادقپوری کے بارے میں مولانا عبدالرحیم صادقپوری اپنی کتاب ''الدر المنثور'' میں تحریر کرتے ہیں:

''آپ کی عقل و دانش کا اس قدر شہرہ تھا کہ گورنمنٹ انگریز بھی آپ سے اکثر رفاہ عام کے کاموں میں مشورہ لیا کرتی تھی۔ آپ برابر کمیٹی کے ممبر رہا کرتے تھے۔ آپ حکام رس تھے۔ اور جلسہ وائے سرائے بہادر میں درجہ اول میں شمار ہوتے تھے۔ اکثر مقدمات جو رعایا

(۷) ہمارے ہندوستانی مسلمان ص ۱۰۳ (۸) ہمارے ہندوستانی مسلمان ص ۷۵

اور گورنمنٹ کے درمیان اراضی کے متعلق ہوتے مثلاً کوئی زمین حکومت کو خریدنی، اس کی قیمت کا فیصلہ آپ ہی کے سپرد ہوتا تھا۔ اور آپ اس خوبی سے فیصلہ فرماتے کہ حاکم اور محکوم کے دونوں راضی ہوجاتے۔ جب انکم ٹیکس کا نیا نیا بندوبست حکومت کی طرف سے شروع ہوا، اس وقت چار اسیسر دو ہندو، دو مسلمان نہایت ہی دیانت دار منتخب کر کے سرکار کی طرف سے اس میں مقرر کئے گئے۔ آپ کا ان میں نمبر اول تھا۔ کسی مقدمہ میں اگر جج سے اختلاف رائے ہوتا تو مقدمہ صدر سے آپ ہی کی رائے پر فیصل ہوتا۔ کیونکہ آپ کی تحریر ایسی مدلل اور زور دار ہوتی کہ حکام بالا کو تسلیم کے بغیر کوئی چارہ نہیں ہوتا تھا۔ حکومت میں آپ کا اثر ورسوخ یہاں تک بڑھا ہوا تھا کہ ۱۸۵۷ء کے سلسلہ میں مسٹر ٹیلر کمشنر پٹنہ نے آپ کو گرفتار کر کے نظر بند کر دیا تھا۔ تین مہینے آپ نظر بند رہے، مگر جب حکومت بالا دست کی توجہ اس طرف منعطف کرائی گئی تو نہ صرف یہ کہ آپ کی رہائی کے فوری احکام صادر ہوئے بلکہ مسٹر ٹیلر کمشنر پٹنہ کو برخاست بھی کر دیا گیا۔ (۹)''

انگریزی حکومت کے خلاف سازش وبغاوت کے سلسلہ میں مجاہدین کے بہت سے مراکز تھے۔ ان میں پٹنہ کا مرکز سب سے زیادہ حساس تھا۔ اسلئے حکومت وقت کی پٹنہ مرکز پر خصوصی توجہ تھی۔ مسٹر ہنٹر نے اپنی مشہور کتاب ''ہمارے ہندوستانی مسلمان'' میں لکھا ہے:

''سازشیوں کے لئے سب سے زیادہ خطرناک کام پٹنہ کے دارالاشاعت سے جس کو وہ اپنی خفیہ زبان میں چھوٹا مال گودام کہتے تھے مجاہدین کے سرحدی کیمپ تک جس کو وہ بڑا مال گودام کہتے تھے رنگروٹوں کو پہنچانا تھا۔ ایک بنگالی وہابی سے راستہ میں ہزاروں تکلیف دہ سوالات پوچھنے کا احتمال تھا۔ شمال مغربی صوبے اور پنجاب کے وسیع علاقے میں اس کو تقریباً دو ہزار میل کی مسافت طے کرنی پڑتی، اس کی اجنبیت ہر گاؤں میں اپنے قد اور اپنی زبان کی وجہ سے ظاہر ہوجاتی لیکن اس خطرناک کام میں یحیٰی علی کی قابلیت پوری طرح بروئے کار آئی۔ اس نے تمام راستے پر جماعت خانوں کا سلسلہ قائم کردیا اور ان کا انتظام معتبر مریدوں کے ہاتھوں میں رکھا اس

(۹) الدر المنثور ص ۱۵۴

نے جرنیلی سڑک کو مختلف حصوں میں تقسیم کر دیا تھا۔ اس طرح سرحدی کیمپ کو جانے والا ہر باغی مختلف صوبوں میں بے خطر چلا جاتا۔ اس کو یقین تھا کہ ہر پڑاؤ پر اس کو ایسے دوست مل جائیں گے جو اس کیلئے چشم براہ ہیں۔ جماعت خانے جو راہ میں پڑتے، ان کے منتظم مختلف طبقات کے لوگ تھے۔ مگر تمام کے تمام انگریزی حکومت کا تختہ الٹنے میں ہمہ تن مصروف اور ایک مقامی سازشی ان کا صدر ہوتا تھا۔ یحیٰی علی نے ایسے اشخاص کے انتخاب میں اپنی مردم شناسی کا بہترین ثبوت دیا تھا۔ کیونکہ ان میں سے کسی ایک نے بھی گرفتار ہونے کے خوف یا لالچ کے ترغیب سے اپنے تباہ شدہ امام کے خلاف گواہی دینے پر آمادگی ظاہر نہ کی۔'' (۱۰)

بغاوت کی سازش کے لئے ۱۸۶۵ء میں مولانا احمداللہ صادقپوری پر مقدمہ چلایا گیا۔ مولانا کا جرم یہ تھا کہ جب مولانا یحیٰی علی صادقپوری پر انبالہ سازش کیس چلایا گیا، تو اس دوران موصوف نے مرکز صادقپور کے کاموں کو سنبھالا۔ اسی وجہ سے ان پر بغاوت کا مقدمہ قائم کیا گیا، اور فرضی گواہی کی بنیاد پر ضبطی جائیدار کے علاوہ پھانسی کا فیصلہ سنایا گیا۔ پھر مولانا کی تمام جائداد ضبط کرلی گئی۔ احاطہ صادقپور کے تمام مکانات منہدم کر دیئے گئے۔ قبرستان کی قبریں اکھاڑ کر پھینک دی گئیں۔ ایک نہایت قیمتی اور نادر کتب خانہ تھا وہ ضبط کر کے برباد کر دیا گیا۔ ضبط شدہ اور مسمار کردہ ان احاطہ کو میونسپلٹی کو عطا ہوا، جہاں پٹنہ سیٹی میونسپلٹی ہے۔

۵۔ مولانا عبداللہ صادق پوری

مولانا عبداللہ کی ولادت ۱۲۴۶ھ میں ہوئی۔ آپ مولانا ولایت علی کے صاحبزادے تھے۔ آپ کی والدہ حیدر آباد کے ایک رئیس مرزا واحد بیگ کی صاحبزادی تھیں۔ مولانا ولایت علی کی جہادی اور اولوالعزمی اس رشتہ کا سبب بنی۔ جہاد وانقلاب کی تیاریوں کے دور ہی میں آپ کی ولادت ہوئی۔ سفر وحضر میں ہمیشہ والد کے ساتھ رہے۔ پندرہ سال کے تھے کہ والد کے ساتھ پکھلی اور بالاکوٹ کے جہاد میں عملی طور پر شریک ہوئے۔ مولانا ولایت علی نے دوبارہ ہجرت کی تو مولانا عبداللہ صاحب آپ کے ساتھ تھے۔ اور فوجی نظم وضبط آپ کے سپرد تھا۔ مولانا عنایت علی صادقپوریؒ کے دور امارت ۱۸۵۲ء تا ۱۸۵۸ء میں دو تین سال ان کے ساتھ رہے۔ پھر چھوٹے چچا مولانا فرحت حسین صاحب کے پاس پٹنہ چلے آئے۔ لیکن اس مرد مجاہد کو گھر میں سکون نہیں مل سکا۔ ۱۸۶۹ء میں حج کے لئے گئے۔ حج سے واپسی کے

(۱۰) ہمارے ہندوستانی مسلمان ص ۱۳۵

بعد ۱۸۶۰ء میں سوات پہنچ گئے۔ دو سال تک امیر جماعت میر مقصود علی کی ماتحتی میں کام کرتے رہے۔ ۱۸۶۲ء میں میر مقصود کے وصال کے بعد امارت کی باگ دوڑ آپ کے حوالے کی گئی۔ آپ نے چالیس سال تک جہاد حریت کے علم کو بلند کیا۔ آپ کے دور امارت میں بار بار انگریزی فوجیوں کو خاک وخوں سے کھیلنا پڑا۔

آپ سے خط و کتابت کے جرم میں ہزاروں محبان وطن گرفتار کئے گئے اور کالا پانی کی سزا انہیں دی گئی۔ اور بہت سے لوگوں کو نظر بند کر دیا گیا۔ ایک عرصہ تک پورے شمالی ہندوستان میں گرفتاریوں اور خانہ تلاشیوں کا سلسلہ جاری رہا اور یکے بادیگرے پانچ مقدمات چلائے گئے۔

ڈبلو ڈبلو ہنٹر نے تحریر کیا ہے:

''اپریل ۱۸۶۳ء کے اوائل میں انہوں نے ہمارے علاقے میں پھر قتل و غارت اور لوٹ مار کا سلسلہ جاری کر دیا۔ اسی سال جولائی میں وہ نہایت دلیری کے ساتھ ستھانہ کے علاقہ پر پھر قابض ہو گئے۔ اور ہمارے حلیف ریاست امب کے نواب صاحب کو تہدید آمیز خطوط لکھے۔ ان کی ہمسایہ اقوام نے ایک دفعہ پھر اپنی وفاداری کو اپنے تعصب پر قربان کر دیا۔ اور ان مواعید کو جو ہمارے ساتھ کئے گئے تھے بالکل فراموش کر دیا۔ چنانچہ اس باغی آبادی کو سرحد پر ایک دفعہ پھر حاکمانہ اقتدار حاصل ہو گیا۔'' (۱۱)

''دسمبر ۱۸۶۳ء کو وہ برطانوی علاقہ پر چڑھ دوڑے، اور ہماری طلایہ گرد فوج پر شب خوں مار کر گویا باقاعدہ جنگ کا اعلان کر دیا۔ اس کے بعد انہوں نے ہمارے حلیف ریاست امب کے نواب صاحب پر بھی حملہ کر کے ''کوہ سیاہ'' پر ان کے دیہات کو جلا دیا۔ اور سرحدی چوکیوں پر باقاعدہ جنگ شروع کر دی۔

اسی مہینے میں انہوں نے تناول کی حلیف تحصیلوں پر بھی چھاپہ مارا اور ایک ملکی افسر کو اس کے چند ساتھیوں کے ساتھ قتل کر ڈالا۔'' (۱۲)

''اب ہم تقریباً انہیں حالات سے دوچار تھے جو ۱۸۲۷ء و ۱۸۳۰ء کے درمیان (حضرت سید احمد شہیدؒ کے زمانہ میں) پیدا ہو گئے تھے اور جس کے نتیجہ پر اس متعصب لشکر نے پنجاب پر اپنا

(۱۱) ہمارے ہندوستانی مسلمان ص ۴۳ (۱۲) ہمارے ہندوستانی مسلمان ص ۴۴

تصرف جما لیا تھا۔ یہاں تک کہ سرحد دار الخلافہ پشاور ان کے قبضہ میں آ گیا۔'' (۱۳)

۱۸۶۳ء کے جنگ امبیلا کی تفصیل بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''۱۸؍اکتوبر ۱۸۶۳ء کو سات ہزار برطانوی فوج نے سر نیول چیمبرلین کی سرکردگی میں کوچ کیا۔ ان کے ساتھ توپ خانہ بھی تھا اور چار ہزار خچر اور دیگر جانور جن کو جمع کرنے کے لئے پنجاب کا کونہ کونہ چھان مارا تھا ان کے ساتھ تھے۔ دوسرے دن شام کو فوج کا ایک کالم تمام رات کوچ کرتا ہوا، ایک ایسی گھاٹی پر جا پہنچا، جس پر بہت سی جھاڑیاں تھی۔ اور بہت سے درخت لگے ہوئے تھے۔ اور جو زیادہ تکلیف دہ طور پر ''درّہ امبیلا'' کے نام سے مشہور ہے۔ ہمارے جنگی مرکز کی حفاظت کے لئے کافی فوج موجود رہتی تھی۔ اور اس کے پیچھے سرحدی مقامات میں بھی طاقتور مورچہ بندی کی گئی تھی۔ جس میں پیادہ اور سوار فوج اور کافی توپ خانہ موجود تھا۔ یہ کچھ ہماری خوش قسمتی ہی تھی کہ حملہ آور فوج کی پشت پر اتنی امداد موجود تھی کیونکہ ۲۰؍تاریخ تک جرنیل کو پتہ چل گیا تھا، کہ وہ قبائل جن کو وہ اپنا دوست سمجھتا تھا اب مذبذت حالت میں ہیں اور اس کے دو ہی دن بعد اس نے گورنمنٹ کو تار دیدیا تھا، کہ فوج کو مجبوراً رکنا پڑا ہے'' (۱۴)۔

''۲۳؍اکتوبر کو قبائل نے اپنی مخالفت کا اعلان کیا۔ اور بونیر والوں نے ہماری طلایہ گرد پارٹی پر حملہ کر دیا ہے۔ اس کے تھوڑے ہی عرصہ بعد سوات کا روحانی پیشوا بھی ہمارے دشمنوں کے ساتھ جا ملا۔ اس اثنا میں گورنمنٹ کے نام سرحد سے تار پر تار چلے آتے رہے۔ جس میں مزید اور مزید بر مزید فوج بھیجنے کی التجا کی جاتی تھی۔'' (۱۵)

''۸؍نومبر کو پنجاب گورنمنٹ نے نہایت بے صبری کے ساتھ پوچھا کہ اگر جرنیل صاحب کو ۱۶۰۰؍پیادہ فوج کی کمک بہم پہنچائی جائے تو کیا وہ ملکا کی متعصب آبادی کو فنا کرنے کے لئے آگے بڑھ سکیں گے؟ ۱۲؍تاریخ کو جواب آیا کہ آگے بڑھنا اسی وقت قابل عمل

(۱۳) ہمارے ہندوستانی مسلمان ص ۴۴ (۱۴) ہمارے ہندوستانی مسلمان ص ۴۸
(۱۵) ہمارے ہندوستانی مسلمان ص ۴۹

ہوسکتا ہے جب ہمارے پاس دو ہزار پیادہ فوج اور کچھ توپیں ہوں اور ساتھ ہی اس کے یہ حوصلہ شکن پیغام بھی آیا کہ جرنیل صاحب اس وقت تک ملکا پر حملہ کرنے کے خلاف ہیں، جب تک کہ درمیانی قبائل کے ساتھ صلح صفائی نہ ہوجائے۔'' (۱۶)

''۱۸ رتاریخ کو دشمن نے نہایت جانفشانی سے ہم پر حملہ کیا۔اور ہماری ایک چوکی پر قابض ہوگئے اور افسروں کے علاوہ ایک سو چودہ آدمیوں کو قتل یا زخمی کرتے ہوئے ہمیں پیچھے دھکیل دیا۔دوسرے دن دشمنوں نے ایک اور چوکی پر قبضہ کرلیا۔جسے پھر ایک خوں ریز جنگ کے بعد جس میں ہمارے جرنیل صاحب بھی شدید طور پر زخمی ہوئے دوبارہ حاصل کرلی گئی۔'' (۱۷)

غرض ڈاکٹر ہنٹر کے اس شہادت سے یہ بات واضح ہوگئی، کہ وہاں تحریک کے مجاہدین نے انگریزی حکومت سے جم کر مقابلہ کیا۔اور ملک کی آزادی کے لئے انہوں نے سب کچھ قربان کردیا۔

اس طرح انگریزی فوجوں سے مقابلہ کرتے ہوئے مولانا عبداللہ صادقپوری کی وفات شعبان ۱۳۲۰ھ/نومبر ۱۹۰۲ء کو ہوئی۔

۶۔ مولانا فیاض علی صادق پوری

''مولانا فیاض علی مولوی الٰہی بخش جعفری کے صاحبزادے تھے۔ایک اندازہ کے مطابق آپ کی ولادت ۱۲۲۸ھ بمطابق ۱۸۱۳ء میں ہوئی۔آپ نے تمام درسی کتابیں مولانا احمداللہؒ سے پڑھیں اور سند حدیث مولانا ولایت علی حاصل کی۔فراغت کے بعد درس وتدریس کی طرف متوجہ ہوئے۔لیکن پھر اپنے پیر ومرشد حضرت مولانا ولایت علیؒ کی خدمت کے لئے تیار ہوئے۔اور حضرت مولانا ولایت علی کے ساتھ جہاد میں شریک ہوئے۔آخر میں اپنے اہل وعیال کے ساتھ افغانستان کے لئے روانہ ہوئے اور ملک سوات وبنیر جو مجاہدین کا علاقہ تھا، وہاں پہنچے۔اور اسی مہاجرت ومسافرت میں وفات پائی۔'' (۱۸)

---

(۱۶) ہمارے ہندوستانی مسلمان ص ۵۳ (۱۷) ہمارے ہندوستانی مسلمان ص ۵۴

(۱۸) تذکرہ علمائے بہار جلد اول ص ۲۲۹

۷۔ مولانا یحیٰی علی صادق پوری

مولانا یحیٰی علی مولوی الٰہی بخش کے صاحبزادے تھے۔مولانا احمداللہؒ اور مولانا فیاض علی کے بھائی تھے۔

آپ کی پیدائش تقریباً ۱۲۳۵ھ/۱۸۱۹ء میں ہوئی۔آپ نے درسیات کی تعلیم مولانا فیاض علی سے حاصل کی اور تکمیل مولانا احمداللہ سے کی۔اور سند حدیث مولانا ولایت علی سے حاصل کی۔

آپ نے بھی تحریک میں حصہ لیا۔۱۲۸۰ھ/ ۱۸۶۳ء میں گرفتار کرکے انبالہ جیل میں بھیجد یئے گئے۔پہلے آپ کو پھانسی کا حکم ہوا۔پھر منسوخ ہوکر کالا پانی میں حبس دوام کا حکم ہوا۔مولانا یحیٰی علی کے متعلق ڈاکٹر سر ولیم ہنٹر نے اپنی کتاب ہمارے ہندوستانی مسلمان میں لکھا ہے:

''یحییٰ علی رئیس المبلغین کے بہت سے فرائض تھے۔وہ ہندوستان میں تمام سفری مبلغین کا روحانی پیشوا ہونے کی حیثیت سے ان کے ساتھ خط وکتابت کرتا، پھر جملہ دستاویزات کو خفیہ زبان میں ترتیب دیتا اور لکھتا، جس کے ذریعہ سے بڑی بڑی رقوم بلاخوف وخطر سلطنت کے دارالخلافہ سے سرحد پار کے مجاہدین تک پہنچ جاتیں، اس کے ذمہ تھا۔وہ مسجد میں نماز جماعت کی امامت کرتا، اور ان بندوقوں کی جانچ پڑتال بھی کرتا جو مجاہدین کو روانہ کی جاتیں۔وہ طالب علموں کو الٰہیات پر درس دیتا۔اس کا اپنا مطالعہ بھی بڑا وسیع تھا۔عربی مصنفین سے بھی اس نے بہت کافی واقفیت حاصل کرلی تھی۔(۱۹)

۲۰ رفروری ۱۸۶۸ء میں جزیرہ انڈمان میں وفات پائی۔اور وہیں قبرستان میں مدفون ہوئے۔

۸۔ مولانا عبدالرحیم صادق پوری

مولانا عبد الرحیم صادقپوری بن مولانا فرحت حسین ۱۴ رشعبان ۱۲۵۱ھ بمطابق ۱۸۳۵ء کو پیدا ہوئے۔اپنے خاندان کے مختلف بزرگوں اور ان کے متوسلین سے تحصیل علم کرتے رہے۔ابھی تعلیم نامکمل ہی تھی کہ خاندان کے اکثر افراد جہاد میں شرکت کی غرض سے سرحد ہجرت کرگئے۔چنانچہ خاندان کے بقیہ بزرگوں سے تعلیم کی تکمیل کی۔

مولانا نے بھی تحریک میں خوب جم کر حصہ لیا۔بالآخر ۱۲۸۰ھ/ ۱۸۶۳ء میں گرفتار ہوئے اور کالا پانی

---

(۱۹) ہمارے ہندوستانی مسلمان ص ۱۳۴

بھیج دیئے گئے۔ تقریباً بیس سال کے بعد ۱۳۰۰ھ بمطابق ۱۸۸۳ء میں رہائی کے بعد پٹنہ واپس پہنچے، تو ان کے گھر و مکان کا حال ان کے الفاظ میں پڑھیے۔

''صادق پور گیا تو وہاں دیکھا کہ ہم لوگوں کے مکانات کل منہدم کر کے کف دست میدان بنا دیا گیا ہے۔ اور اس پر بازار میونسپلٹی کے مکانات بنا دیئے گئے ہیں۔ میں نے چاہا کہ اپنے خاندانی مقبرہ کو جہاں چودہ پشت سے ہمارے آباء واجداد دفن ہوتے چلے آئے تھے، جا کر دیکھوں اور خصوصاً اپنے والدین ماجدین غفر لہما کے مزار کی زیارت کروں اور اس پر دعائے مغفرت اور فاتحہ پڑھوں، مگر ہر چند کوشش کے باوجود نہ ملا۔ بعد تجسس و تفحص بسیار غور و فکر کر کے قرینہ سے معلوم ہوا کہ حضرت والدین ماجدین کی قبریں کھود کر اس پر بنائے عمارت میونسپلٹی بنا دی گئی ہے۔''(۲۰)

(۲۰) علماء ہند کا شاندار ماضی جلد سوم ص ۱۲۵ بحوالہ الدر المنثور۔

چودھواں باب

۱۸۵۷ء کے بعد بہار میں علماء کی تحریکیں

(الف) تحریک مجاہدین بہار میں (۱۸۵۷ء کے بعد)

۱۸۵۸ء میں مولانا عنایت علی صادقپوری کا وصال ہو گیا۔ ان کے وصال کے بعد تحریک آزادی کا کام چلتا رہا۔ اس تحریک کا مرکز بہار میں پٹنہ کا صادق پور تھا۔ جہاں مجاہدین کی بھرتی کی جاتی، ساز و سامان مہیہ کیا جاتا۔ رقم جمع کی جاتی اور اسی مرکز سے سرحدی علاقوں میں جہاں انگریزوں کے خلاف جنگ جاری ہوتا مجاہدین، ساز و سامان اور رقم فراہم کئے جاتے۔ تحریک مجاہدین نے سرحدی علاقوں میں ۱۸۵۷ء کے بعد بھی جو کام کیا۔ اور انگریزوں کے خلاف جس انداز پر عملی اقدامات کئے، اس کے لئے چند اقتباسات پیش کئے جاتے ہیں۔ اس سے ظاہر ہوتا کہ ۱۸۵۷ء کے بعد بھی علماء کی سرگرمی باضابطہ جاری تھی۔

ڈاکٹر ہنٹر تحریر کرتے ہیں:

''۱۸۶۱ء میں ملکا سے جو پہاڑوں کے اندر ان کی جائے پناہ تھی مہابن پر حملہ کر دیا۔ جہاں سے ۱۸۵۶ء میں سر سڈنی کاٹن نے ان کو بھگایا تھا۔ اور عین ستھانہ کی پرانی آبادی کے اوپر قلعہ بند ہو گئے۔ اس مضبوط قلعے سے نکل کر وہ ہمارے گاؤں پر چھاپے مارتے تھے اور ان ہی قوموں نے ان کو لوٹ مار کی غرض سے اپنے علاقہ سے گذرنے کی اجازت دیدی تھی۔ اس امر کا بانگ دہل اعلان کرنے کے لئے کہ پرانی حالت پھر قائم ہو گئی ہے۔ جو انہوں نے ہم سے کیا تھا کہ ان کو اپنے علاقہ سے گذرنے نہیں دیں گے۔ مجاہدین راولپنڈی کے ضلع میں گھس آئے اور دن دہاڑے شاہراہ عام پر پولیس چوکی کے قریب دو تاجروں کو قتل کر دیا۔ اس کے تین ہفتہ بعد انہوں نے ہمارے علاقہ پر چھاپہ مارا اور تین دولت مند آدمیوں کو اٹھا کر لے گئے۔ اور ان کی رہائی کے لئے ہمارے

فوجی افسروں سے فدیہ کا مطالبہ کردیا۔تھوڑے عرصہ بعد اسی قسم کی ایک اور واردات ہوئی۔حکومت سرحد نے رپورٹ کی کہ ۱۸۵۶ء جیسی شرم ناک حالات پھر پیدا ہوگئے ہیں اب ہمارے پاس بدلے کے سوا کوئی چارہ کار باقی نہیں رہا۔تاہم ہماری بے وفا ہندوستانی رعایا باغی کیمپ میں متواتر جمع ہوتی رہی۔۱۸۶۲ء میں (یعنی جس سال میر مقصود علی صاحب کی وفات ہوئی اور مولانا عبداللہ صاحب صادق پوری امیر بنائے گئے) ان کی تعداد یہاں تک بڑھ گئی کہ پنجاب گورنمنٹ ایک دوسری جنگ کا مشورہ دینے پر مجبور ہوگئی۔'' (۱)

''اپریل ۱۸۶۳ء کے اوائل میں انہوں نے ہمارے علاقے میں پھر قتل وغارت اور لوٹ مار کا سلسلہ جاری کردیا۔اسی سال ماہ جولائی میں وہ نہایت دلیری کے ساتھ ستیانا کہ علاقہ پر پھر قابض ہوگئے اور ہمارے حلیف ریاست امب کے نواب صاحب کو تہدید آمیز خطوط لکھے۔ان کی ہمسایہ اقوام نے ایک دفعہ پھر اپنی وفاداری کو اپنے تعصب پر قربان کردیا اور ان مواعید کو جو ہمارے ساتھ کئے گئے تھے بالکل فراموش کردیا۔چنانچہ اس باغی آبادی کو سرحد پر ایک دفعہ پھر حاکمانہ اقتدار حاصل ہوگیا۔'' (۲)

''دسمبر ۱۸۶۳ء کو برطانوی علاقہ پر چڑھ دوڑے اور ہماری طلایہ گرد فوج کے کیمپ پر شبخون مار کر گویا باقاعدہ جنگ کا اعلان کردیا۔ان کے بعد انہوں نے ہمارے حلیف ریاست امب کے نواب صاحب پر بھی حملہ کرکے کوہ سیاہ پر ان کے دیہات کو جلا دیا۔اور سرحدی چوکیوں پر باقاعدہ جنگ شروع کردی۔اسی مہینے میں انہوں نے تناول کی حلیف تحصیلوں پر بھی چھاپا مارا۔اور ایک ملکی افسر کو اس کے چند ساتھیوں کے ساتھ قتل کرڈالا۔پھر ہمارے دوستوں پر ہی حملہ کرنے پر اکتفانہ کرتے ہوئے،انہوں نے دریائے سندھ کے کنارے ہماری چوکی پر بھی ہلہ بول دیا۔انگریز کافروں کے خلاف ایک باقاعدہ اعلان جنگ شائع کیا اور ہر دیندار مسلمان کو اس جہاد میں شرکت کی دعوت دی۔'' (۳)

(۱) ہمارے ہندوستانی مسلمان ص ۴۱ (۲) ہمارے ہندوستانی مسلمان ص ۴۳ (۳) ہمارے ہندوستانی مسلمان ص ۴۳

''اب ہم تقریباً انہیں حالات سے دوچار تھے جو ۱۸۲۷ء و ۱۸۳۰ء کے درمیان پیدا ہوگئے تھے۔اور جس کے نتیجہ پر اس متعصب لشکر نے پنجاب پر اپنا تصرف جمالیا تھا۔یہاں تک کہ سرحدی دارالخلافہ ان کے قبضہ میں آگیا۔اب جنگ سے گریز کرنا بالکل ناممکن ہوگیا تھا۔لیکن سرحدی لڑائیوں سے کوئی فوجی سبق حاصل نہیں ہوتا اور نہ کسی طاقتور سلطنت کی عزت میں کوئی نمایاں اضافہ ہوتا ہے۔ایک ایسی جنگ کے نتیجہ میں شک وشبہ کی کوئی گنجائش باقی نہیں رہتی جو برطانوی ہندوستان جیسی فوجی طاقت اور غیر مہذب اقوام کے اتحادیوں کے درمیان ہو،خواہ وہ کتنے ہی بہادر کیوں نہ ہوں اور ان میں دینی حرارت کتنی ہی کیوں نہ ہو۔مزید برآں ان لڑائیوں میں یکسانیت پائی جاتی ہے اور بے شک ان کا انجام ایک سخت انتقام کی صورت میں رونما ہوتا ہے۔جو ایک سنجیدہ انسان کے لئے بہت ہی حوصلہ شکن ہوگا۔اس متعصب نوآبادی کے خلاف ان چار مہموں میں سے ایک مہم کو یہ تفصیل بیان کرنے کے لئے منتخب کرلوں گا۔اس سے ظاہر ہوجائے گا کہ جس طرح باغی کیمپ امن کے زمانہ میں ہمارے لئے باعث توہین تھا،اس سے کہیں زیادہ جنگ کے زمانہ میں ہماری فوج کی تباہی کا سبب بن گیا تھا۔جب ہم نے ان سے باز پرس نہ کی وہ ہمارے دوستوں اور ہماری رعایا کو قتل اور اغوا کرنے کے لئے گروہ پر گروہ بھیجتے رہے۔اور جب ہم نے ان کو فوجی قوت کے ساتھ صفحہ ہستی سے نابود کردینا چاہا تو انہوں نے ہمارے افسروں کو دھوکے میں رکھا۔اور ہماری فوج کو سخت نقصان پہنچایا۔اور کچھ عرصہ تک سارے برطانوی ہندوستان کی سرحدی فوج کا جم کر مقابلہ کرتے رہے۔'' (۴)

(ب) امارت شرعیہ بہار واڑیسہ

امارت شرعیہ ایک متحرک اور فعال تنظیم ہے۔اس کو حضرت مولانا ابوالمحاسن محمد سجاد نے قائم کیا۔اس تنظیم کے قیام سے پہلے مولانا محمد سجاد نے جمعیۃ علماء بہار کے نام سے ایک تنظیم قائم کی۔پھر انہوں نے مورخہ ۱۹ رشوال

(۴) ہمارے ہندوستانی مسلمان ص ۴۴

۱۳۳۹ھ بمطابق ۲۶ رجون ۱۹۲۱ء میں امارت شرعیہ کو قائم کیا۔لیکن دونوں کی سرگرمیاں الگ الگ جاری رہیں۔

امارت شرعیہ کا قیام اس وقت عمل میں آیا' جس وقت ملک میں آزادی کی تحریک زور وشور سے جاری تھی۔

علمائے کرام نے آزادی کی تحریک کو ایک عرصہ سے جاری رکھا تھا، اس سلسلہ میں انہیں کافی تجربہ ہو چکا تھا۔تحریک مجاہدین سے اب تک کی لڑائی سے انہوں نے اس بات کو پوری طرح محسوس کرلیا تھا کہ آزادی کی لڑائی میں اس وقت تک کامیابی حاصل نہیں ہوگی' جب تک ملک کے تمام بسنے والے اس تحریک میں مل کر حصہ نہ لیں۔اور انہوں نے اس کو بھی محسوس کرلیا تھا کہ یہ لڑائی تنہا نہیں لڑی جاسکتی ہے۔چنانچہ بعد کے علماء نے اس پر زور دیا، کہ ملک کو آزاد کرنے کے لئے ہندو مسلم اتحاد ضروری ہے۔امارت شرعیہ اس معاملہ میں حقیقت پسند واقع ہوئی۔اس نے ہمیشہ ہندوستان میں بسنے والی تمام قوموں کے آپسی اتحاد پر زور دیا۔چنانچہ نائب امیر شریعت حضرت مولانا ابوالمحاسن محمد سجادؒ نے اپنے خطبہ صدارت اجلاس مراد آباد میں اس کا اعلان کیا کہ اپنے صوبہ کے علماء کے خدام میں میں پہلا شخص ہوں جس نے سنت نبویہ پر عمل کرنے کے لئے سب پہلے آگے قدم بڑھایا ہے کہ گھر کے غیر مسلم قوموں سے پہلے مصالحت ومواد عت کی جائے' پھر بیرونی دشمنوں سے گھر کی حفاظت متحدہ اور مشترکہ طاقت سے کی جائے۔

کلکتہ کانفرنس میں مولانا آزاد کی پیش کردہ ترک موالات کی تجویز منظور ہوئی تو اس کی حمایت میں ترک موالات کا فتوی شائع ہوا۔اس پر پانچ سو علماء کے دستخط ہوئے وہ فتوی حضرت مولانا محمد سجاد ہی کا تحریر کردہ تھا۔جو امارت شرعیہ کے بانی تھے۔

جنگ آزادی میں امارت شرعیہ نے اہم رول ادا کیا۔اس سے منسلک علماء' دانشوران اور عوام نے تحریک میں بھر پور حصہ لیا۔ان میں سے مولانا محمد سجاد' مولانا سید شاہ محی الدین امیر شریعت، مولانا شاہ محمد قمرالدین' مولانا سید منت اللہ رحمانی' قاضی احمد حسین' مولانا عبدالوہاب' مولانا حافظ محمد عثمان' مولانا عثمان غنی' شیخ عدالت حسین' سعید الحق وکیل' ڈاکٹر سید عبدالحفیظ فردوسی' مسٹر محمد یونس بیرسٹر، مولانا عبدالصمد رحمانی' مسٹر محمد محمود بیرسٹر، مسٹر خلیل احمد ایڈوکیٹ کے علاوہ سینکڑوں علماء ہیں جن کے سلسلہ میں اس کتاب میں آپ مطالعہ کریں گے۔

امارت شرعیہ کے پندرہ روزہ جریدہ ''امارت'' نے اپنے انقلابی مضامین کے ذریعہ لوگوں کے دلوں میں جوش آزادی پیدا کرنے میں نمایاں کردار ادا کیا۔اس کے باغیانہ وانقلابی مضامین کی وجہ سے انگریزوں نے اس پر مقدمہ

چلایا اور جرمانہ عائد کیا۔بال آخر اس کو بند کردینا پڑا۔اور اس کی جگہ نقیب کے نام سے دوسرا جریدہ کا اجرا عمل میں آیا اس جریدہ نے بھی بے خوف وخطر آزادی کی تحریک میں حصہ لیا۔اس کے ایڈیٹر مولانا عثمان غنی پر مقدمہ چلا اور گرفتار بھی ہوئے۔

ہندوستان میں نیا دستور نافذ ہوا، اور کانسلوں میں ہندوستانیوں کو منتخب ہوکر جانے کی آزادی ملی' کانگریس اور مسلم لیگ نے اپنے اپنے امیدوار کھڑا کرنے کی تیاری شروع کی' تو مولانا محمد سجاد نے امارت شرعیہ کی طرف سے مجلس انتخابات (پارلیامنٹری بورڈ) کی تشکیل کی' پھر ''بہار مسلم انڈیپینڈنٹ پارٹی'' بنائی۔جس نے ۱۹۳۷ء میں الیکشن میں حصہ لیا۔اور کانگریس کے بعد دوسری بڑی پارٹی کی حیثیت سے جیت کر اسمبلی پہنچی' اس موقع پر کانگریس اور گورنر کے درمیان اتفاق نہ ہونے کی وجہ سے کانگریس نے وزارت قبول کرنے سے انکار کردیا' تو مسلم انڈیپینڈنٹ پارٹی نے وزارت سازی کو قبول کرلیا۔جس کی وجہ سے تحریک آزادی کے کام کو آگے بڑھانے میں مزید تقویت حاصل ہوئی۔۱۹۴۰ء میں مسلم لیگ کی طرف سے پاکستان کی تجویز پیش ہوئی تو انڈیپینڈنٹ پارٹی نے اس موقع پر اعلان کیا کہ یہ مطالبہ صحیح نہیں ہے۔اور مسلمانوں کو اس سے زیادہ فائدہ نہیں ہے۔(۵)

(ج) انجمن علمائے بہار

''حضرت مولانا ابوالمحاسن محمد سجادؒ کی عملی زندگی کا آغاز اگر چہ دینی وتعلیمی خدمات سے ہوا۔لیکن ان کی زندگی میں سیاسی خیالات کی نشو ونما ۱۹۰۸ء سے ہی ہو رہی تھی۔شروع کے کچھ برسوں میں انہوں نے تعلیمی مشغلہ پر کافی توجہ فرمائی۔مدرسہ انوار العلوم گیا، ان کی علمی یادگار ہے جس کو انہوں نے خود ہی قائم فرمایا تھا۔لیکن خلافت اسلامیہ کے پرخچے اڑادینے کا پروگرام، لوزان کانفرنس کے خطرات سے بھرپور فیصلے اور اندرون ملک سیاہ قانون رولٹ ایکٹ کی آمد آمد نے ان کو ہلا کر رکھ دیا تھا۔اس کے بعد مولانا مرحوم پوری طرح ملکی آزادی اور مسلمانوں کی شرعی تنظیم

(۵) حضرت مولانا ابوالمحاسن محمد سجاد حیات وخدمات ص ۳۴۳

کی جانب متوجہ ہوگئے اور ۱۹۱۴ء کی جنگ عظیم کے بعد برطانوی حکومت کی عہد شکنی اور وعدہ خلافیوں کے نتیجہ میں جب انقلاب برپا ہورہا تھا تو اس میں نمایاں حصہ لینے لگے تھے۔لیکن علماء کی سیاست سے عدم دلچسپی سے، اسلامی حقوق کی پامالی دیکھ کر وہ سخت مضطرب رہتے۔ان کی دلی خواہش تھی کہ علماء دینی و تعلیمی خدمات کے ساتھ سیاسی امور اور سیاسی تحریکات میں بھی نہ صرف حصہ لیں بلکہ اس میدان میں بھی وہ اہم کردار ادا کریں۔اس مقصد کے لئے انہوں نے ۱۹۱۷ء میں حضرت مخدوم الملک شاہ شرف الدین یحیٰ منیریؒ کے عرس کے موقع پر مدرسہ عزیزیہ بہار شریف میں علماء بہار کا ایک جلسہ منعقد کر کے انجمن علماء بہار قائم کیا۔حضرت مولانا شاہ سلیمان پھلوارویؒ اس جلسہ میں شریک تھے۔پھر دوسرے سال پھلواری شریف میں بڑے پیمانے پر انجمن علماء بہار کا دوسرا اجلاس ہوا۔جس میں مولانا آزاد سبحانی کو دعوت دے کر بلایا گیا۔ان کی سحر بیانی اور ولولہ انگیز خطاب نے علماء میں روح پھونک دی اور علماء کی ایک جماعت سیاسیات اور قومی تحریکات میں پرجوش حصہ لینے لگی۔"(۶)

مولانا کے ذہن میں یہ نظریہ بھی کارفرما تھا کہ مسلمانوں کے دینی و ملی مسائل کے حل کے لئے امیر شریعت کا ہونا ضروری ہے اور امیر شریعت کو باا ثر و پروقار بنانے کے لئے علماء کا اتحاد ناگزیر ہے۔لہٰذا انہوں نے محض زبانی جمع خرچ سے کام لینے یا جذباتی اور وقتی نظریہ پیش کرنے کے بجائے چند علماء کے تعاون سے ۱۹۱۷ء میں انجمن علماء بہار کی بنیاد رکھی، جس کا صدر مقام مدرسہ انوار العلوم گیا (بہار) قائم ہوا۔

"یہ وہ زمانہ تھا جب مولانا ابوالکلام آزادؒ، علی برادران، شیخ الہند مولانا محمود الحسنؒ جیسے رہنمائے قوم ڈیفنس آف انڈیا ایکٹ کے تحت مقید تھے اور ان کا نام لینے سے اچھے اچھے لوگ بھی انگریزی عتاب کا شکار ہونے کے خوف سے خائف رہا کرتے تھے، لیکن جب انجمن علماء بہار نے مسلم رہنماؤں کی رہائی کا مطالبہ کیا اور اوقاف بہار کے سلسلہ میں اقدامات کی تجویز منظور کی تو مولانا محمد سجادؒ کے جرأت مندانہ اقدام سے ملک کے دیگر علماء کا حوصلہ بڑھا اور وہ سنجیدگی سے آئندہ کے لائحہ عمل پر غور کرنے لگے۔اس کے علاوہ انجمن علمائے بہار نے جمعیۃ علماء ہند کے قیام کے لئے راستہ ہموار کیا۔بالآخر ۱۹۱۹ء میں جمعیۃ علماء ہند کا قیام عمل میں آیا۔"(۷)

(۶) حضرت مولانا ابوالمحاسن محمد سجاد حیات وخدمات ص ۲۹۰ (۷) حضرت مولانا ابوالمحاسن محمد سجاد حیات وخدمات ص ۲۵۲

(د) خلافت کمیٹی بہار

حصہ اول کے باب ہشتم میں آپ خلافت کمیٹی کے قیام کے پس منظر کا مطالعہ کر چکے ہیں۔جنگ عظیم کے نتیجہ میں جب خلافت کا زوال کی نوبت آئی تو ہر جگہ برطانیہ کے خلاف احتجاج ہونے لگا۔ہندوستان میں بھی برطانیہ حکومت کے خلاف لوگوں میں بہت زیادہ غم وغصہ تھا۔اور ہندوستان میں بھی اس غم وغصہ کے اظہار کے لئے کسی کمیٹی کی ضرورت محسوس ہوئی۔اسی کے نتیجہ میں خلافت کمیٹی کا قیام عمل میں آیا۔اس کمیٹی کے قیام میں حضرت مولانا ابوالمحاسن محمد سجادؒ کا اہم رول رہا ہے۔خلافت کمیٹی کی تشکیل کے بعد پورے ملک میں خلافت کمیٹی کے قیام کا فیصلہ لیا گیا۔تو مولانا ابوالمحاسن محمد سجادؒ نے بہار میں خلافت کمیٹی قائم کی۔خلافت کمیٹی آگے چل کر تحریک آزادی میں بدل گئی۔اس طرح خلافت کمیٹی بہار نے جہاں تحریک خلافت میں حصہ لیا۔وہیں تحریک آزادی میں بھی بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔مولانا اسرار الحق قاسمی تحریر کرتے ہیں:

"جنگ عظیم کے نتیجہ میں جب زوال خلافت کی نوبت آئی تو مسٹر شبیر حسن قدوائی مرحوم نے انگلینڈ سے مولانا عبدالباری فرنگی محلیؒ کو لکھا کہ اگر ہندوستان میں خلافت کمیٹی کے نام سے کوئی انجمن قائم کی جائے اور اس کے ذریعہ وسیع پیمانے پر برطانیہ کے رویہ پر احتجاج کیا جائے تو برطانیہ کے متاثر ہونے کی امید ہے۔حضرت مولانا عبدالباری فرنگی محلیؒ نے اس مسئلہ پر حضرت مولانا ابوالمحاسن محمد سجادؒ سے مشورہ کیا۔اور خلافت کے نام سے ایک جلسہ لکھنو میں طلب فرمایا۔اس جلسہ میں حضرت مولانا ابوالمحاسن محمد سجادؒ نے قومی اور بین الاقوامی سیاست پر نہایت مدلل اور سیر حاصل بحث کی۔اور اپنی تقریر میں ان مسائل سے نبرد آزما ہونے کے لئے انہوں نے جو سمت مقرر فرمائی، وہی مستقبل میں ملی تحریکات کیلئے اساس بن گئی۔اس جلسہ میں پورے ملک میں خلافت کمیٹیوں کے قیام کا فیصلہ کیا گیا۔حضرت مولانا عبدالباریؒ اور حضرت مولانا محمد سجادؒ کے ہاتھوں پہلی خلافت کمیٹی ممبئی میں تشکیل پائی، وہاں سے واپسی پر حضرت مولانا محمد سجادؒ نے گیا میں خلافت کمیٹی قائم کی۔پھر وہاں سے پھلواری شریف تشریف لائے اور یہاں خلافت کمیٹی کی بنیاد رکھی۔"(۸)

(۸) حضرت مولانا ابوالمحاسن محمد سجاد حیات وخدمات ص ۲۹۰

"آل انڈیا مسلم کانفرنس لکھنو کا کچھ ہی عرصہ گذرا تھا کہ برطانیہ کے وزیر اعظم لائڈ جارج نے خلافت اور مسلمانوں کے حوالے سے ایک دل خراش تقریر کی جس سے اندازہ ہوا کہ ان کی حکومت نے خلافت کے سلسلے میں مسلمانوں سے جو وعدہ کیا تھا وہ اس سے انحراف کر رہے ہیں۔اس تقریر نے مسلمانوں میں جوش بھر دیا اور فوراً خلافت کمیٹی کا باضابطہ پہلا اجلاس دہلی میں مورخہ: ۲۳ رنومبر ۱۹۱۹ء کو اے۔ کے فضل الحق (وزیر اعظم بنگال) کی صدارت میں بڑے دھوم دھام سے منعقد ہوا۔اس اجلاس میں سامعین کی اتنی بڑی تعداد جمع ہوگئی جس کی نظیر نہیں ملتی۔اس اجلاس میں مقرر کی حیثیت سے صرف ان نمائندوں کو شریک کیا گیا جو مختلف صوبائی کمیٹیوں کی طرف سے مندوب کی حیثیت سے آئے تھے۔جمعیۃ علماء بہار کے ذمہ دار اور مفکر کی حیثیت سے اس عظیم اجلاس میں مولانا محمد سجاد بھی شریک ہوئے۔خلافت کے اس اجلاس میں پہلی بار مہاتما گاندھی اور کچھ دیگر ہندو دانشوروں نے بھی شرکت کی۔اس طرح یہ اجلاس ہندو مسلم اتحاد کے لئے سنگ میل ثابت ہوا اور تحریک خلافت آگے چل کر تحریک آزادی میں بدل گئی۔"(۹)

(۵) جمعیۃ علماء ہند بہار

حضرت مولانا ابوالمحاسن محمد سجادؒ ۱۹۱۷ء میں انجمن علماء بہار قائم کر چکے تھے۔ان کی دلی خواہش تھی کہ علماء کی اس طرح کی تنظیم ملک گیر سطح پر قائم ہو۔اس دوران جشن صلح کے مسئلہ پر مذہبی نقطۂ نظر سے غور کرنے کے لئے ماہ نومبر ۱۹۱۹ء کے آخری ہفتہ میں دہلی میں خلافت کانفرنس منعقد ہوئی۔جس میں ملک بھر سے تقریباً سبھی مسالک کے ممتاز علماء شریک ہوئے۔کانفرنس کے دوران حضرت مولانا محمد سجادؒ کی تحریک پر بعض اہم علماء نے یہ مشورہ کیا کہ ہندوستان کے علماء کی تنظیم ہونی چاہئے۔کانفرنس کے بعد جو علماء دہلی میں موجود تھے۔اس معاملہ پر غور کرنے کے لئے دہلی کے مشہور بزرگ سید حسن رسول نما رحمۃ اللہ علیہ کی درگاہ پر ان کا ایک خصوصی جلسہ منعقد ہوا۔حضرت مولانا عبدالباری فرنگی محلیؒ اس جلسہ کے صدر منتخب کئے گئے۔حضرات علماء نے علماء کی کل ہند تنظیم کے قیام کے مسئلہ پر اپنے اپنے خیالات کا اظہار کیا۔حضرت مولانا ابوالمحاسن محمد سجادؒ نے اس جلسہ میں مختصر لیکن نہایت جامع تقریر فرمائی۔جمعیۃ علماء ہند کے پہلے ناظم عمومی اور اس جلسہ میں شریک سحبان الہند حضرت مولانا حافظ احمد

(۹) حضرت مولانا ابوالمحاسن محمد سجاد حیات وخدمات ص ۲۵۱

سعیدؒ کی زبان میں "اس تقریر کا ایک ایک لفظ مولانا کے جذبات ایمان کا ترجمان تھا،کوئی آنکھ اور کوئی دل ایسا نہ تھا،جس نے اثر قبول نہ کیا ہو۔یہ مجلس اگر چہ دو گھنٹے سے زیادہ کی نہ تھی۔ایک گھنٹہ بحث ومباحثہ میں صرف ہوا اور ایک گھنٹہ عہد وپیمان میں صرف ہوا۔لیکن اس جلسہ کا یہ اثر تھا کہ جمعیۃ علماء ہند قائم ہوئی۔"(۱۰)

۱۹۱۹ء میں جمعیۃ علماء کا قیام عمل میں آیا۔اس کے قیام میں حضرت مولانا ابوالمحاسن محمد سجاد پیش پیش تھے۔بلکہ یہ کہا جائے کہ جمعیۃ علماء ہند، انجمن علمائے بہار کی ترقی یافتہ شکل ہے تو بیجا نہیں ہوگا۔جمعیۃ علمائے ہند کے قیام کے بعد مولانا ابوالمحاسن محمد سجاد نے انجمن علمائے بہار کو جمعیۃ علمائے ہند میں ضم کر دیا۔اور ۱۹۱۹ء کے بعد جمعیۃ علمائے ہند کے تحت بہار میں بھی جمعیۃ علمائے بہار کا قیام عمل میں آیا۔جس میں دینی اور سیاسی دونوں خدمات اس کے ذریعہ انجام دیئے جاتے تھے۔صوبہ بہار میں جمعیۃ علمائے بہار نے تحریک آزادی میں اہم خدمات انجام دیئے۔اور ملک کے آزادی میں اہم رول ادا کیا۔

جمعیۃ علماء ہند کی آبیاری میں جہاں حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن اور مولانا سید حسین احمد مدنی جیسے فعال اور بے لوث پیکر علم وعمل نیز حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ صاحب جیسے صاحب علم وفکر اور مولانا احمد سعید جیسے ناظم اعلیٰ نے حصہ لیا اور اس شجر کو تناور کیا، وہیں اسے مفکر اعظم اور اسکیمیں بنانے کے ماہر حضرت مولانا ابوالمحاسن سید محمد سجاد صاحب کی خدمات نے اس تنظیم میں ایک نئی روح پھونکی۔آپ کو جمعیۃ علماء ہند کا دماغ کہا جاتا تھا۔جب مولانا احمد سعید صاحب جیل جاتے تو ان کی جگہ مولانا ابوالمحاسن سید محمد سجاد کو ہی ناظم اعلیٰ اور جماعت کی نگرانی سونپی جاتی۔

مولانا سجاد اور مولانا عبدالباری فرنگی محل نے مل کر خلافت کمیٹی قائم کی اور مولانا سجاد اس کے فعال رکن بنے۔لیکن مولانا کا دل تو قیام جمعیۃ علماء ہند کی طرف مائل تھا۔

"امارت شرعیہ کی عظیم خدمات کے ساتھ جمعیۃ علماء ہند کے نظام کا بوجھ بھی مولانا نے سنبھالا۔مولانا جمعیۃ علماء ہند کے ستونوں میں سے تھے۔آپ سوچتے بہت تھے اور صرف ضرورت کے مطابق گفتگو میں حصہ لیتے تھے۔آپ نے اس خیال کی پرزور حمایت کی کہ ہندوستان کو ہندو انڈیا اور مسلم انڈیا میں تقسیم کرنے یا جداگانہ ہندو اور مسلم ریاستیں قائم کرنے کی تمام گفتگو نہ صرف نامعقول بلکہ ناقابل عمل بھی ہے۔کیونکہ ان اسکیموں میں سے کوئی اسکیم

(۱۰) حضرت مولانا ابوالمحاسن محمد سجاد حیات وخدمات ص ۲۹۱

کبھی کامیاب نہیں ہوسکتی اور کروڑوں مسلمانوں اور ہندو دور دراز کے صوبوں سے ہجرت کر کے ہندو یا مسلم آزاد علاقوں میں نہیں جاسکتے۔ان تجاویز کو صرف وہی دماغ پیدا کرسکتا ہے جو غصہ کی وجہ سے ماؤف ہو چکا ہو۔''(۱۱)

''حضرت مولانا ابوالمحاسن محمد سجادؒ امارت شرعیہ بہار واڑیسہ کی تمام تر ذمہ داریوں کے ساتھ جمعیۃ علماء ہند کی آبیاری، تعمیر وترقی اور اس کی تحریکات میں تا عمر سرگرم عمل رہے۔ان کی فکری کاوشوں اور مجاہدانہ سرگرمیوں نے اس کل ہند تنظیم میں ایک نئی روح پھونکی۔ان کو جمعیۃ علماء ہند کا دماغ کہا جاتا تھا۔جمعیۃ علماء ہند کی اسکیمیں اور فارمولے زیادہ تر انہیں کے وضع کردہ اور ترتیب دیئے ہوئے ہیں۔ بیشتر تاریخ ساز فیصلوں اور قراردادوں میں ان کی مومنانہ فراست، سیاسی بصیرت، عمیق علم، وسعت مطالعہ، اصابت رائے اور معاملہ فہمی وجرأت وبیباکی کی گہری چھاپ موجود ہے۔انہوں نے بار بار جمعیۃ علماء ہند کے ناظم اعلیٰ کے فرائض انجام دیئے۔سحبان الہند حضرت مولانا احمد سعید دہلوی ناظم اعلیٰ جمعیۃ علماء ہند جب بھی جیل جاتے تو حضرت مولانا ابوالمحاسن سجادؒ قائم مقام ناظم عمومی بنائے جاتے۔جمعیۃ علماء ہند کے بارہواں اجلاس عام جون پور ماہ جون ۱۹۴۰ء میں شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ صدر منتخب کئے گئے تو حضرتؒ نے ناظم عمومی کے عہدہ کے لئے حضرت مولانا محمد سجادؒ کا نام یہ فرماتے ہوئے پیش کیا، بھائی جمعیۃ علماء کے سارے کام تو مولانا سجادؒ ہی کرتے ہیں۔ان کو ہی ناظم عمومی بنایا جائے۔بالآخر ان کی طرف سے بار بار انکار اور معذرت کے باوجود وہ جمعیۃ علماء ہند کے ناظم عمومی چن لئے گئے۔''(۱۲)

تحریک آزادی میں جمعیۃ علماء ہند نے کارہائے نمایاں انجام دیئے۔اس میں جمعیۃ علماء بہار کا بھی اہم رول رہا۔تحریک آزادی میں جمعیۃ علماء ہند کے کارنامے پر تفصیلی گفتگو حصہ اول کے باب ۸ رمیں موجود ہے۔

---

(۱۱) الجمعیۃ جمعیۃ علماء نمبر۔ص ۴۶۶، (۱۲) حضرت مولانا ابوالمحاسن محمد سجاد حیات وخدمات ص ۲۹۳

(و) قیام مدارس

۱۸۵۷ء کی تحریک آزادی میں ناکامی کے بعد علمائے کرام نے قیام مدارس کی تجویز کو آگے بڑھایا۔دارالعلوم دیوبند کے قیام کے بعد پورے ہندوستان میں مدارس کے قیام کا سلسلہ شروع ہوا۔جس کا خاص مقصد دین کی حفاظت کے ساتھ ساتھ ایسے بیباک اور نڈر علمائے کرام کو پیدا کرنا تھا جو اپنی تقریر وتحریر کے ذریعہ اس ملک میں دین کی حفاظت کرسکیں۔اور انگریزوں کے تسلط سے اس ملک کو پاک کراسکیں۔اللہ کا فضل رہا کہ علمائے کرام اپنے مقصد میں کامیاب رہے۔اس تحریک کے بعد پورے ملک میں مدارس ومکاتب کا قیام عمل میں آنے لگا۔صوبہ بہار کے علمائے کرام نے بھی اس میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ان مدارس سے پیدا ہونے والے علمائے کرام نے ملک کی آزادی میں خوب حصہ لیا۔یہاں تک کہ ملک کو آزادی حاصل ہوگئی۔ان مدارس میں سے چند کے حالات پیش ہیں۔

(۱) مدرسہ اسلامیہ شمس الہدیٰ، پٹنہ

تحریک آزادی میں علمائے کرام اور مدارس اسلامیہ کا خاص رول رہا۔۱۸۵۷ء میں ناکامی کے بعد علمائے ملت نے بھانپ لیا کہ قیام مدارس کی تحریک کے ذریعہ ملک میں آزادی حاصل کی جاسکتی ہے، چنانچہ دارالعلوم دیوبند کے قیام کے ساتھ ہی پورے ملک میں مدارس کے قیام کی لہر دوڑ گئی۔ان مدارس نے جلد ہی بے باک مجاہدین پیدا کردیئے، جنہوں نے تحریر وتقریر کے ذریعہ نہ صرف آزادی کے لئے راہ ہموار کی بلکہ سرفروشی کی تمنا لے کر میدان آزادی میں اترے، اور خوشی خوشی ملک کی آزدی کے لئے ہر طرح کی سزا قبول کرنے کے لئے تیار ہوگئے۔انہیں مدارس میں سے مدرسہ اسلامیہ شمس الہدیٰ پٹنہ بھی ہے۔اسکا قیام ۱۹۱۲ء میں عمل میں آیا۔اس کے بانی الحاج جسٹس سید نور الہدیٰ تھے۔بانی مدرسہ نے مدرسہ اسلامیہ شمس الہدیٰ، پٹنہ کو ۱۹۱۹ء میں حکومت بہار کی تحویل میں دے دیا۔اس طرح یکم جنوری ۱۹۲۰ء سے مدرسہ اسلامیہ شمس الہدیٰ نے باضابطہ حکومت بہار کی نگرانی میں کام کرنا شروع کردیا۔

تحریک آزادی کے وقت مدرسہ اسلامیہ شمس الہدیٰ پٹنہ حکومت بہار کی تحویل میں تھا۔اس کے باوجود یہاں کے اساتذہ وطلبہ تحریک آزادی میں حصہ لیتے رہے۔مدرسہ اسلامیہ شمس الہدیٰ کے پہلے پرنسپل حضرت مولانا محمد سہول عثمانی بھاگلپوری تھے۔یہ حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن کے خاص شاگردوں میں سے تھے۔انہوں نے ریشمی

رومال تحریک میں بھی حصہ لیا۔تحریک آزادی میں ریشمی خطوط تحریک کو خاص اہمیت حاصل ہے۔گرچہ راز کھل جانے کی وجہ سے یہ تحریک کامیاب نہ ہوسکی، پھر بھی اسکا خاطر خواہ اثر تحریک آزادی پر پڑا اور اس سے آزادی سے متعلق دوسری تحریکوں کو تقویت و معاونت حاصل ہوئی۔انگریز سی۔آئی۔ڈی۔ کے ذریعہ تیار کردہ ریشمی خطوط سازش کیس کی ڈائریکٹری میں جہاں اور حضرات کے نام ہیں، ان میں حضرت مولانا محمد سہول عثمانی پرنسپل مدرسہ اسلامیہ شمس الہدیٰ پٹنہ کا نام شامل ہے، جو حضرت مولانا کے تحریک آزادی میں شرکت کے لئے واضح ثبوت ہے۔

مدرسہ اسلامیہ شمس الہدیٰ پٹنہ کے اساتذہ میں مولانا عبیداللہ، مولانا اصغر حسین بہاری، مولانا حاجی معین الدین، مولانا عبدالرحمان، مولانا دیانت حسین، مولانا عبدالشکور آہ مظفر پوری، مولانا عبدالصمد کے نام خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ان حضرات نے تحریک آزادی میں خوب حصہ لیا۔دیگر اساتذہ بھی تحریک آزادی کے ہمنوا تھے۔ان میں مولانا عبدالصمد صاحب تو مدرسہ میں تقرری سے پہلے پروفیسر عبدالباری کے انتخاب میں سرگرم حصہ لے چکے تھے۔مدرسہ میں تقرری کے بعد مزید سرگرم ہوگئے۔مدرسہ اسلامیہ شمس الہدیٰ پٹنہ کے اساتذہ کے سلسلہ میں مولانا بیتاب صدیقی جو اس زمانہ میں طالب علم تھے۔تحریر کرتے ہیں:

''یہ اساتذہ انگریزی ملازمت میں رہنے کے باوجود ذہنی طور پر روشن خیال تھے۔اور علمائے سلف کی راہ پر چلنا اپنا فرض سمجھتے تھے۔ایسے لوگوں میں مولانا محمد سہول عثمانی ،مولانا عبیداللہ، مولانا عبدالشکور آہ مظفر پوری، مولانا اصغر حسین بہاری، مولانا عبدالرحمان صاحب اور مولانا دیانت حسین بڑے ہی آزاد خیال اور آزادی کی تحریک سے گہری دلچسپی رکھنے والے تھے۔یہ حضرات تحریک آزادی میں حصہ لینے والے طلبہ کی در پردہ حوصلہ افزائی کرتے تھے۔اور درسگاہ میں بھی طلبہ کو جنگ آزادی میں شریک علماء کے موقف سے آگاہ کرتے تھے۔''

مدرسہ اسلامیہ شمس الہدیٰ کے طلبہ نے بھی تحریک آزادی میں سرگرم حصہ لیا، ان میں طاہر عثمانی، عبدالخالق کنکی، منظور مجاہد، مظفر نواب، ابوالحیات قادری، صلاح الدین، مختار الدین آرزو، عبدالمجید رحمانی، اسرارالحق قیس وغیرہ طلبہ خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔

۱۹۴۲ء میں بھی تحریک آزادی نے زور پکڑا۔مہاتما گاندھی اپنی گرفتاری سے پہلے ۱۹۴۲ء میں'' انگریز بھارت چھوڑو'' کے ساتھ گاندھی نے ''کرو یا مرو'' کا نعرہ دیا۔اسکا اثر ملک میں خاطر خواہ ہوا، طلبہ میں خاص طور پر جوش و خروش پیدا ہوگیا۔اس وقت سب سے پہلے مدرسہ اسلامیہ شمس الہدیٰ کے طلبہ نے پٹنہ کالج سے سامنے

ٹیلیفون کا تار توڑ کر گرادیا اور تحریک کے دوسرے دن وفا براہی مشہور شاعر کے ساتھ مہندرو ڈاک خانہ میں آگ لگانے میں مدرسہ اسلامیہ شمس الہدیٰ، پٹنہ کے طلبہ پیش پیش تھے۔اس تحریک میں مدرسہ کے طلبہ کے حصہ لینے کی خبر حکومت کو ہوگئی، چنانچہ حکومت نے مدرسہ کا ہاسٹل خالی کرادیا اور ہاسٹل میں ٹومی (انگریزی فوج) کے رہنے کا انتظام کردیا۔

مدرسہ اسلامیہ شمس الہدیٰ کے طلبہ کی تحریک آزادی میں سرگرمیوں کا اندازہ اس تحریر سے بھی ہوتا ہے جو مولانا بیتاب صدیقی نے اپنے بارے میں لکھا ہے، مولانا بیتاب صدیقی اس زمانہ میں طالب علم تھے:۔

''ایک روز میں مدرسہ اسلامیہ شمس الہدیٰ، پٹنہ سے پورب مہندرو بھٹی سے نچلی سڑک کو گڈھا کھود کر ناقابل آمد و رفت بنانے میں مصروف تھا، اس دن مدرسہ کے ہمارے اور ساتھی دوسرے پروگرام میں لگے ہوئے تھے، وہاں پر محلے کے لوگ میرے ساتھ تھے، میں نیچے گڈھا کھودنے میں مصروف تھا کہ اچانک فوجیوں کے قدموں کی آواز سنائی دی، میں نے نظر اٹھائی تو دیکھا کہ ہمارے ساتھی فرار ہوچکے ہیں اور وہ بندوق بردار ہندوستانی اور گورکھا قریب آچکا ہے۔پھر میں نے بھاگنا مناسب نہیں سمجھا کہ مبادا فائر نہ کردے اور میں نے بلند آواز سے یہ نعرہ لگایا''پولیس ہمارا بھائی ہے، انقلاب زندہ باد'' ہمیں یہ احساس تھا کہ شاید وہ گرفتار کرلے گا، لیکن جب برابر سے گذرنے لگے تو یہ کہتے ہوئے وہ بھی گذر گئے کہ'' جلدی جلدی اپنا کام کرو''۔اب یہ آواز سن کر فراری ساتھی بھی آموجود ہوئے۔اس روز ہمیں یقین ہوگیا کہ ہندوستان کی آزادی کی منزل بہت قریب آچکی ہے۔اس لئے کہ ہندوستانی ملیٹری اور فوجی بھی آزادی کی تحریک کے ہمدرد اور ہمنوا ہیں''۔

مدرسہ اسلامیہ شمس الہدیٰ، پٹنہ کے فارغین نے بھی تحریک آزادی میں خوب حصہ لیا۔ان کی فہرست طویل ہے۔چند کے نام و خدمات پیش ہیں۔مدرسہ کے فارغین میں مولانا عبدالعلیم آسی دربھنگوی تھے۔آپ کا آبائی وطن موضع بلبھدر پور ضلع سمستی پور تھا، لیکن دربھنگہ میں اقامت اختیار کرلی تھی، انہوں نے ۱۹۳۳ء میں مدرسہ اسلامیہ شمس الہدیٰ ،پٹنہ سے فاضل امتحان پاس کیا، انہوں نے تحریک آزادی میں بھرپور حصہ لیا۔سبھاس چندر بوس کے ساتھ کام کیا۔مولانا ابوالکلام آزاد کے پرائیویٹ سکریٹری رہے۔جمشید پور میں پروفیسر عبدالباری کے ساتھ علی پور جیل میں تین ماہ تک سیاسی قیدی رہے۔ڈاکٹر راجندر پرساد اور گاندھی جی کے ساتھ بھی رہے اور تحریک آزادی میں کھل کر حصہ لیا۔

مدرسہ کے فارغین میں مولانا سید حبیب اللہ گیاوی بھی تھے یہ موضع نظام پور گیا کے رہنے والے تھے۔

مدرسہ اسلامیہ شمس الہدیٰ، پٹنہ سے فاضل پاس کیا۔سیاسی سرگرمیوں میں کھل کر حصہ لیا۔جمعیۃ علماء اور کانگریس کے رکن رہے۔تحریک آزادی میں پیش پیش رہے۔

غرض تحریک آزادی میں مدرسہ اسلامیہ شمس الہدیٰ، پٹنہ کے اساتذہ، طلبہ اور فارغین کا بھی اہم رول رہا ہے۔ان حضرات کی خدمت، بے لوث اور خلوص پر مبنی تھی اور ایسے مجاہدین آزادی کی بے لوث خدمت نے ملک کی آزادی کے لئے راہ ہموار کی اور اسی بے لوث خدمت کا نتیجہ ہے کہ آج ہندوستان آزاد ہے۔(۱۳)

(۲) مدرسہ امدادیہ دربھنگہ

۱۸۵۷ء کی تحریک کی ناکامی کے بعد علمائے کرام نے قیام مدارس ومکاتب کے ذریعہ دین کی حفاظت اور ملک کی آزادی لئے کام کرنے کا پروگرام بنایا۔اسی کے تحت ۱۸۶۶ء میں دارالعلوم دیوبند کا قیام عمل میں آیا۔اس کے بعد بہت سے مدارس ملک میں قائم کئے گئے۔بہار کے مشہور ومعروف شہر دربھنگہ ضلع کی ایک مردم خیز اور قدیم بستی موضع رسول پور نستہ جو دربھنگہ شہر سے پچھم اتر تیس کیلومیٹر کی دوری پر واقع ہے،اس بستی میں حضرت مولانا الحاج شاہ منور علی نستوی نے حضرت امداداللہ مہاجر مکی کے نام پر ۱۸۹۴ء میں مدرسہ امدادیہ نام کا ایک ادارہ قائم کیا۔مدرسہ امدادیہ نے اس علاقہ میں اہم خدمات انجام دیئے۔اس ادارہ کو ایک ممتاز عالم دین کی ضرورت پیش آئی۔تو حضرت مولانا منور علی کے مطالبہ پر حضرت مولانا اشرف علی تھانوی نے مولانا مرتضی حسن چاند پوری کو جو دارالعلوم دیوبند کے فارغ اور جید عالم دین تھے، نستہ بھیجا۔انہوں نے بہت دنوں تک اس مدرسہ میں صدر مدرس کے حیثیت سے درس وتدریس کے فرائض انجام دیئے۔

مدرسہ امدادیہ کی غیر معمولی شہرت کی وجہ سے ضرورت محسوس ہوئی کہ اسے مرکزی جگہ پر منتقل کیا جائے۔تو مولانا منور علی صاحب نے مدرسہ امدادیہ کو نستہ بستی سے لہریا سرائے دربھنگہ منتقل کردیا۔ابھی بھی یہ ادارہ لہریا سرائے میں بحسن خوبی چل رہا ہے۔اس ادارہ سے جید علماء پیدا ہوئے۔جنہوں نے ہر میدان میں کارہائے نمایاں انجام دیئے۔مولانا سید سلیمان ندوی اور مولانا مناظر احسن گیلانی جیسے فضلاء نے بھی اس ادارہ میں تعلیم حاصل کی اور عالمگیر شہرت کے مالک ہوئے۔

تحریک آزادی میں مدرسہ امدادیہ کا بھی اہم رول رہا ہے۔اس ادارہ سے بہت سے علماء پیدا ہوئے۔جنہوں نے تحریک آزادی میں حصہ لیا۔مولانا عبدالوہاب دربھنگوی، مولانا عبدالودود محی الدین

(۱۳)مضمون مصنف ماہنامہ افکار ملی خصوصی شمارہ: جولائی ۲۰۰۰ء

نگری، مولانا عبدالرشید رامپوری، بستی پوری، مولانا محمد قاسم سپولوی، مولانا سید سلیمان ندوی وغیرہ علمائے کرام نے تحریک آزادی میں حصہ لیا۔ان سبھوں نے اس مدرسہ سے فیض حاصل کیا تھا۔

ترک موالات (نن کوآپریشن) میں مدرسہ امدادیہ کا اہم رول رہا ہے۔حضرت شیخ الہند مالٹا کے قید سے رہا ہوکر ۸؍جون ۱۹۲۰ء کو بمبئی اترے۔مولانا شوکت علی اور ہزاروں ممبران خلافت کمیٹی نے آپ کا زوردار استقبال کیا۔اور ''نن کوآپریشن'' کا آغاز ہوا۔اس فتویٰ کو حضرت شیخ الہندؒ کے دستخط سے جاری کیا گیا۔اس پر پانچ سو علماء کے دستخط تھے۔دستخط کرنے والوں میں مدرسہ امدادیہ کے مولانا عبدالوہاب صاحب، مولانا عبدالحفیظ صاحب، مولانا عبدالودود صاحب، مولانا ابویحیٰ زکی محمد زکریا، مولانا سراج الدین، مولانا عبدالواحد اور مولانا عبدالرحیم صاحب سات اساتذہ کے نام شامل ہیں۔

اس طرح ہم دیکھتے ہیں کہ مدرسہ امدادیہ لہریا سرائے کے اساتذہ اور طلبہ نے آزادی کی تحریک میں ہر قسم کی قربانی دی۔قید وبند کی صعوبتوں کو برداشت کیا۔اور ملک کو آزاد کرانے میں اہم رول ادا کیا۔(۱۴)

(ز) مسلم انڈیپنڈنٹ پارٹی

''حضرت مولانا ابوالمحاسن محمد سجادؒ مسلمانوں کی عظمت رفتہ کی بحالی اور مستقبل کی فکر میں ہمیشہ رہتے تھے۔ان کے ذہن میں یہ خیال جم گیا تھا کہ کسی بھی قوم یا جماعت کی ترقی کے لئے سیاسی اور آئینی طاقت کا حصول ضروری ہے۔بالخصوص اس آئینی دور میں تو اس کے بغیر کوئی جماعت زندہ نہیں رہ سکتی ہے۔اس فکر کی عملی تشکیل کے لئے انہوں نے مورخہ ۲۵؍اگست ۱۹۳۵ء کو مسٹر ایم محمود بیرسٹر کے مکان پر ایک جلسہ طلب کیا۔جس کی صدارت نواب علی سجاد نے کی۔جس میں علماء ودانشوران ملت کثیر تعداد میں موجود تھے۔اسی اجتماع میں مولانا ابوالمحاسن محمد سجاد کی زوردار تحریک پر مسلم انڈیپنڈنٹ پارٹی کا قیام عمل میں آیا۔جس کا بنیادی مقصد ملک کی مکمل آزادی تھی۔اس پارٹی کی پہلی صوبائی کانفرنس ۱۲؍۱۳؍ستمبر ۱۹۳۶ء کو انجمن اسلامیہ ہال پٹنہ میں منعقد ہوئی۔جس کی صدارت حضرت مولانا حافظ احمد سعید ناظم جمعیۃ علماء ہند نے فرمائی۔بہار مسلم انڈیپنڈنٹ پارٹی کی یہ پہلی کانفرنس بیحد کامیاب

(۱۴)مدرسہ امدادیہ تاریخ کے آئینہ میں مختلف صفحات:

ہوئی۔موسلادھار بارش، ریلوے لائن سیلاب کی وجہ سے خراب ہونے اور گاڑیوں کی آمدورفت بند ہونے کے باوجود صوبہ کے تمام اضلاع سے کثیر تعداد میں مندوبین شریک ہوئے۔انجمن اسلامیہ ہال اندر اور باہر مندوبین سے کھچا کھچ بھرا ہوا تھا۔کچھ لوگ چھتوں پر بھی تھے۔جب کہ کچھ بارش کی وجہ سے چھتری لے کر پروگرام سن رہے تھے۔مسلم انڈیپنڈنٹ پارٹی کے صدر مولانا محمد سجادؒ نے خطبہء استقبالیہ پڑھکر سنایا۔لوگوں نے نہایت توجہ سے سنا۔‘‘(۱۵)

اس پارٹی نے الیکشن میں حصہ لیا۔مسلم انڈیپنڈنٹ پارٹی کو تقریباً ۸۰رفیصد کامیابی ملی۔اس کے ۲۳رامیدواروں میں سے ۲۰رامیدوار کامیاب ہوگئے۔مولانا منت اللہ رحمانی کو مسلم انڈیپنڈنٹ پارٹی نے بھاگلپور حلقہ سے کھڑا کیا تھا۔ان کے مقابلہ میں مسٹر عبدالعزیز کی یونائیٹیڈ پارٹی کے رکن مولوی علاء الدین وکیل کھڑے ہوئے تھے۔جن کا پیشہ کے اعتبار سے بھی بہت اثر ورسوخ تھا۔مگر مولانا منت اللہ رحمانی نے ۵۵۸۸رووٹ حاصل کئے۔اوران کے مدمقابل وکیل صاحب کو صرف ۲۹۱رووٹ ملے۔جس کی وجہ سے ان کی ضمانت بھی ضبط ہوگئی۔

الیکشن کے نتائج کے بعد کانگریس اور گورنر کے درمیان اختلاف ہوگیا۔جس کی وجہ سے کانگریس نے وزارت بنانے سے انکار کردیا۔تو گورنر نے انڈیپنڈنٹ کے پارٹی کو وزارت بنانے کی دعوت دی۔مسلم انڈیپنڈنٹ پارٹی نے بہار میں حکومت بنائی۔مسٹر محمد یونس صاحب بیرسٹر وزیر اعظم بنائے گئے۔حکومت گرچہ مسٹر محمد یونس بیرسٹر کے ہاتھ میں تھی۔مگر اصلاً پارلیمنٹری بورڈ کے صدر حضرت مولانا محمد سجاد اس حکومت کے روح رواں اور پالیسی ساز تھے۔مسلم انڈپنڈنٹ پارٹی کے وزارت میں اس کے کامیاب ممبران کے علاوہ عبد الوھاب خاں، بابو گر سہائے لال اور کمار اجیت پرشاد سنگھ دیو بھی شامل تھے۔

مسٹر محمد یونس کی حکومت صرف چار ماہ رہی۔جب گورنروں کے خصوصی اختیارات کے سوال پر گورنر جنرل کے ساتھ گاندھی جی کا سمجھوتا ہوگیا۔اور کانگریس ورکنگ کمیٹی نے وزارتوں کی تشکیل کی اجازت دیدی، تو ۷ر جولائی کو مسٹر یونس نے استعفاء دیدیا۔لیکن گورنر کی درخواست پر ۱۹رجولائی تک حکومت کا کام سنبھالے رہے۔بہرحال مسلم انڈپنڈنٹ پارٹی کی چار ماہ کی حکومت بہت ہی کامیاب رہی۔اوراس حکومت کے ذریعہ لئے گئے فیصلے آج بھی اہمیت کے حامل ہیں۔(۱۶)

(۱۵) حضرت مولانا ابوالمحاسن محمد سجاد حیات وخدمات ص ۳۵۲،(۱۶) حضرت مولانا ابوالمحاسن محمد سجاد حیات وخدمات ص ۲۵۵۔۳۴۷

پندرھواں باب

بہار کے علمائے کرام۔۔۔۔مجاہدین آزادی

غدر ۱۸۵۷ء سے ۱۹۴۷ء تک

(۱) مولانا سید محمد نذیر حسین عرف میاں صاحب

مولانا سید نذیر حسین جلیل القدر محدث تھے۔آپ کا مولد موضع غوث پور ناحیہ سورج گڑھ ضلع مونگیر ہے۔لیکن عرصہ دراز تک دہلی میں رہنے اور خاندان ولی اللہی کی مسند درس پر متمکن ہونے کی وجہ سے آپ میاں صاحب اور محدث دہلوی کہے جانے لگے۔اوراسی نام سے مشہور ہوگئے۔

آپ کی ولادت ۱۸۰۵ء میں ضلع مونگیر کی ایک بستی سورج گڑھ میں ہوئی۔فارسی اور عربی کی ابتدائی کتابیں اپنے والد مولانا جواد علی سے پڑھیں۔۱۸۲۱ء میں بھاگ کر پٹنہ آئے، اسی زمانہ میں حضرت مولانا سید احمد شہید بریلوی اور مولانا اسمٰعیل شہید کا قافلہ پٹنہ آیا۔دونوں حضرات سے ملاقات ہوئی، اور پھر دہلی کا شوق پیدا ہوا۔دہلی کے لئے روانہ ہوئے۔غازی آباد میں مولانا احمد علی چریا کوٹی سے کچھ کتابیں پڑھیں، پھر بنارس پہنچے، وہاں استفادہ کیا۔پھر دہلی پہنچ کر مولانا عبدالخالق، مولانا خلیل الدین ہروری، مولانا کرامت علی اور حضرت شیخ محمد اسحٰق دہلوی سے درسی کتابوں کی تکمیل کی۔۱۸۵۷ء میں انگریزوں کے خلاف علماء نے جہاد کا فتوی صادر کیا اس فتویٰ پر دستخط کرنے والے علماء میں پہلا نام مولانا سید محمد نذیر حسین محدث دہلوی کا نام ہے۔مولانا نے تحریک آزادی میں حصہ لیا۔۱۸۴۶۔۵۶ء میں انگریزوں کے خلاف تحریک میں حصہ لینے والوں کو وہابی کہا گیا۔اوراس کے ممبروں پر ہندوستان کے اکثر شہروں میں مقدمہ چلایا گیا۔اوراس سلسلہ میں حضرت مولانا بھی گرفتار کیے گئے۔اور تقریباً ایک سال تک راولپنڈی میں نظر بند رہے۔(۱) ۱۳راکتوبر ۱۹۰۲ء کو آپ انتقال ہوا۔

(۱) رفیق علماء بہار نمبر ص ۵۵

(۲) مولانا عبدالعزیز رحیم آبادی

مولانا عبدالعزیز رحیم آبادی ضلع دربھنگہ کی ایک مشہور بستی رحیم آباد میں ۱۲۷۷ھ بمطابق ۱۸۶۰ء میں پیدا ہوئے۔ آپ کے والد کا نام شیخ احمد اللہ تھا۔ ابتدائی تعلیم گھر پر حاصل کی۔ قرآن شریف حفظ کرنے کے بعد فارسی وعربی کی تعلیم کی طرف متوجہ ہوئے۔ اور شیخ عظیم آبادی، شیخ محمد رام پوری وغیرہ سے تعلیم حاصل کی۔ گھر پر تمام علوم وفنون کی کتابیں مکمل کر لینے کے بعد حدیث کی خاص تعلیم کے لئے دہلی تشریف لے گئے اور حضرت مولانا سید نذیر حسین محدث دہلوی کے حلقہ درس میں شامل ہو کر ۱۸۷۶ء میں سند حاصل کر کے وطن واپس لوٹے۔

فراغت کے بعد رحیم آباد ہی میں درس و تدریس کا سلسلہ شروع کیا۔ پھر مظفر پور میں درس و تدریس کی خدمت انجام دی۔ مدرسہ احمدیہ آرہ کے مہتمم رہے۔ اس مدرسہ کو آرہ سے دربھنگہ منتقل کر دیا۔ ابھی بھی یہ ادارہ لہریا سرائے دربھنگہ میں مدرسہ احمدیہ سلفیہ کے نام سے تعلیمی خدمت انجام دے رہا ہے۔ دارالعلوم احمدیہ سلفیہ لہریا سرائے ایک مرکزی ادارہ ہے۔

مولانا عبدالعزیز نے علاقہ ترہت میں تحریک اہل حدیث کو آگے بڑھانے میں اہم رول ادا کیا۔ آپ نے جماعتی نظم ونسق پیدا کیا اور ایک مضبوط تنظیم قائم کی۔ مولانا کی اس جماعتی تنظیم نے انگریزوں کو تھرا دیا۔

اس زمانہ میں تحریک آزادی زوروں پر تھی۔ حضرت مولانا سید نذیر حسین محدث دہلوی نے تحریک آزادی میں حصہ لیا اور جیل گئے۔ اس کا اثر ان کے شاگرد مولانا عبدالعزیز رحیم آبادی پر بھی تھا۔ انہوں نے بھی انگریزوں کے خلاف تحریک آزادی میں کھل کر حصہ لیا۔ مولانا غلام رسول مہر نے ان کی خوب تعریف کی ہے۔ اپریل ۱۹۱۸ء میں وفات پائی۔ (۲)

(۳) مولانا سید شاہ بدرالدین قادری پھلورویؒ

حضرت مولانا سید شاہ بدرالدین قادری بن مولانا شاہ شرف الدین کی ولادت ۱۷؍رجمادی الآخر یوم یکشنبہ ۱۲۶۸ھ؍۱۸۵۲ء کو ہوئی۔ ابتدائی تعلیم زیادہ تر اپنے والد جد سے حاصل کی۔ اور درسیات کی تکمیل حضرت مولانا سید شاہ علی حبیب نصرؒ سے کی۔ انہیں سے بیعت بھی ہوئے اور خلافت واجازت حاصل کی۔

آپ نے بخاری شریف کی سب سے پہلی سند سماعت وقرأت کے بعد حضرت نصرؒ سے اور حصن

(۲) نزہت الخواطر جلد ۸ ص: ۲۵۶۔ رفیق علماء بہار نمبر ص ۵۵

حصین و دیگر کتب حدیث کی سند حضرت مولانا آل احمد محدث مہاجر مدنیؒ سے حاصل کی۔ ان کے علاوہ ۱۳۰۴ھ؍۱۸۸۷ء میں حجاز کا سفر کر کے وہاں کے محدثین وشیوخ سے استفادہ کیا۔ ۱۳۰۹ھ؍۱۸۹۲ء میں حضرت تاج العارفین پیر محمد مجیب اللہ قادریؒ کی مسند پر اپنے پیر و مرشد حضرت علی حبیب نصر کے بعد جانشین بنائے گئے۔ اس طرح رشد و ہدایت کی خدمت ان کے ذمہ تفویض کی گئی۔

آپ نے سلسلہ مجیبیہ کو بہت وسعت دی۔ آپ کے واسطہ سے یہ سلسلہ، عراق، حبش اور افغانستان تک پہنچا۔ غزنین کے سیکڑوں باشندے آپ کے مرید تھے۔ آپ کے حلقہ اثر کو دیکھتے ہوئے حکومت برطانیہ نے آپ کو شمس العلماء کا خطاب مع تمغہ پیش کیا۔ جس وقت آپ کو یہ خطاب پیش کیا گیا، اسی وقت آپ نے خطاب کو واپس کرنے کا ارادہ کیا۔ لیکن بعض مخلصین (جن کا حکومت میں بہت اثر ورسوخ تھا) انہوں نے اس ارادہ سے آپ کو روکا۔ ہندوستان اور عالم اسلام کے ساتھ حکومت برطانیہ کے سخت برتاؤ سے آپ کو سخت تکلیف پہنچی اور بالآخر ۱۳۳۸ھ؍یکم اگست ۱۹۱۹ء کو خلعت و تمغہ ایک خط لکھ کر واپس کر دیا۔ خط میں یہ کلمات لکھے:

”میں اپنے دلی رنج وغم کا اظہار اس میں سمجھتا ہوں کہ اپنے خطاب شمس العلماء اور خلعت و تمغہ وعطیہ برطانیہ کو واپس کر دوں تا کہ اراکین سلطنت ہم لوگوں کے اس بے انتہاء رنج وغم کا اس سے اندازہ کر لیں۔“

حضرت مولانا سید شاہ بدرالدین خلوت نشینی کے باوجود ملک وملت کے مسائل سے دلچسپی رکھتے تھے۔ اور ان کے لئے اصلاحی اقدامات کیا کرتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ اس وقت کی تحریکوں میں سرگرم حصہ لیا کرتے تھے۔ آپ نے تحریک خلافت میں قائدانہ رول ادا کیا۔ ترک موالات کی تحریک میں بھی حصہ لیا۔ اپنے حلقہ ارادت میں لوگوں کو ملک کی آزادی کے لئے کام کرنے کی تلقین کی۔

اسی زمانہ میں حضرت مولانا ابوالمحاسن محمد سجادؒ نے نظام شرعی کے قیام اور شرعی زندگی گذارنے کے لئے ایک تنظیم امارت شرعیہ کے قیام کی تجویز ملک کے مسلمانوں کے سامنے پیش کیا۔ صوبہ بہار ہی نہیں، بلکہ ہندوستان کے ایک بڑے خطہ وطبقہ نے اس دعوت کو قبول کیا۔ ۱۳۳۹ھ؍۱۹۲۱ء میں امارت شرعیہ کا قیام عمل میں آیا۔ ۱۹۲۱ء میں امیر شریعت کے انتخاب کے لئے پٹنہ شہر کے محلہ پتھر کی مسجد میں ایک بڑا جلسہ منعقد ہوا۔ جس کی صدارت مولانا ابوالکلام آزادؒ نے کی۔ اس جلسہ میں حضرت مولانا سید شاہ بدرالدین قادریؒ کو

امیر شریعت منتخب کیا گیا۔ آپ امارت شرعیہ کے امیر شریعت اول تھے۔امیر شریعت منتخب ہونے کے بعد آپ نے امارت کے نظام کو پورے صوبہ میں پھیلا دیا۔ آپ ہی کے زمانہ امارت میں بیت المال اور دارلقضاء کا قیام عمل میں آیا۔اس طرح امارت کا کام کافی وسیع ہوگیا۔

۱۶/صفر ۱۳۴۳ھ/ ۱۹۲۴ء میں ۷۵ سال کی عمر پا کر وفات پائی۔اور مقبرہ مجیبیہ میں اپنے پیر و مرشد کے قریب مدفون ہوئے۔(۳)

(۴) مولانا ابراہیم دربھنگوی

مولانا محمد ابراہیم کے والد کا نام منشی ظہور الدین تھا۔آپ دربھنگہ کے محلہ دُمدُمہ کے رہنے والے تھے۔ابتدائی تعلیم گھر ہی پر مولوی بنی بخش صاحب سے حاصل کی، جو فارسی کے اچھے اور ممتاز اساتذہ میں سے تھے۔پھر مدرسہ امدادیہ دربھنگہ میں داخل ہو کر علوم عربیہ کی تکمیل کی۔حدیث کی کتابیں حضرت مولانا سید مرتضی حسن چاندپوری سے پڑھیں، جو اس زمانہ میں وہاں صدر مدرس تھے۔مولانا نے حضرت مولانا عبد الوہاب سے کچھ کتابیں پڑھیں۔ایام تعلیم ہی سے منطق سے دلچسپی تھی۔فراغت کے بعد اس کی تکمیل کے لئے ٹونک تشریف لے گئے۔

ملت اسلامیہ کی فلاح، مسلمانوں کی اصلاح اور ہندوستان کی آزادی کے لئے ہمیشہ کوشاں رہے۔بہار کے دورہ میں علی برادران کے ساتھ پورا پورا تعاون کیا۔تحریک خلافت کے سلسلہ میں دربھنگہ اور بہار کے دوسرے مقامات میں بیش بہا خدمات انجام دیئے۔حضرت مولانا محمد سجادؒ کی معیت و شرکت میں صوبہ بہار میں بالعموم اور دربھنگہ میں بالخصوص جمعیۃ علماء اور کانگریس کے لئے کام کرتے رہے۔دربھنگہ کی سیاست آپ کے دم سے تھی۔ بلکہ یوں کہا جائے کہ حضرت مولانا سید مرتضی حسنؒ نے دربھنگہ کو علوم دینیہ اور مولانا محمد ابراہیم نے سیاست سے روشناس کرایا تو بے جا نہ ہوگا۔

آخر عمر تک یتیم خانہ اسلامیہ دربھنگہ کے مہتمم رہے۔آپ کے دور اہتمام میں یتیم خانہ نے خوب ترقی کی۔یتیم خانہ مدرسہ امدادیہ میں چلتا تھا۔آپ نے یتیم خانہ کو علیحدہ کر کے مدرسہ کے پچھم کی طرف یتیم خانہ کے مستقل عمارت تعمیر کرائی۔اس طرح مدرسہ اور یتیم خانہ دونوں کے لئے مستقل عمارت ہوگئی۔آپ جمعیۃ علمائے ہند کے موسسین میں سے تھے۔

آپ کی وفات مورخہ ۲۴ محرم ۱۳۴۶ھ/ ۱۹۲۷ء کو دربھنگہ میں ہوئی اور وہیں مدفون ہوئے۔(۴)

(۳) اعیان وطن ص ۶۸، (۴) الجمعیۃ جمعیۃ علماء نمبر۔ص ۴۱۸

(۵) مولانا سید محمد اسحٰق مونگیری

مولانا سید محمد اسحٰق بن سید سبحان علی کی پیدائش موضع بریار پور ضلع گھگڑیا میں ہوئی۔وہ مولانا یار علی محدث کے پوتا تھے۔مولانا یار علی محدث قاضی و مفتی مقرر ہو کر دہلی سے بہرام پور آئے۔جو پھلواری کے قریب ہے۔کچھ دنوں ان کا قیام برونی جنکشن سے قریب موضع بترہ میں رہا۔پھر برونی جنکشن سے مغرب میں بریار پور نامی محلہ میں حویلی بنا کر مستقل اقامت اختیار کر لی۔لارڈ کرزن وائسرائے نے مولانا یار علی محدث سے فارسی پڑھی تھی۔مولانا سید محمد اسحٰق مولانا عبد الرب کے والد محترم تھے۔

مولانا سید محمد اسحٰق کی تعلیم کے سلسلہ میں حالات معلوم نہیں۔تذکرہ سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ عالم و فاضل اور حضرت مولانا سید محمد علی مونگیری کے خلیفہ تھے۔اس کے علاوہ سرگرم مجاہد آزادی تھے۔وہ ایک زمانہ تک سہسرام جیل مونگیر میں قید رہے۔بھاگلپور اور کراچی کے جیل میں بھی ان کو رہنا پڑا۔اسیران مالٹا میں مولانا سید محمد اسحٰق بھی تھے۔گاندھی جی، ڈاکٹر ذاکر حسین، سری کرشن سنہا، سابق وزیر اعلی بہار، جے پرکاش نارائن، رام چرتر سنگھ، مولانا ابوالکلام آزاد اور مولانا سید حسین احمد مدنی آپ کے ساتھیوں میں سے تھے۔

مولانا سید محمد اسحٰق کا انتقال تقریباً پچاس سال کی عمر میں ۱۹۳۲ء میں ہوا۔اور مجاہدین آزادی کا وظیفہ ان کی اہلیہ بی بی سلمہ خاتون کو ملا کرتا تھا۔(۵)

(۶) مولانا خدا بخش مظفر پوری

مولانا خدا بخش کے والد کا نام محمد حسن تھا۔آپ کی پیدائش ۱۸۶۹ کو ہوئی۔یہ محلہ اسلام پور، مظفر پور کے باشندہ تھے۔ابتدائی تعلیم مظفر پور میں حاصل کی۔اعلی تعلیم کے لئے دارالعلوم دیوبند گئے۔۱۳۱۸ھ میں دارالعلوم دیوبند سے فراغت حاصل کی۔

فراغت کے بعد مظفر پور میں ایک مدرسہ فیض عام قائم کیا۔اس کے خود مہتمم تھے، مدرسہ کے کام سے رنگون اور کلکتہ اکثر جاتے تھے۔مدرسہ فیض عام نے تقریباً بیس سال تک تعلیمی خدمت انجام دیا۔

مولانا خدا بخش حضرت مولانا ریاض احمد بتیاوی کے ساتھیوں میں سے تھے۔جناب اسمٰعیل صاحب و مولانا کے داماد نے حضرت مولانا ریاض احمد کے حوالہ سے بیان کیا کہ مولانا کہا کرتے تھے، مولانا خدا بخش مرے ساتھیوں میں سے تھے۔مولانا عبد الشکور آہ مظفر پوری سابق صدر مدرس جامع العلوم مظفر پور، سابق استاد مدرسہ اسلامیہ شمس الہدی، پٹنہ آپ کے معاصر اور رفیق تھے۔

(۵) ماہنامہ شفاء جنوری ۲۰۰۲ء۔تذکرہ علمائے بہار جلد دوم ص ۲۱

مولانا خدابخش بہت دیندار اور متقی عالم تھے۔ مزاج میں سختی تھی۔ ان کے پاس کوئی اولادِ نرینہ نہیں تھی۔ اس لئے مدرسہ ان کی وفات کے بعد نہیں چل سکا۔ اور ان کے انتقال کے بعد ختم ہوگیا۔

مولانا خدا بخش مظفر پوری نے جمعیت علماء ہند کے قیام میں اہم رول ادا کیا۔ جمعیۃ علماء ہند کے موسسین میں آپ کا نام آتا ہے۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ مولانا کو سیاست سے بھی دلچسپی تھی۔ جمعیۃ علماء ہند کا تحریک آزادی میں اہم رول رہا ہے۔ جمعیۃ علماء کے پلیٹ فارم سے انہوں نے تحریک آزادی میں حصہ لیا۔

مولانا خدابخش کا انتقال ۱۹۳۶ء میں تقریباً ساٹھ سال کی عمر میں ہوا۔ (۶)

(۷) مولانا ابوالمحاسن محمد سجاد

مولانا کا اسم گرامی محمد سجاد اور کنیت ابوالمحاسن ہے۔ والد کا نام مولوی شیخ حسین بخش تھا۔ آپ کی پیدائش ۱۲۹۸ھ/۱۸۸۱ء میں موضع پنہہ، ضلع پٹنہ میں ہوئی۔ یہی آپ کا آبائی وطن ہے۔ ابتدائی تعلیم گھر پر ہوئی۔ اپنے والد اور اپنے بڑے بھائی احمد سجاد سے قرآن اور اردو فارسی کی تعلیم حاصل کی۔ مولانا وحیدالحق استھانوی سے عربی پڑھی۔ پھر کانپور تشریف لے گئے۔ اور وہاں سے دارالعلوم دیوبند گئے۔ دارالعلوم سے واپسی کے بعد پھر کانپور گئے۔ اور وہاں چار سال تک تعلیم حاصل کی۔ پھر مدرسہ سبحانیہ الہ آباد میں مولانا عبدالکافیؒ کے حلقہ درس میں شریک ہوئے۔ ۱۳۲۲ھ مطابق ۱۹۰۴ء میں فراغت حاصل کی۔

مولانا نے سیاست میں سرگرم حصہ لیا اور تحریک آزادی میں پیش پیش رہے۔ مولانا کے سیاسی کارنامہ اور خدمات میں سائمن کمیشن کے بائیکاٹ کی تائید، بہار مسلم انڈیپنڈنٹ پارٹی کا قیام اور پارٹی کی طرف سے الیکشن میں مقابلہ، جمعیۃ علمائے بہار کا قیام اور امارت شرعیہ کا قیام قابل ذکر ہے۔ ان تنظیموں نے تحریک آزادی میں اہم رول ادا کیا۔ مولانا کے کارناموں کا تذکرہ مذکورہ بالا تمام تنظیموں کے ضمن میں موجود ہے۔

مولانا سید منت اللہ رحمانی نے تحریر فرمایا ''مولانا نے بہار میں مسلم انڈیپنڈنٹ پارٹی کی بنیاد ڈالی۔ جس کا سیاسی نقطہ نظر ہندوستان کی مکمل آزادی تھا۔

۱۸ر نومبر ۱۹۴۰ء میں پھلواری شریف میں وفات پائی اور خانقاہ مجیبہ کے قبرستان میں مدفون ہوئے۔ (۷)

---

(۶) الجمعیۃ جمعیۃ علماء نمبر ص ۱۹۴، (۷) حضرت مولانا ابوالمحاسن محمد سجاد حیات وخدمات، محاسن سجاد، تذکرہ علمائے بہار جلد اول ۲۹۶ جمعیۃ علماء نمبر

(۸) مولانا سید سلیمان ندوی

مولانا سید سلیمان ندوی کے والد کا نام سید ابوالحسن تھا۔ صوبہ بہار کے ایک مردم خیز گاؤں دسنہ میں ۲۲ر نومبر ۱۸۸۴ء کو آپ کی ولادت ہوئی۔ جو بہار شریف سے قریب ہے۔ گھر پر ابتدائی تعلیم حاصل کرنے کے بعد کچھ دنوں پھلواری شریف اور دربھنگہ میں تحصیل علم کے لئے رہے۔ ۱۹۰۱ء میں دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ میں داخل ہوئے اور وہیں سے فراغت حاصل کی۔

مولانا سید سلیمان ندوی کے سلسلہ میں عام طور پر لوگ جانتے ہیں کہ وہ علمی شخصیت کے حامل تھے۔ لوگوں کی توجہ اس طرف بہت کم گئی کہ انہوں نے تحریک آزادی میں بھی کھل کر حصہ لیا۔ سید صاحب نے جہاں علمی خدمات انجام دیئے، وہیں اس دور کی تمام قومی سیاسی تحریکوں میں ان کا نمایاں حصہ رہا ہے۔ اس زمانہ میں تین ترقی پسند سیاسی جماعتیں تھیں، کانگریس، خلافت کمیٹی اور جمعیۃ علماء ہند سید صاحب ان تینوں کے کاموں میں حصہ لیتے تھے۔ خلافت اور جمعیۃ علماء ہند کے تو سرگرم رکن تھے، اور ان کے جملہ مہمات امور میں ان کا مشورہ شریک رہتا تھا۔ کانگریس کے اہم جلسوں میں بھی شرکت کرتے تھے۔ اور اس کی ورکنگ کمیٹی کے رکن تھے۔

اس لئے ہندوستان کے سیاسی بیداری کے بعد اس کی آزادی کی جدوجہد کے لئے نومبر ۱۹۱۹ء میں جمعیۃ علماء ہند کا قیام عمل میں آیا۔ اس کے بانیوں میں مولانا سید سلیمان ندوی بھی تھے۔

جمعیۃ علماء ہند نے تحریک آزادی میں جو رول ادا کیا۔ وہ تاریخ کا اہم باب ہے۔ ۲۸ر دسمبر ۱۹۱۹ء کو امرتسر میں جمعیۃ علماء ہند کا پہلا اجلاس ہوا، اس کی صدارت مولانا عبدالباری فرنگی محلی نے کی۔ اس اجلاس میں حضرت شیخ الہند اور ان کے رفقاء کار اور مولانا ابوالکلام آزادؔ کے جیل سے رہا نہ کئے جانے پر اضطراب اور بے چینی کا اظہار کیا تھا۔

۱۹ر جولائی ۱۹۲۰ء کو حضرت شیخ الہند نے ترک موالات کا فتوی دیا۔ اس فتوی کی روشنی میں اور اس کی بنیاد پر خلافت کمیٹی اور کانگریس کے رہنما اور اکابرین برطانوی سامراجی حکومت کے مقابلہ میں صف آراء ہوگئے۔

جمعیۃ علماء ہند کا ساتواں اجلاس حضرت مولانا سید سلیمان ندوی کی صدارت میں ہوا۔ جس میں سب سے

پہلے مکمل آزادی کی تجویز منظور کی گئی۔

۱۹۲۰ء کے آخر میں ترک موالات کی تحریک شروع ہو گئی تھی، اس میں سرکاری تعلیم گاہوں کا بائکاٹ اور سرکاری امداد کی واپسی بھی تھی۔ ندوہ کو بھی پانچ سو ماہوار ایڈ ملتی تھی۔ اس لئے اس کی واپسی کا بھی سوال اٹھا۔ ندوہ کی مجلس انتظامیہ کے بہت سے ارکان اور اس کے رکن میں مولانا حبیب الرحمٰن خان شیروانی سرے سے ترک موالات ہی کے خلاف تھے۔ اس لئے ایڈ کی واپسی کے مسئلہ میں سخت اختلاف تھا۔ مگر سید صاحب کی کوشش سے بڑے بحث ومباحثہ کے بعد مجلس انتظامیہ نے ایڈ کی واپسی کا فیصلہ کیا۔ دارالعلوم ندوۃ العلماء کی انتظامیہ نے ایڈ لینا بند کر دیا۔

مولانا سید سلیمان ندوی کو کانگریس کے اجلاس کی ورکنگ کمیٹی کا ممبر بھی منتخب کیا گیا۔ یہ انتخاب ۱۹۲۱ء میں کانگریس کے اجلاس احمد آباد گجرات میں ہوا۔ سید صاحب اس میں شریک ہوئے تھے۔ اور آپ کو ورکنگ کمیٹی کا ممبر منتخب کیا گیا۔

دسمبر ۱۹۱۹ء میں کانگریس اور خلافت کمیٹی دونوں کے اجلاس امرتسر میں ہوئے۔ مولانا محمد علی اور مولانا شوکت علی بھی امرتسر پہنچے۔ خلافت عثمانیہ کے خاتمہ نے مسلمانوں کو بے چین کر ہی رکھا تھا۔ جلیان والا باغ کے واقعہ نے ہندو اور مسلمان دونوں کو برہم کر دیا۔ اس طرح دونوں واقعات نے ہندو اور مسلمان دونوں میں اتحاد کا موقع فراہم کر دیا۔ اس طرح خلافت کمیٹی اور کانگریس دونوں میں اشتراک اور روزن پیدا ہوا۔

مولانا سید سلیمان ندوی نے اپنے ملک ہی میں جدوجہد آزادی کو تیز کرنے کی ترغیب دلائی۔ اور جمعیۃ علماء ہند کے پلیٹ فارم سے اس کے لئے کوشش کرتے رہے۔ آخر ہندو، مسلم، سکھ، عیسائی سبھوں کے اشتراک سے آزادی کی تحریک شروع ہوئی۔ اس طرح سبھوں کی مشترکہ کوشش سے ملک کو آزاد کرانے میں کامیابی حاصل ہوئی۔ (۸)

(۹) مولانا عبدالحکیم گیاوی

مولانا عبدالحکیم کے والد کا نام مولوی کریم بخش تھا۔ موضع شکرانواں ضلع پٹنہ (حال ضلع نالندہ) میں ماہ ربیع الاول ۱۳۰۲ھ میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم گھر پر ہوئی۔ پھر موضع گیلانی جو شکرانواں سے چار میل کی دوری پر ہے، وہاں تحصیل علم کے لئے گئے۔ اور وہیں حفظ کی تعلیم مکمل کی۔ پھر مدرسہ سبحانیہ الہ آباد تشریف لے گئے اور

(۸) مدرسہ امدادیہ تاریخ کے آئینے میں ص ۱۱۰۔ مصنف کا مضمون

وہاں سے فراغت حاصل کی۔ وہیں حضرت مولانا محمد سجاد کی تربیت میں رہنے کا موقع ملا اور مدرسہ نصرۃ الاسلام الہ آباد میں مدرس ہو گئے۔

آپ کی شادی موضع اوگانواں ضلع پٹنہ (حال ضلع نالندہ) میں ہوئی، جو شکرانواں سے دو میل کے فاصلہ پر واقع ہے، شادی کے بعد وہیں سکونت پذیر ہو گئے۔

۱۳۲۹ھ میں حضرت مولانا محمد سجادؒ نے محسوس کیا کہ گیا میں ایک دینی درسگاہ کی ضرورت ہے اور مدرسہ سبحانیہ الہ آباد کی مدرسی ترک کر کے گیا آنے لگے، تو مولانا عبدالحکیم بھی مدرسہ نصرت الاسلام سے مستعفی ہو کر ان کے ساتھ چلے آئے اور اپنے استاذ کے ساتھ قیام مدرسہ اور دیگر امور میں ساتھ ساتھ رہے۔ جمعیۃ علماء صوبہ بہار اور امارت شرعیہ کے قیام میں حضرت مولانا محمد سجادؒ کے ساتھ رہے۔ حضرت مولانا محمد سجادؒ سیاسی امور کی کثرت کی وجہ سے مدرسہ انوار العلوم کا کام مولانا عبدالحکیم کے سپرد کر دیا اور خود بحیثیت نگراں مدرسہ کی نگرانی کرتے رہے۔

۱۹۱۹ء کو دہلی میں علماء کے اجتماع کا پروگرام طے ہوا تو حضرت مولانا محمد سجادؒ نے اپنے سیاسی مشاغل کی وجہ سے اس میں شرکت کرنے سے قاصر تھے تو اپنی جگہ پر مولانا عبدالحکیم کو اپنا پیام اور مشورہ دے کر بھیجا۔

مولانا صاحب علم اور اچھے استاذ تھے، ملی کاموں میں برابر حصہ لیتے رہے۔ جمعیۃ علماء کے موسسین میں سے تھے۔ اس طرح زندگی بھر جمعیۃ علماء ہند کے رکن رہے۔ اور تحریک آزادی میں سرگرم حصہ لیتے رہے۔

آپ کی وفات مورخہ ۱۲/ربیع الاول ۱۳۶۰ھ/۱۹۴۱ء کو اوگانواں میں ہوئی۔ اور وہیں مدفون ہوئے۔ (۹)

(۱۰) مولانا حکیم عبدالرحمٰن وفا ڈمرانوی

مولانا حکیم عبدالرحمٰن کے والد کا نام مولوی مصاحب علی تھا۔ موضع باگا ضلع بھوجپور کے رہنے والے تھے۔ آپ کی ولادت ۲۵/جنوری ۱۸۸۰ء کو ہوئی۔ ابتدائی تعلیم گھر پر حاصل کی۔ قرآن پاک ترجمہ کے ساتھ اور فارسی کی درسی کتابیں اپنے چچا الحاج مولوی عبدالقادر سے پڑھیں۔ دولت پور آرہ اور غازی پور یوپی میں درسیات کی تعلیم حاصل کی۔ غازی پور سے سند فراغت حاصل کی۔ آپ کے اساتذہ میں حضرت مولانا محمد ابراہیم آرویؒ حضرت مولانا حافظ عبداللہ غازی پوریؒ حضرت مولانا محمد اسحاق آرویؒ قابل ذکر ہیں۔ درسیات سے فارغ ہونے

(۹) الجمعیۃ جمعیۃ علماء نمبر ص ۴۱۹

کے بعد مولانا حکیم محمد ظہور آرویؒ سے فن طب کی تعلیم حاصل کی۔ آپ کو عربی زبان پر کافی عبور تھا۔ آپ بہترین مقرر و خطیب تھے۔ تحریک آزادی کا دور تھا۔ ہر طرف لوگ آزادی میں حصہ لے رہے تھے۔ مولانا نے بھی جنگ آزادی میں حصہ لیا۔ جمعیۃ علماء کی تحریک پورے ملک میں جاری تھی۔ علماء خاص طور پر جمعیۃ علماء کے ساتھ منسلک ہوکر اس کے پروگرام کو کامیاب بنانے میں حصہ لے رہے تھے۔ مولانا نے بھی جمعیۃ علماء کی تحریک کو آگے بڑھایا۔ اور ملک کی آزادی میں بھرپور حصہ لیا۔

مولانا حکیم عبدالرحمٰن شاعری کا مذاق رکھتے تھے۔ اور وفا تخلص کرتے تھے۔(۱۰)

۲۴ مارچ ۱۹۴۴ء کو وفات پائی۔

(۱۱) مولانا سید شاہ محی الدین قادری پھلواروی

مولانا سید شاہ محی الدین' حضرت مولانا سید شاہ بدرالدین قادری پھلواروی امیر شریعت کے بڑے صاحبزادے تھے۔ آپ نے اپنی تعلیم اپنے والد سے' فارسی مولوی محمد کامل پھلواروی اور عربی کی ابتدائی تعلیم مولانا شاہ حمید الحق پھلواروی سے حاصل کی۔ متوسطات اور اکثر منتہی کتابیں مولانا عبداللہ رام پوری اور آخر کی کتابیں مولانا عبدالرحمان ناصری گنجی سے تمام کیں۔

مولانا نے تحریک آزادی میں حصہ لیا۔ جمعیۃ علماء کا دوسرا اجلاس ۱۹۲۰ء میں دہلی میں ہوا، آپ نے اس میں شرکت کی، اور پھر اس کے سرگرم رکن بن گئے۔ اس سے قبل آرہ میں خلافت کانفرنس کا اجلاس آپ کی صدارت میں ہوا۔ آپ کی تقریر اس قدر زوردار تھی کہ ایک شخص نے آپ کو گود میں اٹھالیا۔ اور اس کے بعد ہی آپ کے نام گرفتاری کا وارنٹ جاری ہوگیا۔ دوسرے مواقع پر بھی آزادی کے سلسلہ میں پرجوش تقریر کرنے کے جرم میں وارنٹ جاری ہوئے۔ لیکن اس کی تعمیل کبھی نہیں ہوئی۔

جمعیۃ علماء نے اپنے اجلاس امروہہ میں ۱۹۳۰ء میں جنگ آزادی کے سلسلہ میں سول نافرمانی کی تجویز منظور کی' تو آپ نے اس کی پرزور تائید کی۔ آپ کی تحریر نے صوبہ بہار میں تحریک آزادی کو اور تیز کردیا۔

۲۲ اپریل ۱۹۴۷ء میں وفات پائی۔(۱۱)

(۱۱) تذکرہ علمائے بہار جلد اول ص ۳۰۷

(۱۲) مولانا ابوالبرکات عبدالرؤف داناپوری

مولانا ابوالبرکات عبدالرؤف داناپوری ۱۸۵۶ء کے قریب داناپوری محلہ سقاٹولی میں پیدا ہوئے۔ آپ کا آبائی مکان موضع داناپور گھوسہرہ ضلع پٹنہ تھا' ابتدائی تعلیم داناپور اور پٹنہ میں حاصل کی اور تعلیم کی تکمیل لکھنو اور حیدر آباد میں کی۔ مولانا عالم دین کی حیثیت سے چنیدہ علماء میں سے تھے۔ ان کے تبحر علمی کا اعتراف مولانا آزاد، مولانا سید سلیمان ندوی، شیخ السلام، مولانا حسین احمد مدنی وغیرہ نے کیا ہے۔

گیا میں جب کانگریس، خلافت اور جمعیۃ علماء ہند کا اجلاس ایک ہی وقت میں الگ الگ منعقد ہوا۔ تو مولانا کو جمعیۃ علماء ہند کی مجلس استقبالیہ کا صدر چنا گیا۔ اس طرح جمعیۃ علماء کے پلیٹ فارم سے بھی انہوں نے تحریک آزادی میں حصہ لیا۔

مولانا عبدالرؤف داناپوری انگریزی سامراجیت کی سخت مخالف تھے۔ ۱۹۱۶ء سے بار بار انگریزوں کے خلاف جنگ آزادی میں شریک ہوتے رہے۔ اور تحریک آزادی میں کھل کر حصہ لیا۔ ۱۹۲۱ء میں مولانا عبدالرؤف داناپوری، مولانا ابوالکلام آزاد' سوبھاش چندبوس وغیرہ لیڈروں کے ساتھ گرفتار کرلئے گئے اور چھ ماہ قید میں رہے۔

۲۹ فروری ۱۹۴۸ء کو کلکتہ میں وفات پائی اور وہیں مانک تلہ قبرستان میں مدفون ہوئے۔(۱۲)

(۱۳) مولانا عبدالوہاب دربھنگوی

مولانا عبدالوہاب اپنے وطن بلاسپور حیا گھاٹ ضلع دربھنگہ میں ۱۲۹۰ھ بمطابق ۱۸۷۳ء میں پیدا ہوئے۔ مدرسہ امدادیہ میں عربی کی تعلیم کے بعد دارالعلوم دیوبند تشریف لے گئے۔ اور حضرت شیخ الہندؒ سے ۱۳۲۲ھ بمطابق ۱۹۰۴ء میں دورۂ حدیث پڑھا۔ ۱۳۲۳ھ بمطابق ۱۹۰۵ء میں فنون کی تکمیل کی۔ حضرت شیخ الہندؒ کے خاص خادموں میں سے تھے۔ فراغت کے بعد ۱۹۰۶ء میں مدرسہ امدادیہ دربھنگہ میں مدرس ہوئے۔ پھر شیخ الحدیث اور مہتمم کے عہدہ پر فائز کئے گئے۔ ترک موالات (نن کوآپریشن) کے سلسلہ میں جو فتویٰ مرتب کیا گیا تھا۔ اس پر مولانا عبدالوہاب صاحب کا بھی دستخط تھا۔ اس کے علاوہ بھی انہوں نے تحریک آزادی میں بڑھ چڑھ کر

(۱۲) تذکرہ علمائے بہار جلد اول ص ۱۶۴

حصہ لیا۔متعدد بار گرفتار ہوئے۔اور قید و بند کی مشقت جھیلی ،جیل میں بھی درس قرآن کا سلسلہ برابر جاری رکھا۔

جون ۱۹۴۸ء میں وفات پائی۔(۱۳)

(۱۴) مولانا شائق احمد عثمانی بھاگلپوری

مولانا شائق احمد اپنے وطن یورینی ضلع بھاگلپور میں ۱۳۱۱ھ بمطابق ۱۸۹۳ء میں پیدا ہوئے۔ابتدائی تعلیم اپنے وطن یورینی اور مونگیر میں حاصل کی۔۱۳۲۷ھ بمطابق ۱۹۰۹ء میں دارالعلوم دیوبند میں داخلہ لیا۔اور ۱۳۲۹ھ بمطابق ۱۹۱۱ء میں دورۂ حدیث سے فراغت حاصل کی۔مولانا عبیداللہ سندھی کے ساتھ بھی نظارۃ المعارف میں رہے۔اور سیاسی تربیت حاصل کی۔حضرت شیخ الہندؒ اور مولانا عبیداللہ سندھی کی تربیت نے سیاسی تحریک میں اتار دیا۔اور تحریک آزادی میں حصہ لیا۔۱۹۲۱ء میں کلکتہ سے ایک روزنامہ اخبار ''عصر جدید'' کے نام سے نکالا۔اخبار کے ذریعہ مولانا نے اہم سیاسی خدمات انجام دیئے۔اور اپنے استاذ کے مشن کی کامیابی کے لئے کوشاں رہے۔انگریزی حکومت کے خلاف لکھنے کے پاداش میں قید و بند کی مشقت بھی جھیلی۔

۱۹۴۸ء میں کراچی منتقل ہوگئے۔اور وہاں بھی عصر جدید کو جاری رکھا۔(۱۴)

(۱۵) مولانا محمد سہول عثمانی بھاگلپوری

حضرت مولانا محمد سہول کا وطن پورینی ضلع بھاگلپور تھا۔۱۲۹۲ھ/۱۸۷۵ء کو ولادت ہوئی۔ابتدائی تعلیم گھر پر حاصل کی ۔ پھر شہر بھاگلپور میں مولانا اشرف عالم سجادہ نشین خانقاہ شہبازیہ سے تعلیم حاصل کی۔ پھر کانپور گئے اور مدرسہ جامع العلوم میں حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ سے تعلیم حاصل کی۔حضرت مولانا لطف اللہ علی گڑھی، حضرت مولانا سید نذیر حسین محدث دہلوی کے درس میں بھی شریک ہوئے۔پھر دارالعلوم دیوبند میں حضرت مولانا محمود حسن دیوبندی سے درس لیا۔اور وہیں سے ۱۳۱۸ھ/۱۹۰۰ء میں فراغت حاصل کی۔

دارالعلوم دیوبند سے فراغت کے بعد دارالعلوم دیوبند میں مدرس رہے۔پھر مدرسہ عزیزیہ بہار شریف، مدرسہ عالیہ کلکتہ اور مدرسہ عالیہ سلہٹ میں صدر مدرس اور شیخ الحدیث رہے۔۱۹۲۰ء سے ۱۹۳۴ء تک مدرسہ

(۱۳) مدرسہ امدادیہ تاریخ کے آئینے میں ص ۱۰۸

(۱۴) تذکرہ علمائے بہار جلد اول ص ۱۲۷

اسلامیہ شمس الہدی، پٹنہ کے پرنسپل رہے۔

مولانا نے حضرت شیخ الہندؒ کی صحبت میں تربیت پائی۔اس لئے ابتداء ہی سے تحریک آزادی میں سرگرم رہے۔ریشمی رومال تحریک میں انہوں نے خوب حصہ لیا۔حضرت شیخ الہندؒ نے جب مکہ مکرمہ کا سفر کیا،تو ان کے ہمراہ سفر میں جانے والوں میں حضرت مولانا محمد سہول عثمانی بھی شامل تھے۔جب حضرت شیخ الہندؒ کی گرفتاری ہوئی تو آپ ہندوستان واپس تشریف لے آئے اور یہاں ریشمی خطوط تحریک کو آگے کی طرف بڑھاتے رہے۔چنانچہ ریشمی خطوط ڈائرکٹری میں جہاں اور حضرات کے نام ہیں اور ان کے حالات درج ہیں۔ان میں مولانا محمد سہول عثمانی کا بھی تذکرہ ہے۔اس سے اس کا بخوبی اندازہ ہوتا ہے کہ انہوں نے تحریک آزادی میں خوب حصہ لیا۔اور حضرت شیخ الہندؒ کی تحریک کو کامیاب بنانے میں اہم رول ادا کیا۔

آپ کی وفات ۲۲ رمئی ۱۹۴۸ء کو ہوئی۔(۱۵)

(۱۶) مولانا عبدالودود سمستی پوری

مولانا عبدالودود کے والد کا نام قاضی شیخ حیات بخش تھا جو محی الدین نگر اسٹیٹ میں ناظر تھے۔جون ۱۸۹۸ء میں آپ کی ولادت ہوئی ابتدائی تعلیم گھر پر حاصل کی۔اس کے بعد مدرسہ عزیزیہ بہار شریف گئے۔پھر دارالعلوم دیوبند گئے،اور وہیں سے ۱۹۲۱ء میں فراغت حاصل کی۔اسی سال مدرسہ امدادیہ لہریا سرائے دربھنگہ میں مدرس مقرر ہوئے۔اور آزادی ہند کے سلسلہ میں ترک موالات میں حصہ لینے کی وجہ سے ایک ماہ کی قید ہوئی، دسمبر کے مہینہ میں جمعیۃ علماء ترہت کے ناظم ہوئے۔کانگریس کی تحریکوں میں حصہ لینے لگے ۔ ۱۹۳۱ء میں دوبارہ انگریزی سرکار سے بغاوت کے جرم میں گرفتار ہوئے،اور مقدمہ چلا۔جس میں رہا ہوگئے۔پھر تیسری مرتبہ ۱۹۳۲ء میں دو سال کے لئے جیل گئے ۔آپ کو چھ ماہ دربھنگہ جیل میں رکھ کر پھلواری شریف کیمپ جیل میں منتقل کردیا گیا۔جہاں پروفیسر عبدالباری، کے بی سہائے اور ڈاکٹر انوگرہ نرائن وغیرہ پہلے سے تھے۔تیسرتی مرتبہ جب آپ جیل گئے اس وقت دربھنگہ کانگریس کمیٹی کے صدر تھے۔بعد میں برابر جمعیۃ علماء کے سکریٹری، کانگریس ورکنگ کمیٹی کے ممبر، این سی سی کے ممبر، دربھنگہ میونسپلٹی کے ممبر، اور دربھنگہ ڈسٹرکٹ بورڈ کے ممبر رہے۔

(۱۵) تذکرہ علمائے بہار جلد اول ص: ۳۱۰۔ مکاتیب گیلانی ص ۱۶۹

حضرت مولانا عبدالوہابؒ استاذ مدرسہ امدادیہ لہریا سرائے کی علالت کی زمانہ میں ۱۹۴۸ء میں ضلع دربھنگہ جمعیۃ علماء کے صدر منتخب ہوئے۔۱۹۴۸ء سے ۱۹۵۲ء تک مدرسہ امدادیہ کے ناظم رہے۔۱۹۳۸ء سے ۱۹۴۲ تک بہار کے محکمہ دیہات سدھار میں ڈسٹرکٹ پروپیگنڈہ آفیسر کی حیثیت سے کام کیا۔دوران تعلیم دیوبند ہی میں آپ حضرت شیخ الہند مولانا محمود الحسنؒ مولانا عبیداللہ سندھیؒ مولانا انور شاہ کشمیریؒ مولانا سید حسین احمد مدنیؒ وغیرہ کی صحبت میں رہ کر انگریزوں سے بغاوت کی تحریکوں میں حصہ لینے لگے۔غدر میں مولانا کا خاندان انگریزوں کے ظلم وستم کا بری طرح شکار ہوا۔اور آج بھی ان کے مکانوں کو دیکھ کر اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ آزادی کے اتنے دنوں بعد بھی سنبھلنے میں کامیاب نہ ہوسکے۔انگریزوں کے خلاف جو آگ ان کے دل میں لگی تھی۔آج بھی مولانا کے خاندان میں موجود ہے۔اپنی زندگی میں سرکار سے کبھی بھی کوئی انعام قبول نہ کیا۔لیکن ان کے انتقال کے بعد بیوہ بی بی حلیمہ خاتون کو آپ کے مجاہد آزادی ہونے کی وجہ سے ۱۱۰۰ روپے بطور پینشن مل رہا ہے۔

نومبر ۱۹۶۰ء کو مختصر علالت کے بعد وفات پائی۔(۱۶)

(۱۷) مولانا سید عطاء اللہ شاہ بخاری

مولانا سید عطاء اللہ شاہ بخاری یکم ربیع الاول ۱۳۱۰ھ بمطابق ۱۸۹۱ء کو پٹنہ سیٹی میں پیدا ہوئے۔جہاں آپ کے والد سید ضیاء الدین بخاری سکونت پذیر تھے۔آبائی وطن موضع ناگڑیاں ضلع گجرات صوبہ پنجاب تھا۔ابتدائی تعلیم اپنے نانیہال پٹنہ میں حاصل کی۔اور فن قرأت کی تکمیل ایک کویتی قاری سید محمد عاصم سے کی،جو سلطان ترکی عبدالحمید خاں کی اولاد کے اتالیق تھے۔پھر کسی وجہ سے قہر سلطانی کا شکار ہوکر ہندوستان چلے آئے اور پٹنہ کی ایک مسجد میں بچوں کو قرآن پڑھانے لگے،قاری صاحب موصوف غضب کے خوش الحان تھے،جب تلاوت کرتے تو مسجد کے دروازے پر بھیڑ لگ جاتی ۔یہ وقت آپ کی ابتدائی عمر کا تھا۔ایک دن شاہ صاحب قاری صاحب کی نقل اتار رہے تھے کہ قاری صاحب نے دیکھ لیا اور بہت خوش ہوئے اور خصوصی توجہ سے فن قرأت سکھایا۔اور آپ فن قرأت میں یکتا ہوگئے۔اس کا اثر تھا کہ آپ نہایت ہی عمدہ قرآن پڑھتے رہے۔جلسوں میں گھنٹوں قرآن پڑھتے رہتے اور کیا مجال تھی کہ کوئی اکتا جائے۔۱۹۴۶ء کے بجنور کے اجلاس میں آپ تقریر کرنے آئے تو گھنٹہ بھر قرآن ہی پڑھتے رہے۔اور پورا مجمع نہایت شوق اور توجہ سے سنتا رہا۔

(۱۶) مدرسہ امدادیہ تاریخ کے آئینے میں ص ۱۰۸

آپ ۱۹۱۳ء میں پٹنہ چھوڑ کر امرتسر چلے گئے اور وہیں مقیم ہوگئے۔اور حضرت مولانا مفتی محمد حسن امرتسری سے حدیث اور مولانا نور احمد صاحب سے قرآن اور مولانا مصطفیٰ قاسمی سے فقہ پڑھی اور اپنے دادا جی سے قرآن حفظ کیا۔پہلی جنگ عظیم کے ختم ہونے کے بعد آپ ۱۹۱۹ء میں جلیاں والا باغ کے سانحہ کے بعد سیاسی میدان میں اترے۔۱۹۲۹ء میں مولانا ابوالکلام آزاد کے مشورہ سے ''مجلس احرار اسلام'' قائم ہوئی۔آپ اس کے صدر منتخب ہوئے۔۱۹۱۹ء سے لے کر ۱۹۴۷ء تک مسلسل ۲۷ ربرس تک مستقل انگریزی استعمار سے برسر پیکار رہے۔اور تحریک آزادی میں حصہ لیتے رہے۔یہاں تک کہ ۱۹۴۷ء میں ہندوستان آزاد ہوگیا۔مولانا ہندوستان کی تقسیم کے سخت مخالف تھے۔لیکن جب ہندوستان تقسیم ہوگیا اور ملک میں فرقہ وارانہ فسادات شروع ہوئے،تو مولانا اس سے اس قدر ملول وافسردہ ہوئے کہ وہ بالکل بجھ کر رہ گئے۔اور سیاست سے کنارہ کشی اختیار کرلی۔ان واقعات نے ان کی صحت پر بہت برا اثر ڈالا مختلف امراض وعوارض نے آگھیرا۔۲ رجنوری ۱۹۶۱ء کو فالج کا حملہ ہوا جس نے بے بس کر کے رکھ دیا،پھر دوسرا حملہ ۱۶ رمارچ ۱۹۶۱ء کو ہوا،جس نے بالکل ہی صاحب فراش کر دیا۔کئی مہینے موت وحیات کی کشمکش میں مبتلا رہے،اور ۲۱ راگست ۱۹۶۱ء کو آپ کا وصال ہوگیا۔(۱۷)

(۱۸) مولانا سید نثار احمد انوری دربھنگوی

مولانا سید نثار احمد بن میر ضمیر الدین بن بہادر کی پیدائش تقریباً ۱۸۰۳ء میں موضع بھگوتی پور تھانہ سنگھوارہ ضلع دربھنگہ میں ہوئی۔ابتدائی تعلیم گھر پر مولانا نظام الدین سے حاصل کی۔پھر موضع استوہ میں کاستھی ہندی اور اردو کی تعلیم حاصل کی۔پھر موضع نستہ میں مولانا مفتی محمود کے والد عبدالصمد ڈپٹی صاحب سے تعلیم حاصل کی۔اور اپنے ساتھی مولانا نظام ومولانا حافظ دوست محمد وغیرہ کے ساتھ مئو گئے۔وہاں دار العلوم مئو میں داخلہ لیا۔پھر وہاں سے بنارس اور سہارنپور گئے۔سہارنپور میں مدرسہ مظاہر العلوم میں تعلیم حاصل کرنے کے بعد دار العلوم دیوبند تشریف لے گئے۔اور وہاں کے اساتذہ سے اکتساب علم وفضل کیا۔آپ کے اساتذہ میں اس دور کے جید علماء ہیں۔ان میں سے حضرت علامہ انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ (م ۱۳۵۴ھ) حضرت علامہ شبیر احمد عثمانیؒ (م ۱۳۴۶ھ) حضرت علامہ ابراہیم بلیاویؒ حضرت مولانا سید اصغر حسین محدث دیوبندیؒ (م ۱۳۴۶ھ) وغیرہ قابل ذکر ہیں۔حضرت علامہ انور شاہ کشمیریؒ سے خاص رابطہ تھا۔اسی مناسبت سے انوری لکھا کرتے تھے۔

(۱۷) ماہنامہ انوار العلوم ص ۳۲۔تذکرہ علمائے بہار جلد دوم ص ۱۵۱

فراغت کے بعد مدرسہ مظاہر العلوم سہارنپور میں درس وتدریس کی خدمت انجام دی۔تقریباً ۶ سال تک وہاں تدریسی خدمت سے منسلک رہے۔پھر والد صاحب کی خواہش کے مطابق وہاں سے گھر آئے۔ادھر مدرسہ احمدیہ مدھوبنی کے اراکین کی طرف سے تقاضہ ہونے لگا۔چنانچہ جب مولانا گھر تشریف لائے' تو مدرسہ احمدیہ سے ایک فرستادہ آیا۔اور مولانا کو مدھوبنی لے گیا۔اس طرح ۱۹۶۵ء میں مدرسہ احمدیہ مدھوبنی میں درس وتدریس کی خدمت میں مشغول رہے۔اسی درمیان مدرسہ اسلامیہ آواپور ڈھاکہ چمپارن تشریف لے گئے۔وہاں صرف ایک سال رہے' چھ سال مدرسہ احمدیہ میں گذارا۔ملی تنظیم سے بھی دلچسپی رکھتے تھے۔مولانا نے تحریک آزادی میں بھی حصہ لیا۔کانگریس کے لئے خوب کام کیا۔ہری ناتھ مشر وغیرہ لیڈران آپ کو ہاتھوں ہاتھ لیا کرتے تھے۔اور خوب عزت واحترام کیا کرتے تھے۔مولانا ان ہی لیڈروں کے ساتھ سیاست میں سرگرم رہے۔مولانا جید عالم تھے۔خوب عمدہ علمی تقریر کیا کرتے تھے۔عوام وخواص میں خوب مقبول تھے۔

مولانا کا انتقال ۷ ستمبر ۱۹۶۱ء کو بھگوتی پور میں ہوا اور وہیں کے قبرستان میں مدفون ہوئے۔(۱۸)

(۱۹) مولانا عتیق الرحمان آروی

مولانا عتیق الرحمان کی ولادت شاہ آباد موجودہ ضلع رہتاس کے ڈھری اون سون تھانہ کے بڑاؤں کلاں گاؤں میں ۱۹۰۳ء کو ہوئی۔ان کے والد سمہر علی سپاہی تھے۔ڈھری اون سون کو دو عظیم شخصیتوں کی جائے پیدائش ہونے کا فخر حاصل ہے۔ایک مولانا عتیق الرحمان اور دوسرے عبدالقیوم انصاری۔

مولانا عتیق الرحمان کی ابتدائی تعلیم ناصری گنج کے مدرسہ معین الغرباء میں ہوئی۔اعلی تعلیم کیلئے دارالعلوم دیوبند تشریف لے گئے۔اور وہیں سے فراغت حاصل کی۔حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی کے مخصوص شاگردوں میں سے تھے۔مولانا عتیق الرحمان زبردست مقرر اور مناظر تھے۔اسلام اور دیگر مذاہب کا گہرا مطالعہ تھا۔حاضر جوابی میں بھی بہت مشہور تھے۔مناظرہ میں اکثر غالب رہتے۔

دارالعلوم دیوبند کے زمانہ طالب علمی ہی میں ان کی شناخت ایک اچھے مقرر کی حیثیت سے ہوگئی تھی۔حضرت شیخ مدنی کی نگرانی میں تحریک آزادی میں خوب حصہ لیا۔گورکھپور، بنارس، دھرادون، لاہور، کراچی، اور

(۱۸) تذکرہ علمائے بہار جلد اول ص ۴۰۶

پشاور تک کا دورہ کیا اور چھوٹے بڑے جلسوں میں شرکت کر کے آزادی کے پیغام کو گھر گھر پہنچایا۔

مولانا کے لڑکے ڈاکٹر سعید الرحمان نے بتایا کہ تحریک آزادی میں حصہ لینے کی وجہ سے ۱۹۳۲ء میں ان کے والد دھرادون میں گرفتار کر لے گئے۔اور لاہور بھیج دیئے گئے۔جیل سے رہائی کے بعد گھر لوٹ آئے اور ناصری گنج کے مدرسہ معین الغرباء میں صدر المدرسین ہوگئے۔یہاں رہ کر انگریزوں کے خلاف لوگوں کو جگانے کا کام جاری رکھا۔اپنے علاقہ کے مجاہدین آزادی جے پرکاش سنگھ، بدری سنگھ یادو اور جگدیش سادھو کے ساتھ گاؤں گاؤں کا دورہ کیا۔

مولانا ملک کی آزاد کے متوالے تھے۔حضرت شیخ مدنی کے تربیت یافتہ تھے۔ملک کی تقسیم نے مولانا کو جھنجھوڑ کر رکھ دیا۔اور انہوں نے کھل کر اس کی مخالفت کی۔وہ جہاں کہیں بھی گئے اپنی تقریر میں دوقومی نظریہ کی پرزور مخالفت کی۔مولانا کے شاگرد شاہجہاں خاں نسیم نے بتایا کہ مولانا کی اس طرح کی تقریر کو انہوں نے کواتھ، ڈالمیانگر، ناصری گنج میں سنا۔عام لوگ ان کی تقریر کو بہت غور سے سنتے تھے۔مسلم لیگ سے تعلق رکھنے والے لوگ ان سے بہت خفا ہوتے تھے اس لئے ان کی تقریر کے دوران اکثر ہنگامہ کرنے کی کوشش کرتے۔

مولانا ہندو مسلم یکتا کے دل سے قائل تھے اور اپنی زندگی میں اس کو رچا بسا لیا تھا۔صرف تقریر سے ہی نہیں بلکہ اپنے عمل سے بھی اس کو ظاہر کیا۔اور ایک انوکھی مثال قائم کی۔مولانا کے دولڑکے تھے حفیظ الرحمان اور سعید الرحمان ۔یہ ان دونوں کے اسکولی نام تھے۔گھر میں پکارو نام انہوں نے موہن لال اور سوہن لال رکھا۔گاؤں اور محلہ کے لوگ بھی ان کو اسی نام سے جانتے تھے۔مضمون نگار انور علی لکھتے ہیں کہ ان کے سلسلہ میں تحقیق کے دوران بکسر ضلع کے نیا بھوجپور کے ایک مدرسہ میں ان کی ایک ڈائری ملی، جس میں انہوں نے موہن لال اور سوہن لال کی تاریخ پیدائش اور دیگر خاندانی باتیں لکھی ہیں۔اس ڈائری میں کئی جگہ موہن لال اور سوہن لال کا ذکر بھی ملتا ہے۔مولانا نہایت ہی فخر کے ساتھ اپنے دوستوں میں اس کا اظہار بھی کرتے تھے۔

مولانا عتیق الرحمان کے دادا شیخ حسینی میاں جگدیش پور کے بابو کنور سنگھ کے بھروسہ مند سپائی تھے۔جب بابو کنور سنگھ جگدیش پور چھوڑ کر جانے لگے تو اپنے خاندان کے لوگوں کو شیخ حسینی میاں کی نگرانی میں رکھ دیا۔آرہ کے کلکٹر مسٹر ٹیلر نے شیخ حسینی میاں سے بابو کنور سنگھ کا پتہ پوچھا تو انہوں نے بتانے سے صاف انکار کر دیا۔جس کی وجہ سے غصہ میں آکر اس نے شیخ حسینی میاں کو گولی مار دیا۔

ڈاکٹر سعید الرحمان نے بتایا کہ ۱۹۴۲ء کے پہلے ہی سے ان کے والد ناصری گنج علاقہ میں سرگرم تھے۔اگست اندولن میں جب ناصری گنج میں محکمہ سینچائی اور ڈاک گھر کا خزانہ لوٹ لیا گیا اور گرفتاری کا دور شروع

ہوا تو مولانا پلاموں، گڑھوا، ڈالٹن گنج وغیرہ علاقوں میں رہنے لگے۔ جب ملک آزاد ہوا تو دارالعلوم دیوبند چلے گئے۔

مولانا عتیق الرحمان آروی کا انتقال ۳۱/دسمبر ۱۹۷۱ء کو ہوا۔(۱۹)

(۲۰) مولانا عبدالباری جھمکاری

مولانا عبدالباری موضع جھمکاری ضلع چمپارن کے رہنے والے تھے۔ مولانا حساس دل ودماغ، غیور وخوددانہ طبیعت اور سنجیدہ خیال کے حامل تھے۔ مولانا کی پوری زندگی قوم ملت کی رہنمائی اور ملک کو صحیح قیادت کی طرف لے جانے میں گذری۔ مولانا اقتدار کی کرسی سے بے نیاز ہمیشہ ملک وقوم کی بے لوث خدمت کرتے رہے۔ آپ جمعیۃ علماء ضلع چمپارن کے صدر رہتے تھے۔ مدرسہ دارالاسلام سکٹا میں اپنا دفتر رکھتے تھے۔

جنگ آزادی میں مولانا کا نمایاں رول رہا۔ وہ شاعر اور مصنف بھی تھے۔ اس کے علاوہ بیدار مغز سیاسی رہنما اور قائد بھی تھے۔ علاقہ میں آپ کا بڑا اثر تھا۔ جمعیۃ علماء کی تحریک اور اس کے نظریہ کو علاقہ میں عام کیا۔ اس زمانہ میں آزادی کی تحریک زوروں پر تھی۔ چمپارن اس کا مرکز تھا۔ اس سے انہوں نے فائدہ حاصل کیا۔ اور تحریک آزادی میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔

آپ کی وفات ۲۸/جولائی ۱۹۷۳ء میں ہوئی۔(۲۰)

(۲۱) مولانا محمد رحمت اللہ چتراوی

مولانا محمد رحمت اللہ کے والد کا نام رمضان علی تھا۔ آپ کی پیدائش ۱۸۹۵ء کے قریب ہوئی۔ آپ کے مورث اعلی گیا ضلع سے آکر چترا میں سکونت پذیر ہو گئے۔ پھر مولانا کے والد نے بعد میں تجارت کے سلسلہ سے رانچی میں سکونت اختیار کر لی تھی۔

ابتدائی تعلیم چترا میں حافظ احمد جان خاں سہسرامی سے حاصل کی۔ اعلی تعلیم کے لئے آسنسول گئے اور وہاں مدرسہ مصباح العلوم میں داخل ہو گئے۔ اسی زمانہ میں حضرت مولانا عبدالرشید رانی ساگری بحیثیت مدرس مدرسہ مصباح العلوم میں تشریف لائے۔ حضرت کی نگرانی میں تعلیم کی تکمیل ہوئی۔ اور ۱۹۱۱ء میں اسی مدرسہ سے

---

(۱۹) روزنامہ ہندوستان ہندی ۱۴ جولائی ۱۹۹۸ء۔ تذکرہ علمائے بہار جلد دوم ص ۱۵۵

(۲۰) نقیب ماہ جولائی ۱۹۷۳ء

فراغت ہوئی۔ پھر حضرت رانی ساگری کے رخصت پر چلے جانے کے بعد ان کی جگہ تعلیم وتدریس میں مشغول ہو گئے۔ اس زمانہ میں مدرسہ مصباح العلوم میں آپ نے ترمذی شریف وغیرہ کا درس دیا۔

۱۹۲۳ء میں رانچی واپس لوٹے اور مطالعہ وکتب بینی میں مصروف ہو گئے۔ پھر چترا کا ارادہ کیا اور ۱۹۲۵ء میں بیل گاڑی سے سفر کر کے رانچی سے چترا پہنچے۔ چترا کے قریب پاڑہ دھواڑا پہنچے، تو رمضان کا چاند نظر آیا۔ پورے رمضان چترا میں قیام رہا۔ لوگوں کے اصرار اور ضرورت کے پیش نظر ۱۰/شوال ۱۳۴۳ھ بمطابق ۴/مئی ۱۹۲۵ء کو مدرسہ فیض الغرباء کے نام سے چترا میں ایک مدرسہ قائم کیا۔ اس میں بیرونی طلبہ کے قیام وطعام کا انتظام کیا گیا۔ چترا اس زمانہ میں خرافات کا مجموعہ تھا۔ شرک وبدعات کا زور تھا۔ آپ کے اصلاحی کارنامہ کی وجہ سے چترا کو ان خرافات سے نجات ملی۔

جمعیۃ علماء ہند کا قیام ۱۹۱۹ء میں ہوا، تو آپ اس تنظیم سے منسلک ہو گئے۔ اور اس پلیٹ فارم سے ملک وملت کی خدمت کی۔ آپ ضلع ہزاری باغ جمعیۃ علماء کے صدر اور روح رواں رہے۔ جمعیۃ علماء کے اکابر کے ساتھ گہرا تعلق تھا۔ امارت شرعیہ کے قیام کے بعد اس سے بھی وابستہ رہے۔ حضرت مولانا منت اللہ رحمانی نے اپنے دور امارت میں ضلع ہزاری باغ وپلاموں کا قاضی شریعت متعین کیا۔ اس فریضہ کو آپ نے حسن وخوبی کے ساتھ انجام دیا۔

مولانا تبلیغی جماعت سے بھی وابستہ تھے۔ اور آپ کی زندگی میں چترا میں بڑے پیمانے پر تبلیغی اجتماعات ہوئے۔

جمعیۃ علماء اور انڈین نیشنل کانگریس کا تحریک آزادی کے سلسلہ میں اشتراک تھا۔ جمعیۃ علماء سے منسلک ہونے کی وجہ سے مولانا کانگریس کے پروگرام کو کامیاب بنانے میں بھی سرگرم رہے۔ کانگریس کے جلسوں میں شرکت کرتے تھے۔ اور تقریر کرتے۔ تعلیمی، تبلیغی، آزادی اور اصلاحی کاموں کے لئے آپ نے اپنے مشن کا مرکز چترا کو بنایا۔ اور یہاں سے ہر چہار طرف اپنے مشن کو پھیلایا۔ ہزاری باغ، پلاموں، رانچی، سنگھ بھوم، گیا وغیرہ ضلعوں میں آپ کے مشن کا کام ہمیشہ جاری رہا۔ اور اس سے لوگوں کو بہت فائدہ پہنچا۔

تعلیمی تحریک سے آپ خاص طور پر وابستہ رہے۔ مدرسہ فیض الغرباء کے بعد مدرسہ خیر العلوم چندوا، مدرسہ عرفان الرشید چندری اور مدرسہ فیض الرشید سناول ضلع سرگوجہ (ایم۔ اپی) کو قائم کیا۔ آپ کے شاگردوں کی ایک طویل فہرست ہے۔ ان میں سے اکثر مدارس ومکاتب قائم کئے۔

تحریک آزادی میں خوب حصہ لیا۔ جمعیۃ علماء اور کانگریس دونوں کے پلیٹ فارم سے آپ تحریک آزادی میں شریک رہے۔

۱۹۴۹ء میں جمعیۃ علماء کا صوبائی اجلاس طلب کر کے اس میں مدرسہ فیض الغرباء کا نام تبدیل کر کے مدرسہ رشید العلوم چترا رکھا۔ اس اجلاس سے مسلمانوں میں خود اعتمادی کا احساس پیدا ہوا۔

مسلمانوں میں تعلیمی بیداری کے خیال سے ۱۹۴۰ء میں ایک لائبریری قائم کیا۔ ماہنامہ کرن اور ماہنامہ رحمت آپ کی نگرانی میں نکلتا تھا۔ مولانا ۱۹۲۷ء میں حج بیت اللہ سے مشرف ہوئے۔

۱۹۷۲ء میں آپ پر فالج کا حملہ ہوا۔ اور ۶/ جمادی الاولی ۱۳۹۵ھ بمطابق ۱۸/ مئی ۱۹۷۵ء میں آپ کا انتقال ہوا۔ (۲۱)

(۲۲) مولانا عثمان غنی دیوری

مولانا عثمان غنی یکم جنوری ۱۸۹۶ء میں موضع دیورہ ضلع گیا میں پیدا ہوئے۔ آپ کے والد کا نام سید رمضان علی تھا۔ ابتدائی تعلیم گھر پر حاصل کی دار العلوم دیوبند سے ۱۹۱۸ء میں فراغت حاصل کی۔ جمعیۃ علماء بہار کا قیام عمل میں آیا۔ تو آپ پوری زندگی اس مجلس عاملہ کے رکن رہے۔ اور اسی دوران ناظم، نائب صدر اور صدر کی ذمہ داری بھی بحسن و خوبی انجام دیا۔ ۱۹۲۰ء میں امارت شرعیہ کا قیام عمل میں آیا تو اس میں بھی شریک رہے۔ اور اس کی نظامت کی ذمہ داری بھی آپ کو سپرد کی گئی۔ تو آپ نے بحسن و خوبی اس کو انجام دیا۔

۱۳۴۳ھ بمطابق ۱۹۲۴ء میں پندرہ روزہ ''امارت'' کا اجراء ہوا تو اس کے مدیر کی حیثیت سے کام کیا۔

آپ ایک بے باک صحافی تھے۔ حق گوئی اور بے باکی آپ کا خاص وصف رہا۔ آپ کی تحریر بہت سادہ اور پر اثر ہوتا۔ آپ نے برطانوی حکومت کے خلاف بے باکی کے ساتھ آواز بلند کی جس کے نتیجہ میں ''امارت'' پر دو مرتبہ مقدمہ چلا اور آپ کو جیل بھی جانا پڑا۔ ۸/ دسمبر ۱۹۷۷ء کو پھلواری میں انتقال ہوا۔ اور خانقاہ مجیبیہ میں مدفون ہوئے۔ (۲۲)

(۲۳) مولانا سید محمد قریش باروی

مولانا سید محمد قریش کے والد کا نام سید تجمل حسین تھا، جو بیگوسرائے میں پیشکار تھے۔ اور بارو کے شرفاء میں شمار ہوتے تھے۔ آپ کا وطن قصبہ بارو تھا، جو شمالی بہار میں شمال مشرقی ریلوے کے مشہور اسٹیشن برونی جنکشن سے جنوب کی جانب دو کیلومیٹر کے فاصلہ پر واقع ہے۔ آپ کے سال پیدائش کا مستند ریکارڈ دستیاب نہیں۔

(۲۱) تذکرہ علمائے بہار جلد دوم ص ۸۷ (۲۲) رفیق علماء بہار نمبر ص ۲۶

بچپن کی تعلیم بارو میں والد کی نگرانی میں ہوئی، دینی تعلیم کے لئے مدرسہ امدادیہ دربھنگہ بھیجا گیا۔ یہاں سے مدرسہ اسلامیہ شمس الہدی پٹنہ تشریف لے گئے، اور دینی علوم سے سیراب ہوئے۔ اور یہیں سے فراغت حاصل کی۔

فراغت کے بعد کلکتہ کا رخ کیا۔ اور کلکتہ ہی کے ہو کر رہ گئے۔ جنگ آزادی میں بڑی سرگرمی سے حصہ لیا۔ مجاہد آزادی کے حثیت سے حکومت کے عتاب کے شکار ہوئے اور جیل بھی گئے۔ کلکتہ میں چند مخلص احباب کے ساتھ پریسیڈنسی مسلم اسکول قائم کیا، جو بعد میں حکومت سے منظور ہو کر ہائی اسکول تک پہنچا۔ مولانا اسی اسکول میں درس و تدریس کی خدمت انجام دیتے رہے۔ ساتھ ہی دھرم تلہ ٹیپو سلطان کی مسجد میں بیس سال سے زیادہ عرصہ تک درس قرآن جاری رکھا۔ جس میں کلکتہ کے لوگ شریک رہا کرتے تھے۔

مولانا ایک کامیاب منتظم بھی تھے۔ اور رورینڈ اسٹریٹ کی جامع مسجد کے قائم مقام متولی کی حیثیت سے مسجد کا نظم کیا۔ اور مسجد کی تعمیر نو میں حصہ لیا۔ اس کے علاوہ مدرسہ رحمانیہ سوپول ضلع دربھنگہ کی تا حیات راہنمائی کرتے رہے۔

مولانا زندہ اور دردمند دل رکھتے تھے۔ مسلمانوں کی زبوں حالی پر خون کے آنسوں روتے تھے۔ تبلیغ دین سے آپ کو انتہائی شغف تھا۔ کلکتہ کے تبلیغی مرکز کے اہم ستون تھے۔ آپ عیدین کے امام بھی تھے۔ آپ کا خطبہ سننے کے لئے ازدہام ہوا کرتا تھا۔ آپ کے خطبات اردو زبان و ادب کے شاہکار بھی تھے۔ لیکن افسوس کے ان کے جمع کرنے کا اہتمام نہیں کیا گیا۔

۱۹۷۹ء یکم مارچ کو جمعرات کے دن کلکتہ کولوٹولہ مسجد میں فجر کی سنت ادا کر کے آپ پر دل کا دورہ پڑا۔ اور اسی میں وصال ہو گیا۔ جنازہ کو کلکتہ سے بارو لایا گیا، اور اپنے آبائی قبرستان میں اپنی اہلیہ کے پہلو میں دفن کئے گئے۔ (۲۳)

(۲۴) مولانا عزیز الرحمٰن دربھنگوی

مولانا عزیز الرحمٰن کا آبائی وطن موضع علیم آباد۔ نیمرولی کمتول ضلع دربھنگہ ہے۔ ابتدائی تعلیم اپنے علاتی بھائی مولانا سلیمان مرحوم سے حاصل کی۔ جو اس وقت مدرسہ احمدیہ کاشی باڑی علاقہ گوال پوکھر ضلع مغربی دیناجپور میں صدر المدرسین اور مہتمم تھے۔ مولانا عزیز الرحمٰن نے مدرسہ احمدیہ میں کافیہ، قدوری تک کی تعلیم حاصل کی۔ بچپن سے ذہین و ذکی تھے۔ اعلی تعلیم کے لئے مدرسہ الٰہیات کانپور تشریف لے گئے۔ اور حضرت مولانا محمد یحیٰی شیخ الحدیث کی نگرانی میں تعلیم و تربیت ہوئی۔ مدرسہ الہیات سے فراغت حاصل کی۔ جملہ علوم و فنون میں مہارت رکھتے تھے۔

(۲۳) تذکرہ علمائے بہار جلد دوم ص ۲۱۲

فراغت کے بعد بائسی پورنیہ کے علاقہ میں کچھ دنوں درس وتدریس کی خدمت انجام دی۔ پھر چھتر گاچھ ضلع پورنیہ میں مدرسہ ضمیرالاسلام کے نام سے ایک مدرسہ قائم کیا۔ اور صدرالمدرسین اور مہتمم کی حیثیت سے درسی خدمت انجام دیتے رہے۔ مولانا کی علمی بصیرت اور اعلی صلاحیتوں کی وجہ سے لوگ کافی گرویدہ اور قدرداں تھے۔ ایک عرصہ تک اس مدرسہ سے منسلک رہے۔ مدرسہ کو فروغ دیا۔ پھر اس مدرسہ سے علیحدی اختیار کرلی اور کشن گنج سے چار میل پورب مجلس پور میں جناب یوسف تحصیلدار کے تعاون سے ایک مدرسہ قائم کیا۔ اس وقت ہندوستان میں تحریک آزادی کا زور تھا۔ اور جمعیۃ علماء کا علاقہ پر کافی اثر تھا۔ مولانا بھی مدرسہ میں جمعیۃ علماء کا دفتر قائم کیا۔ اور درس کے علاوہ تحریک آزادی میں حصہ لینے لگے۔ اس سلسلہ میں مولانا کو اکابر علماء کا تعاون حاصل تھا۔ جمعیۃ علماء کے پلیٹ فارم سے شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ کا مختلف جگہوں پر پروگرام کراتے تھے۔ مسلم لیگ اور جمعیۃ علماء کے چپقلش کے دور میں جمعیۃ علماء کے سرگرم رکن رہے۔ اور جمعیۃ علماء کے پلیٹ فارم سے دینی وملی کاموں کو انجام دیا۔

شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ سے بیعت تھے۔ حضرت مولانا سید منت اللہ رحمانی امیر شریعت رابع اور اکابر علماء آپ کے علم وفضل کے معترف تھے۔

آپ کی وفات ۱۱؍اپریل ۱۹۸۱ کو ہوئی۔ (۲۴)

(۲۵) مولانا حکیم یوسف حسن خان سوری

مولانا حکیم یوسف حسن خان سوری، والد کا نام مولانا الٰہی بخش خاں سوری رحمانی، راجگیر سے متصل موضع بڑا کر ضلع نالندہ میں ۱۸۹۳ء میں پیدا ہوئے۔ تعلیم اپنے والد سے حاصل کی۔ متوسات تک تعلیم حاصل کر کے دہلی گئے۔ اور ۱۹۱۳ء میں فراغت حاصل کی۔ جلسہ دستار بندی میں اکابر علماء کے علاوہ حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ بھی شریک تھے۔ حضرت تھانویؒ نے دستار فضیلت اپنے ہاتھ سے باندھا اور سند فراغت اپنے دست مبارک سے عطا کی پھر طب کی تکمیل کی۔ ۱۹۱۸ء میں بہار شریف میں مطب شروع کیا۔ اور اس میں کامیاب رہے۔

(۲۴) تذکرہ علمائے بہار جلد دوم ص ۱۶۴

مولانا حکیم یوسف حسن خان سوری نے بھی تحریک آزادی میں حصہ لیا۔ اتحاد مقاصد کے پیش نظر خلافت کمیٹی اور انڈین نیشنل کانگریس میں جب اتحاد ہوا اور جنگ آزادی کی لہر پورے ملک میں پھیل گئی۔ تو اس مشترکہ تحریک میں حکیم صاحب نے بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ بہار شریف میں جو قومی لیڈر آتا، اس کا استقبال اور جلسہ جلوس کا اہتمام حکیم صاحب کے ذمہ ہوتا۔ مولانا محمد علی جوہر اور مہاتما گاندھی جب بہار شریف گئے۔ تو حکیم صاحب نے بڑے اہتمام سے کھادی کے نفیس کپڑے پر خطبہ چھپوا کر گاندھی جی کو پیش کیا۔

۱۹۲۱ء میں جب تحریک ترک موالات شباب پر تھی اور سرکاری اسکولوں اور کالجوں کا بائیکاٹ کیا جارہا تھا۔ تو بہار شریف میں بھی ایک نیشنل اسکول کی بنیاد ڈالی گئی۔ اور حکیم صاحب کو اس کا سکریٹری بنایا گیا۔ انڈین نیشنل کانگریس کی بنیاد احمد آباد کی کانفرنس میں ڈالی گئی اور حکیم صاحب کو اس کا سکریٹری بنایا گیا۔

انڈین نیشنل کانگریس کی احمد آباد کی کانفرنس میں ڈیلی گیٹ کی حیثیت سے شریک ہوئے اور عرصہ تک بہار شریف کانگریس کمیٹی کے ضلع سکریٹری رہے۔ فروری ۱۹۸۱ء میں وفات پائی۔ (۲۵)

(۲۶) مولانا اصغر حسین بہاری

مولانا اصغر حسین کی پیدائش اپنے آبائی وطن محلہ بنولیہ بہار شریف میں ۱۸۸۴ء میں ہوئی۔ آپ نے مولانا محمد رفیع الدین شکرانوی سے تعلیم حاصل کی۔ پھر مدرسہ اسلامیہ بہار شریف میں داخلہ لیا۔ مختلف اساتذہ سے تعلیم حاصل کرنے کے بعد ۱۹۰۸ء میں دارالعلوم دیوبند میں حضرت شیخ الہندؒ سے تعلیم حاصل کی۔ ۱۹۱۰ء میں فراغت حاصل کی۔

فراغت کے بعد بھاگلپور کے محلہ ملاچک میں تدریسی خدمت انجام دیا۔ پھر ۱۹۱۲ء میں مدرسہ اسلامیہ شمس الہدیٰ، پٹنہ میں مدرس مقرر ہوئے۔ مختلف موقع پر ایکٹنگ پرنسپل کی حیثیت سے بھی کام کیا۔ ۱۹۴۲ء میں پرنسپل کے عہدہ پر فائز ہوئے اور ۱۹۴۸ء میں پرنسپل کے عہدہ سے سبکدوش ہوئے۔

حضرت مولانا اصغر حسین نے حضرت شیخ الہندؒ کی صحبت میں رہ کر تعلیم حاصل کی تھی، اس لئے آپ کو تحریک آزادی سے خاص دلچسپی تھی۔ سرکاری ملازمت میں ہونے کے باوجود آپ اس میں حصہ لیتے رہے۔ ان کے ساتھ

(۲۵) تاریخ اطبائے بہار جلد دوم ص ۲۳۳

مدرسہ اسلامیہ شمس الہدی، پٹنہ کے اساتذہ بھی تحریک آزادی میں سرگرم حصہ لے رہے تھے۔مولانا تحریک آزادی میں حصہ لینے والے طلبہ کی حوصلہ افزائی کرتے اور علماء کے موقف سے طلبہ کو آگاہ کرتے تھے۔

مولانا بیتاب صدیقی جو اس زمانہ میں طالب علم تھے، وہ تحریر کرتے ہیں ’’یہ اساتذہ انگریزی ملازمت میں رہنے کے باوجود ذہنی طور پر روشن خیال تھے۔اور علمائے سلف کی راہ پر چلنا اپنا فرض سمجھتے تھے۔ایسے لوگوں میں مولانا محمد سہول عثمانی، مولانا عبیداللہ، مولانا عبد الشکور آہ مظفر پوری، مولانا اصغر حسین بہاری، مولانا عبد الرحمان صاحب اور مولانا دیانت حسین صاحب بڑے ہی آزاد خیال اور آزادی کی تحریک سے گہری دلچسپی رکھنے والے تھے۔ یہ حضرات تحریک آزادی میں حصہ لینے والے طلبہ کی درپردہ حوصلہ افزائی کرتے تھے۔اور درس گاہ میں بھی طلبہ کو جنگ آزادی میں شریک علماء کے موقف سے آگاہ کرتے تھے۔

آپ کی وفات ۱۹۸۴ء میں ہوئی۔(۲۶)

(۲۷) مولانا عبدالعلیم آسی دربھنگوی

مولانا عبدالعلیم آسی کے والد کا نام مولوی علیم الدین صدیقی تھا۔آبائی وطن بلبھدر پور ضلع سمستی پور تھا۔ دربھنگہ شہر میں ان کے والد نے اچھی خاصی زمین حاصل کر لی تھی ۔ اس لئے وہ دربھنگہ ہی میں مقیم ہوگئے ۔اور یہیں ۱۳۳۸ء میں آسی صدیقی کی ولادت ہوئی۔ تین ماہ کے تھے کہ والد کا انتقال ہوگیا۔ والدہ نے تعلیم وتربیت کی اور نانیہال موضع نیانگر فروا ضلع دربھنگہ بھیج دیا۔ وہاں اپنے نانا شاہ ارشاد علی کے سایہ عاطفت میں تعلیم وتربیت پائی۔ پھر مدرسہ حمیدیہ قلعہ گھاٹ میں داخل ہوئے اور عالم پاس کر کے مدرسہ اسلامیہ شمس الہدی پٹنہ آئے۔اور فاضل میں فرسٹ پوزیشن حاصل کی۔

فراغت کے بعد مسلم ہائی انگلش اسکول لہریا سرائے دربھنگہ میں ہیڈ مولوی کے عہدہ پر فائز ہوئے۔ چونکہ شروع ہی سے انقلابی ذہن رکھتے تھے۔اسی لئے سیاست میں نمایاں ہونے لگے۔اور اسی لئے ملازمت سے ۱۹۴۲ء میں سبکدوش ہوگئے۔اور صحافت شروع کی۔صحافت سے ادب جانے کے بعد شانتی نکیتن میں بحیثیت لکچرر کام کرنے لگے۔ پھر پورے طور پر سیاست میں حصہ لینے لگے۔ کچھ دنوں آنجہانی شری سوبھاش چندر بوس کے

(۲۶) تذکرہ علمائے بہار جلد واول ص ۴۵

ساتھ رہے۔مولانا ابوالکلام آزاد کے پرائیوٹ سکریٹری بھی رہے۔ پروفیسر عبدالباری کے ساتھ کام کیا۔تحریک آزادی میں کھل کر حصہ لیا۔اور انہیں کے ساتھ علی پور جیل میں تین ماہ کے سیاسی قیدی بھی رہے۔۱۹۴۵ء میں صداقت آشرم چلے آئے اور وہاں آنجہانی ڈاکٹر راجندر پرساد کے ساتھ رہے۔مولانا نے ۱۹۸۴ء میں وفات پائی اور اپنے محلہ کی قبرستان میں دفن ہوئے۔(۲۷)

(۲۸) مولانا محمد ابراہیم تاباں پورینوی

مولانا محمد ابراہیم کے والد کا نام شیخ عنایت علی تھا۔ضلع پورنیہ کے ایک مردم خیز بستی ملکی میں تقریباً ۱۹۰۱ء میں پیدا ہوئے۔رئیس خاندان سے تعلق رکھتے تھے۔گھر ہی پر تعلیم وتربیت ہوئی۔اور تعلیم کی تکمیل کی۔

آپ کا سب سے بڑا کارنامہ مدرسہ تنظیمیہ باراعیدگاہ پورنیہ کا قیام ہے۔آپ نے مدرسہ قائم کیا اور اس کو ایک معیاری مدرسہ بنایا۔ مدرسہ کے ذریعہ ملک وملت کی اہم خدمت انجام دی، لوگوں میں تعلیم سے دلچسپی پیدا کرائی۔اور تہذیب وتمدن سے آشنا کرانے میں اہم رول ادا کیا۔مولانا مضمون نگاری میں ماہر تھے۔قافلہ، انسان اور کارواں میں ان کے مضامین چھپتے تھے۔مولانا نے پورنیہ کے کلہیا برادری کا تعارف کرایا۔اور تحقیق سے ثابت کیا ہے کہ کلہیا برادری کے لوگ حقیقت میں صدیقی ہیں۔آزادی سے قبل گاندھی جی اور پنڈٹ جواہر لال نہرو سے کئی مرتبہ ملاقت کی، جس سے سیاسی دلچسپی کا بھی اندازہ ہوتا ہے۔مولانا عربی وفارسی میں مہارت رکھتے تھے۔ مسدس حالی، شکوہ، پندنامہ وغیرہ کتابیں زبانی یاد تھیں۔

مولانا کی وفات ۱۸ر نومبر ۱۹۸۲ء کو ۳ر بجے دن میں ہوئی۔اور ملکی میں مدفون ہوئے۔(۲۸)

(۲۹) مولانا حافظ عبدالرشید سمتی پوری

مولانا حافظ عبدالرشید کے والد کا نام حاجی محمد قمر الدین تھا۔آپ کی ولادت رام پور میں ہوئی۔ابتدائی تعلیم گھر پر ہی گاؤں کے مکتب میں مولانا محمد یونس صاحب سے حاصل کی، اس کے بعد مدرسہ امدادیہ لہریا سرائے دربھنگہ تشریف لے گئے۔مولانا عبدالوہابؒ کے خاص شاگردوں میں سے تھے۔مدرسہ امدادیہ دربھنگہ ہی سے ۱۹۳۲ء میں فراغت حاصل کی۔

(۲۷) تذکرہ بزم شمال ص ۵۲۷ (۲۸) تذکرہ علمائے بہار جلد دوم ص ۳۰

فراغت کے بعد ذریعہ معاش تجارت کو بنایا اور کلکتہ میں ایک دوکان کر لی۔مولانا بہترین مقرر تھے۔عوام کو اپنی جانب متوجہ کرنے کا اچھا ملکہ رکھتے تھے۔عوامی کاموں سے دلچسپی رکھتے تھے۔آپ نے حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ کے نام پر رامپور میں مدرسہ حسینیہ کی بنیاد ڈالی۔حضرت شیخ مدنی رحمۃ اللہ کے مرید تھے۔

اپنے گاؤں کے تمام ادارے' قومی لائبریری' مدرسہ' عیدگاہ' مسجد اور قبرستان تمام کے صدر ہی نہیں بلکہ تمام کے فنڈ آپ کے پاس رہا کرتے تھے۔آپ بے شمار خوبیوں کے مالک تھے۔غریبوں کی مدد کرنا آپ کا محبوب مشغلہ تھا۔غریبوں کی بے لوث خدمت کیا کرتے تھے۔

جمعیۃ علماء صوبہ مغربی بنگال کے صدر رہے۔پھر سمستی پور ضلع کی جمعیۃ کے صدر رہے۔۱۹۵۱ء یا ۱۹۵۲ء میں ڈسٹرکٹ بورڈ کے الیکشن میں کھڑے ہوئے۔جس میں سازش کی وجہ سے ناکام ہوگئے۔اس کے بعد شاہ عزیر منعمی (سابق وزیر جیل) اور پرجاپتی مشر نے آپ کو ڈسٹرکٹ بورڈ کا ممبر نامزد کر دیا۔آپ برابر ضلع کانگریس کمیٹی کے ممبر رہے۔صوبہ بہار کے تمام جیلوں کے ممبر تھے۔

تحریک آزادی میں آپ کا اہم رول رہا۔ایک مرتبہ جیل جانے سے ان کے ایک آفیسر دوست نے بچالیا۔سیاست میں کافی دلچسپی لیتے تھے۔یہی وجہ ہے کہ اس وقت کے بڑے بڑے سیاسی رہنما آپ کے دولت کدہ پر حاضری دیتے تھے۔آپ مدرسہ امدادیہ کے نائب صدر رہ چکے ہیں' جس وقت مولانا سید منت اللہ رحمانیؒ صدر تھے۔آپ کا لباس' وضع قطع صوفیانہ تھا۔سر پر عمامہ باندھا کرتے تھے۔عوام وخواص پر آپ کا بہت اثر تھا۔

تقریباً اسی سال کی عمر میں ۲۴ مئی ۱۹۸۴ء کو آپ کا انتقال ہوا' اور اپنے آبائی گاؤں میں مدفون ہوئے۔(۲۹)

(۳۰) مولانا عبدالرحیم دوگھروی

مولانا عبدالرحیم موضع دوگھرا میں تقریباً ۱۰ مارچ ۱۹۱۰ء کو پیدا ہوئے۔دوگھرا ضلع دربھنگہ کی ایک مردم خیز بستی ہے۔یہ جالہ سے قریب ایک کیلومیٹر دکھن میں واقع ہے۔مولانا کے والد کا نام منشی ولی محمد تھا۔جو میاں جی کے نام سے مشہور تھے۔طبابت کیا کرتے تھے۔ابتدائی تعلیم دوگھرا میں ہوئی' پھر مدرسہ امدادیہ دربھنگہ میں تعلیم

(۲۹) مدرسہ امدادیہ تاریخ کے آئینے میں ص ۱۰۹

حاصل کی۔اعلیٰ تعلیم کے لئے دارالعلوم دیوبند گئے۔اور وہیں سے فراغت حاصل کی۔

دارالعلوم دیوبند میں حضرت مولانا انور شاہ کشمیریؒ مولانا اعزاز علیؒ' مولانا شبیر احمد عثمانیؒ' مولانا اصغر حسین دیوبندیؒ علامہ ابراہیم بلیاویؒ' جیسے اکابر علماء سے فیض حاصل کرنے کا موقع ملا۔فراغت کے بعد کچھ دنوں دیوبند کے کسی مدرسہ میں درس دیا۔اس کے بعد کچھ دنوں مدرسہ اشرف العلوم کنہواں ضلع سیتامڑھی میں صدر مدرس رہے۔پھر تقریباً ۱۹۳۰ء میں پوپری بازار ضلع سیتامڑھی کے ہائی اسکول میں ہیڈ مولوی کی حیثیت سے تقرری ہوئی۔اسکول سے مارچ ۱۹۷۲ء میں سبکدوش ہونے کے بعد گھر ہی پر قیام پذیر رہے۔حج بیت اللہ سے مشرف ہوئے۔مدرسہ قاسم العلوم حسینیہ دوگھرا کی تعمیر میں حصہ لیا۔اور صدر مدرسہ بنائے گئے۔

اس زمانہ میں آزادی کی تحریک زوروں پر تھی۔مولانا نے تحریک آزادی میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔اور جالہ کانگریس کمیٹی کے سکریٹری مقرر ہوئے۔تقسیم ہند کے مخالف تھے۔مسلم لیگ کی سیاست سے ہمیشہ دور رہے۔علاقہ میں آزادی کی تحریک کو پھیلانے میں حصہ لیا۔سیاسی قائدین سے گہرے روابط تھے۔جب کوئی سیاسی جلسہ ہوتا مولانا اس میں حصہ لیا کرتے تھے۔علاقہ میں مسلم لیگ کے لوگ گشت کرتے تو لوگوں کو اس میں حصہ لینے سے روکتے۔جمعیۃ علماء ہند کی تحریک کو اس علاقہ میں انہوں نے پھیلانے میں حصہ لیا۔اس گاؤں کے لوگ خاص طور پر کانگریس سے منسلک تھے۔مولانا نے اس میں پختگی پیدا کی۔اور لوگوں کو اس سے ملائے رکھا۔

زمانہ طالب علمی ہی سے شعر وشاعری کا ذوق رکھتے تھے۔اور رشید تخلص کرتے تھے۔

آخر عمر میں کینسر کے مریض ہوگئے۔اور علاج کے لئے اپنے لڑکے کے پاس گجرات گئے۔پہلی مرتبہ میں کچھ افاقہ ہوا۔جب دوسری مرتبہ مرض کا حملہ ہوا تو دوبارہ گجرات گئے۔اور ۲۳ اگست ۱۹۸۵ء کو عمر گاؤں (گجرات) میں وفات پائی' اور وہیں مدفون ہوئے۔(۳۰)

(۳۱) مولانا عبدالرشید حسرت بلہیاوی

مولانا عبدالرشید انصاری کے والد کا نام حمدانی علی انصاری تھا۔جائے پیدائش بلہیاوی ضلع سیتامڑھی ہے۔آپ ۱۹۰۵ء میں پیدا ہوئے۔۱۹۰۹ء میں ابتدائی

(۳۰) تذکرہ علمائے بہار جلد اول ص ۱۹۸

تعلیم مولوی عظیم الدین انصاری سے حاصل کی۔ ۱۹۳۲ء میں عربی تعلیم کا آغاز کیا۔ مدرسہ احمدیہ سلفیہ دربھنگہ میں مولانا یعقوب بہاری اور مولانا عبدالمغنیؒ سے درجہ ششم تک تعلیم حاصل کی۔ ۱۹۲۵ء میں مولانا حفاظت کریم فاضل دیوبند بالاساتھوی اور مولانا عبدالمغنی بتیاوی کے زیر نگرانی درجہ ملاؔ (فوقانیہ) تک کی تعلیم حاصل کی۔ ۱۹۲۶ء میں مولانا محمد مسلم جونپوریؒ مولانا سید محمد میاں شاہ پوری مظفر پوری کی نگرانی میں مدرسہ حنفیہ آرہ سے درجہ مولوی کا امتحان پاس کیا۔ ۱۹۲۸ء میں مولانا محمد حنیف لال گنج الہ آبادی سے مدرسہ انوار العلوم الہ آباد میں دینیات کی تعلیم مکمل کی۔ دورہ کی تعلیم کے لئے مدرسہ احمدیہ مدھوبنی میں داخلہ لیا۔ اور ۱۹۳۰ء میں مولانا سید نثار احمد انوری اور مولانا عبدالمغنی سے دورہ کی تکمیل کی۔

فراغت کے بعد حالات نے انہیں تحریک آزادی ہند سے جوڑا۔ اور ۶ مہینے تک کیمپ جیل پٹنہ میں سیاسی قیدی رہے۔ ۱۹۳۳ء سے ۱۹۳۵ء تک پھر سے تدریسی فرائض کی جانب متوجہ ہوئے۔ اور مدرسہ اسلامیہ جوڑاسی ضلع سارن میں تعلیم دیا۔ ۱۹۳۶ء سے ۱۹۴۵ء تک مدرسہ احمدیہ دریاپور ضلع چمپارن میں تعلیمی خدمات انجام دیئے۔ ۱۹۴۵ء میں تعلیم سے سبکدوش ہوگئے اور سیاسی زندگی شروع کی۔ ۱۹۳۵ء سے ۱۹۳۷ء تک سیتامڑھی حلقہ سے جمعیۃ علماء ہند کے ٹکٹ پر ایم۔ ایل۔ اے کا انتخاب لڑے۔ ۱۹۴۶ء سے ۱۹۵۱ء تک سیتامڑھی ویورس ایسوسی ایشن سیتامڑھی کے چیرمین رہے۔ ۱۹۵۲ء میں دوبارہ کانگریس کے ٹکٹ پر حلقہ سیتامڑھی سے ایم۔ ایل۔ اے کا انتخاب لڑے۔ ۱۹۵۷ء سے ۱۹۶۱ء تک بہار اسٹیٹ ہینڈلوم یونین پٹنہ کے ڈائرکٹر رہے۔ ۱۹۶۲ء میں تیسری مرتبہ حلقہ پوپری ضلع سیتامڑھی سے بحیثیت آزاد امیدوار ایم۔ ایل۔ اے کا انتخاب لڑے۔ ۱۹۸۲ء میں عیدگاہ بیلہیاوی سیتامڑھی کا سنگ بنیاد رکھا۔ ۱۹۳۷ء سے ۱۹۵۸ء تک سب ڈویژنل مومن کانفرنس کے صدر رہے۔ ۱۹۸۷ء میں اپنی بستی موضع بیلہیاوی برائے صدقہ جاریہ مدرسہ جامعہ انوار رشیدیہ قائم کیا۔

شعروشاعری کا مذاق رکھتے تھے اور حسرت تخلص کرتے تھے۔

۹ نومبر ۱۹۸۸ء کو ۱۲ بجے دن میں وفات پائی، اور بیلہیاوی مدفون ہوئے۔ (۳۱)

(۳۲) مولانا لطف الرحمان ہرسنگھ پوری

مولانا لطف الرحمان ۱۹۱۰ء میں اپنے گاؤں ہرسنگھ پور ضلع دربھنگہ میں پیدا ہوئے۔ آپ نے ابتدائی تعلیم اپنے

(۳۱) تذکرہ علمائے بہار جلد اول ص ۱۹۹

والد کے زیر سایہ حاصل کی۔ ۱۹۲۵ء میں دارالعلوم دیوبند میں داخل ہوئے۔ اور ۱۹۳۱ء میں دارالعلوم دیوبند سے فراغت حاصل کی۔ یہ وہ وقت تھا جب کہ ملک میں آزادی کی تحریک چل رہی تھی۔ مولانا جمعیۃ علماء ہند کی قیادت میں جنگ آزادی کے میدان میں اتر گئے۔ فروری ۱۹۳۳ء میں سہارنپور میں گرفتار کر لئے گئے۔ اور جیل بھیج دیئے گئے۔ اگست ۱۹۳۳ء میں رہائی ملی تو وطن واپس لوٹے اور مولانا ابوالمحاسن محمد سجاد کی قیادت میں امارت شرعیہ بہار واڑیسہ کی تحریک میں سرگرم عمل رہے۔ ۱۹۳۴ء کے ہولناک زلزلہ میں امارت شرعیہ کے جانب سے متعدد راحت کیمپوں کے نگراں رہے۔ ۱۹۳۴ء کے اخیر میں حزب اللہ نام کی تنظیم قائم کی۔ ۱۹۳۶ء میں حضرت مولانا لطف اللہ رحمانی سجادہ نشیں خانقاہ رحمانی مونگیر کے حکم پر شہر مالدہ صوبہ بنگال گئے۔ وہاں ترجمان القران نامی کے تنظیم کے تحت درس قرآن جاری کیا۔ شہر مالدہ میں مدرسہ اسلامیہ حربیہ بھی قائم کیا۔ جواب تک جاری ہے۔ ۴ ستمبر ۱۹۸۸ء میں اپنے وطن ہرسنگھ پور میں وفات پائی۔ (۳۲)

(۳۳) مولاسید نور اللہ رحمانی

مولانا سید نور اللہ رحمانی، حضرت مولانا علی مونگیری کے صاحبزادے اور حضرت مولانا سید منت اللہ رحمانی امیر شریعت رابع کے بھائی تھے۔ پیدائش ۱۳۲۵ھ/۱۹۰۷ء میں ہوئی دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنو میں چار سال تعلیم پائی۔ پھر دارالعلوم دیوبند گئے۔ پھر طب کی طرف متوجہ ہوئے اور لکھنؤ جاکر تکمیل الطب کی تعلیم مکمل کی۔ فراغت کے بعد سیاست میں حصہ لینا شروع کیا۔ اس زمانہ میں آزادی کی تحریک زوروں پر تھی۔ مولانا بھی ان سے منسلک ہوگئے۔ جمعیۃ علماء ہند کے ساتھ تحریک آزادی میں حصہ لیا۔ بہار میں سیاسی قائدین میں نمایاں حیثیت رکھتے تھے۔ کانگریس پارٹی سے بھی منسلک رہے۔ کانگریس کے ہم خیال اور جانے پہچانے کارکن تھے۔ عرصہ دراز تک جمعیۃ علماء بہار کے صدر رہے۔ اور ۲۱ رسال تک کونسل کے ممبر رہے۔ اس کی وجہ سے کانگریس پارٹی میں بہت زیادہ اثر تھا۔ ساتھ ہی علمی خوانوادہ سے تعلق رکھنے کی وجہ سے عوام وخواص میں بھی مقبول تھے۔ جنتا پارٹی کے دور میں کانگریس چھوڑ دی اور جنتا پارٹی میں شریک ہوگئے۔ اور جنتا پارٹی کے رہنماؤں کے تعاون سے بہار مدرسہ ایجوکیشن بورڈ کے چیرمین ہوئے۔ ۱۹۸۹ء میں وفات پٹنہ میں پائی۔ (۳۳)

(۳۲) تذکرہ مولانا محمد عثمان ص ۴۰۴

(۳۳) تذکرہ علمائے بہار جلد اول ص ۴۰۹

(۳۴) مولانا محمود عالم سمتی پوری

مولانا محمود عالم داؤد پوری کے والد کا نام منشی عبدالحفیظ تھا۔ مولانا کی ولادت ۱۹۰۵ء میں داؤد پور میں ہوئی۔ ابتدائی تعلیم گھر پر حاصل کی۔ پھر مختلف تعلیمی اداروں میں تعلیم حاصل کرنے کے بعد دارالعلوم دیوبند تشریف لے گئے۔ اور وہیں سے فراغت حاصل کی۔ ۱۹۲۶ء میں ترہٹ اکاڈمی سمستی پور میں ہیڈ مولوی کی حیثیت سے بحال ہوئے۔ اور وہیں سے ریٹائر ہوئے۔ مولانا عوامی اور سماجی کاموں میں دلچسپی رکھتے تھے۔ کوئی پنچایت مولانا کے بغیر نہیں ہوتی تھی۔ مولانا محمود عالم صاحب، مولانا سید حسین احمد مدنی، مولانا انو شاہ کشمیری کے شاگردوں میں سے تھے۔ یہ حضرات جنگ آزادی کے صف اول کے مجاہدین میں سے تھے۔ ان کا اثر ان کے شاگردوں میں بھی پایا جاتا تھا۔ مولانا محمود عالم میں بھی انگریزی حکومت کے خلاف تھے۔ انہوں نے جنگ آزادی میں خوب حصہ لیا۔ چونکہ سرکاری ملازمت میں تھے، اس لئے اپنے آپ کو نمایاں نہیں ہونے دیا۔ ساتھ ہی تقسیم ہند کے سخت مخالف تھے۔ اور اسی نظریہ کو لوگوں کے درمیان عام کیا کرتے تھے۔ جس کا اثر عوام وخواص پر بہت زیادہ پڑا۔ اور لوگ تقسیم ہند کے مخالف رہے۔

۲۲/نومبر ۱۹۹۰ء میں وفات پائی۔ (۳۴)

(۳۵) مولانا محمد قاسم سوپولوی

مولانا محمد قاسم کی ولادت موضع سوپول محلہ شیخ پورہ کے ایک شریف گھرانے میں ہوئی۔ سوپول ضلع دربھنگہ کا ایک مشہور قصبہ ہے۔ ابتدائی تعلیم وتربیت اپنے وطن کے مدرسہ میں ہوئی۔ پھر مدرسہ امدادیہ لہریا سرائے دربھنگہ میں داخل ہوئے۔ اور مولانا عبدالوہاب دربھنگوی اور مولانا عبدالرحیم دربھنگوی سے تحصیل علم وفضل کیا۔ اور متوسطات تک وہیں سے فراغت حاصل کی۔

فراغت کے بعد وطن تشریف لائے اور مدرسہ رحمانیہ سوپول ضلع دربھنگہ سے وابستہ ہوگئے اور پوری عمر

(۳۴) تذکرہ علمائے بہار جلد اول ص ۳۶۹

اسی سے وابستہ رہے۔

مولانا محمد قاسم نے تعلیم کے زمانہ میں ہی تحریک آزادی میں حصہ لینا شروع کردیا تھا۔ دربھنگہ میں مولانا عبدالوہاب دربھنگوی اور دیوبند میں وہاں کے اساتذہ تحریک آزادی سے منسلک تھے۔ اساتذہ کا رنگ ان پر غالب تھا۔ فراغت کے بعد انہوں نے بھی تحریک میں کھل کر حصہ لیا۔ تحریک آزادی میں حصہ لینے کی وجہ سے کئی مرتبہ گرفتار ہوئے۔ تقریباً ۱۹۴۲ء و ۱۹۴۶ء میں گرفتار کئے گئے' تین سال تک جیل میں رہے اور قید وبند کی مصیبتیں برداشت کیں۔ جیل سے رہائی کے بعد رنگ اور پختہ ہوگیا۔ آپ کے مجاہدانہ کارناموں پر حکومت کی جانب سے پنشن بھی ملتا رہا۔

۲۶/اکتوبر ۱۹۹۱ء میں وفات پائی۔ (۳۵)

(۳۶) مولانا سید منت اللہ رحمانی

حضرت مولانا سید منت اللہ رحمانی ایک عظیم رہبر، معمار قوم اور جنگ آزادی کے مجاہد تھے۔ آپ کی ولادت ۱۳۳۲ھ/ ۱۹۱۴ء میں ہوئی۔ آپ نے اپنا علمی سفر مونگیر سے شروع کیا۔ چار سال دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنو میں رہے۔ پھر دارالعلوم دیوبند گئے۔ وہیں سے تعلیم کی تکمیل کی۔

مولانا نے ملک کی آزادی میں قائدانہ رول ادا کیا۔ جس زمانہ میں آزادی کی تحریک پورے شباب پر چل رہی تھی، مولانا اسی زمانہ میں سیاست کے میدان میں آئے۔ خاص کر ۱۹۴۳ء کا دور ہندوستان کی تحریک آزادی کا بڑا پر آشوب اور ہنگامی دور تھا۔ مولانا رحمانی دارالعلوم دیوبند میں زیر تعلیم تھے۔ مولانا بھی تحریک میں شامل ہوگئے۔ علماء کی قیادت شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنی کررہے تھے اور طلبہ کی قیادت مولانا کررہے تھے۔ جب کاروان آزادی کے یہ جانباز سپاہی قافلہ کے ساتھ دہلی کے چاندنی چوک پہنچے، تو پولیس کے عملہ نے ان پر لاٹھی چلائی۔ حضرت مولانا اور ان کے رفقاء زخمی ہوئے۔ پھر گرفتار کر لئے گئے اور جیل بھیج دیئے گئے۔ جیل سے رہائی کے بعد شہر سہارنپور کی ذمہ داری سونپی گئی کہ آپ یہاں برطانوی حکومت کے خلاف تحریک کو سرگرم کریں۔ چنانچہ مولانا نے اس ذمہ داری کو اچھی طرح نبھایا۔ حکام اور افسران نے مولانا کو گرفتار کر کے جیل بھیج دیا

(۳۵) بہار کے مسلم مجاہدین آزادی ص ۶۰

۔جیل سے رہائی کے بعد ۱۹۳۴ء میں مولانا نے دارالعلوم دیوبند سے فراغت حاصل کی۔

فراغت کے بعد ملکی وملی سیاست میں حصہ لینا شروع کیا۔صوبہ بہار میں حضرت مولانا ابوالمحاسن محمد سجادؒ کی سرپرستی میں امارت شرعیہ کے کاموں میں ہاتھ بٹایا۔جب ۱۹۳۵ء میں مسلم انڈیپنڈنٹ پارٹی قائم ہوئی، تو مسلمانوں کی نمائندگی کے لئے ۱۹۳۶ء کے الیکشن میں بھاگل پور سے کھڑے ہوئے اور الیکشن میں کامیاب ہوئے۔اور ملک وملت کی ایک مخلص رہنما کی حیثیت سے خدمت کی۔حضرت مولانا امارت شرعیہ اور جمعیۃ علماء کے پلیٹ فارم سے تحریک آزادی میں حصہ لیتے رہے۔یہاں تک کہ ۱۹۴۷ء میں ملک آزاد ہوگیا۔

۱۹۹۱ء میں آپ کا انتقال ہوا۔(۳۶)

(۳۷) مولانا محمد سلیمان آواپوری

مولانا محمد سلیمان بن معین الدین اپنے آبائی گاؤں آواپور ضلع مظفر پور حال ضلع سیتامڑھی میں ۱۳۲۲ھ/ ۱۹۰۴ء کو پیدا ہوئے۔ابتدائی تعلیم اردو مڈل اسکول مولانگر میں ماسٹر محمد ابراہیم صاحب سے حاصل کی۔عربی وفارسی کی تعلیم مولانا صوفی رمضان علی آواپوری سے حاصل کی۔اعلی تعلیم کے لئے مدرسہ اشرف العلوم کنہواں میں داخلہ لیا۔جہاں حضرت مولانا صوفی رمضان علی صدر المدرسین کی حیثیت سے تدریسی خدمت انجام دے رہے تھے۔تعلیم کی تکمیل کیلئے مدرسہ امدادیہ لہریاسرائے دربھنگہ میں ۱۳۴۵ھ میں داخلہ لیا اور حضرت مولانا عبدالوہاب دربھنگوی، مولانا عبدالرحیم دربھنگوی، مولانا عبدالودود، مولانا عبدالحفیظ سیدھولوی وغیرہ جید علماء سے علم وفضل حاصل کیا۔

فراغت کے بعد مدرسہ اسلامیہ آواپور، ضلع چمپارن میں تین ماہ تک درس وتدریس کا کام کیا۔پھر سیتا مڑھی آگئے۔اور شہر میں ایک مسلم داروغہ کے یہاں رہ کر انکے بچوں کی تعلیم وتربیت میں مشغول ہوگئے۔اسی دوران آپ نے یکم محرم ۱۹۳۰ء/ ۱۳۴۹ھ کو سیتامڑھی شہر کی جامع مسجد میں مدرسہ اسلامیہ عربیہ کی بنیاد ڈالی۔اور وہیں تدریسی خدمت انجام دینے لگے۔مولانا ایک صاحب صلاحیت عالم تھے۔اخلاق کے بلند تھے۔سیتامڑھی اور اطراف میں آپ کا خاص مقام تھا۔آپ حضرت مولانا عبدالعزیز بسنتی سے بیعت تھے۔ان کے وصال کے بعد حضرت مولانا سید شاہ محمد ہارون صاحب بگہا ضلع چمپارن سے بیعت ہوئے اور ان سے خلافت بھی حاصل کی۔

---

(۳۶)افکار ملی بہار نمبر جولائی ۲۰۰۱ء ص ۲۴۷

آپ کا سیاسی تعلق جمعیۃ علماء ہند سے تھا۔جمعیۃ علماء کے ساتھ تحریک آزادی میں کھل کر حصہ لیا۔سیتامڑھی اور اس کے اطراف میں تحریک آزادی کو عام کرنے میں حصہ لیا۔مولانا تقسیم ہند کے مخالف تھے۔انہوں نے ۱۹۴۷ء میں تقسیم کے موقع پر جمعیۃ علماء ہند کے نظریہ کی پرزور وکالت کی اور جمعیۃ علماء کے خیالات کو عوام تک پہنچانے میں اہم رول ادا کیا۔

مولانا جید عالم تھے۔اپنے شاگردوں کی تعلیم وتربیت پر خصوصی توجہ رکھتے تھے۔آپ کا مزاج اصول پسند تھا۔بے اصولی سے آپ کو نفرت تھی۔آپ باوقار اور سنجیدہ تھے۔

مولانا کا وصال ۲۷؍رمضان المبارک ۱۴۱۷ھ مطابق ۶؍فروری ۱۹۹۷ء کو ہوا۔(۳۷)

(۳۸) مولانا سید عبدالرب نشتر کھگڑیاوی

مولانا سید عبدالرب نشتر بن مولانا محمد اسحٰق کی پیدائش اپنے وطن مشکی پور ضلع مونگیر موجودہ ضلع کھگڑیا میں بروز جمعہ ۹؍ربیع الاول ۱۳۳۳ھ میں ہوئی۔آپ ایک زمین دار گھرانہ سے تعلق رکھتے تھے۔اس وجہ سے آپ کی نشوونما خوب بہترین انداز پر کی گئی۔آپ نے ابتدائی تعلیم جامعہ رحمانی مونگیر میں پائی۔مدرسہ امدادیہ لہریاسرائے دربھنگہ سے حفظ کی تکمیل کی، عربی کی ابتدائی تعلیم مدرسہ امدادیہ صدر بازار میرٹھ یوپی میں حاصل کی۔اس کے بعد دارالعلوم دیوبند کے لئے سفر کیا اور وہاں داخلہ لے ثانوی تعلیم کی تحصیل کی اور وہیں سے فراغت حاصل کی۔

آپ مولانا عبیداللہ سندھی اور حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی کی صحبت سے بھی فیض یاب تھے۔مولانا فرغام الدین صاحب، جن کے بارے میں مشہور ہے کہ وہ پیدائشی ولی تھے، کی صحبت کا نتیجہ تھا کہ آپ پر جذبی کیفیت طاری ہوگئی۔جوانی کے زمانہ میں تبلیغی جماعت کے بانی حضرت مولانا الیاس صاحب کے ساتھ دس سال تبلیغ دین میں رہے۔

آپ حضرت شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنیؒ سے بیعت تھے اور بہت ہی سچے عاشقوں میں سے تھے۔اس وجہ سے ان ہی کی طرف نسبت کر کے اپنے کو نشتر مدنی وحسینی کہا کرتے تھے۔اپنے شیخ کے بتلائے ہوئے اوراد ووظائف کے بڑے پابند تھے۔

شیخ الاسلام مولانا مدنی کے ساتھ آپ نے تحریک آزادی میں بھی حصہ لیا، کم عمری کے زمانہ میں زیادہ تر زیر زمین آزادی کی سرگرمیوں میں حصہ لیا کرتے تھے۔ڈاکٹر ذاکر حسین، سابق صدر جمہوریہ، فخرالدین علی احمد سابق صدر جمہوریہ ہند، نیتاجی سوبھاش چندر بوش، جنرل شاہ نواز اور کرنل محبوب وغیرہ کے ساتھ آپ نے پورے ملک کا سیاسی دورہ کیا تھا۔

---

(۳۷) تذکرہ علمائے بہار جلد دوم ص ۹۸

آپ انگریزی فیشن اور انگریزی شہرت کے بڑے مخالف تھے۔ٹائی اور کالر کو بیت ناپسند کرتے۔بہت سے لوگوں کے کالر آپ نے کاٹ ڈالے تھے۔انگریزوں کو آپ بہت برا بھلا کہتے تھے۔

''بھارت کو برباد کیا ان گوری چمڑی والوں نے''

یہ نظم برابر پڑھا کرتے تھے۔تقریروں میں ان کا نعرہ ہوا کرتا تھا،''نبی کی سنت زندہ باد، انگریزی فیشن مردہ باد''ایک صاحب ان کی جرأت مندی پر تبصرہ کرتے ہوئے کہا''اگر ان جیسے چند آدمی پیدا ہو جائیں تو بہت حد تک معاشرہ کی برائیاں دور ہو جائیں''

آپ ایک زمین دار گھرانے سے تعلق رکھتے تھے لیکن ان کی اپنی زندگی بالکل مفلسانہ،صوفیانہ اور درویشانہ تھی۔کبھی کبھی نہایت عسرت کے ساتھ زندگی بسر ہوتی تھی،ایک بندۂ آزاد کی طرح ملازمت اور فکر فردا سے بے پرواہ تھے۔خلوص کے ساتھ دین اور مخلوق خدا کی خدمت کرتے تھے،طبیعت میں خودداری بہت زیادہ تھی۔جلسوں میں گھنٹوں مثنوی مولانا روم جھوم جھوم کر پڑھتے تھے۔

۶ر جمادی الآخر ۱۴۱۹ھ مطابق ۲۸ر ستمبر ۱۹۹۸ء بروز سموار رات بارہ بجے کے بعد آپ کا انتقال ہوگیا۔(۳۸)

(۳۹) مولانا سید شاہ عون احمد قادری پھلواروی

مولانا سید شاہ عون احمد قادری اپنے وطن پھلواری شریف میں ۱۳۴۰ھ میں پیدا ہوئے۔ابتدائی تعلیم اپنے والد ماجد حضرت مولانا شاہ سید نظام الدین سے حاصل کی۔پھر اعظم گڑھ اس کے بعد فرنگی محلی لکھنؤ کا سفر کیا۔یہاں مولانا عتیق صاحب سے کسب فیض کیا۔پھر وہاں سے دار العلوم معینیہ اجمیر شریف راجستھان میں تقریباً چار سال تعلیم حاصل کی۔اسی مدرسہ سے ۱۳۶۲ھ میں فارغ التحصیل ہوئے۔اس زمانہ میں آزادی کی تحریک زوروں پر تھی۔خانقاہ مجیبیہ کے بزرگان ملک کے آزادی میں حصہ لے رہے تھے۔انہوں نے بھی تحریک آزادی میں حصہ لیا۔جمعیۃ علماء ہند سے وابستہ رہے۔اور جمعیۃ علماء کے نظریہ کو لوگوں کے درمیان عام کرتے رہے۔تقسیم ہند کے مخالف تھے۔تقسیم سے ہونے والے خوفناک نتائج کے موقع پر جمعیۃ علماء کے ذریعہ جاری پروگرام کو پھیلانے میں حصہ لیا۔یہی وجہ ہے کہ عوام وخواص کے درمیان مقبول رہے۔امارت شرعیہ پھلواری شریف سے بھی منسلک رہے۔اور امارت کے کام کو آگے بڑھایا۔

---

(۳۸) تذکرہ علمائے بہار جلد دوم ص ۱۷۱

مولانا شاہ عون احمد قادری اپنے زمانہ کے جید عالم تھے۔اپنی اصابت رائے کی وجہ سے مقبول تھے۔اخیر وقت تک جمعیۃ علماء بہار کی نگرانی کرتے رہے۔اور اس پلیٹ فارم سے بہار کے عوام کی سیاسی رہنمائی کرتے رہے۔

بیعت واجازت اپنے چچا امیر شریعت ثانی حضرت مولانا سید شاہ محی الدین قادریؒ سے حاصل تھی۔مولانا قاضی نور الحسن پھلواروی کی علالت کے زمانہ سے امور قضا انجام دینے لگے پھر ان کی رحلت کے بعد ۵ر رمضان المبارک ۱۳۷۵ھ کو امیر شریعت ثالث حضرت مولانا شاہ سید قمر الدین قادریؒ کے فرمان کے ذریعہ باضابطہ امارت شرعیہ پھلواری شریف پٹنہ کے مرکزی عہدہ قضاء پر مامور ہوئے اور ایک عرصہ تک اس پر فائز رہے اس کے بعد گھر پر قیام پذیر ہو گئے۔خانقاہ مجیبیہ پھلواری شریف پٹنہ کے گدی نشیں تھے۔۱۴۱۸ھ/۱۹۹۸ء میں وفات پائی۔اور خانقاہ مجیبیہ پھلواری شریف پٹنہ میں مدفون ہوئے۔(۳۹)

(۴۰) مولانا مفتی ظفیر الدین دربھنگوی

مولانا مفتی ظفیر الدین کے والد کا نام منشی شمس الدین ہے۔۷ر مارچ ۱۹۲۶ء کو پورہ نوڈیہہ ضلع دربھنگہ میں پیدا ہوئے۔ابتدائی تعلیم مدرسہ محمودیہ راج پور نیپال میں حاصل کی۔پھر مدرسہ وارث العلوم چھپرہ اور اس کے بعد مدرسہ مفتاح العلوم مئو یوپی میں تعلیم مکمل کی۔فراغت کے بعد دار العلوم دیوبند میں مفتی کی حیثیت سے خدمات انجام دیئے۔

مولانا نے زمانہ طالب علمی ہی سے تحریک آزادی میں حصہ لینا شروع کیا۔۱۹ر اگست ۱۹۴۲ء کو بمبئی کانگریس ورکنگ کمیٹی نے انگریزی حکومت کے خلافت تجویز منظور کی۔اور ۱۰ر اگست ۱۹۴۳ء سے پورے ملک میں حکومت کے خلاف طلباء نے سخت ایجی ٹیشن شروع کر دیا۔مدرسہ مفتاح العلوم مئو کے طلبہ نے بھی حصہ لیا۔ان میں مولانا پیش پیش تھے۔جلوس نکالا،اعظم گڈھ،بنارس،بلیا اور بھٹنی چاروں لائنوں کے ٹیلیفون کے تار کٹوانے میں،میونسپل بورڈ کی عمارت میں آگ لگوانے اور اسٹیشن میں توڑ پھوڑ کرنے والے جلوس کی قیادت کر رہے تھے۔مولانا کے نام گرفتاری وارنٹ جاری ہوگیا۔جس کی وجہ سے ایک سال گمنام زندگی گذارنی پڑی۔(۴۰)

ان کی وفات ۲۰۱۱ء میں ہوئی۔

---

(۳۹) تذکرہ علمائے بہار جلد دوم ص ۱۷۲ (۴۰) حیات ظفیر سے ماخوذ

(۴۱) مولانا حبیب اللہ گیاوی

مولانا سید حبیب اللہ ۱۹۰۴ء میں موضع نظام پور گیا میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم گھر پر حاصل کی۔ کچھ بڑے ہوئے تو والد نے آپ کا داخلہ مدرسہ شمس الہدیٰ پٹنہ میں کرادیا۔ فاضل کے امتحان میں اول آئے۔ تعلیم سے فراغت کے بعد مولانا آزاد کے قائم کردہ مدرسہ، مدرسہ اسلامیہ رانچی میں مدرس کی حیثیت سے کام کرنے لگے۔ اس زمانہ میں آزادی کی تحریک زوروں پر تھی۔ جمعیۃ علماء اور کانگریس کا زور تھا۔ علماء عام طور پر جمعیۃ علماء کی تحریک میں شامل ہو کر تحریک آزادی میں حصہ لے رہے تھے۔ انہوں نے بھی جمعیۃ علماء ہند اور کانگریس کی رکنیت اختیار کرلی۔ اور آزادی کی جنگ میں حصہ لیا۔ اس علاقہ میں تحریک آزادی میں حصہ لینے کے لئے لوگوں کو برانگیختہ کرتے رہے۔ جمعیۃ علماء اور کانگریس کے رکن ہونے کی وجہ سے لوگوں کا آپ پر اعتماد اور بھروسہ بھی تھا۔ جس کی وجہ سے لوگ تحریک آزادی میں حصہ لینے کے لئے سرگرم رہتے تھے۔ (۴۱)

(۴۲) مولانا محمد عبدالحمید بھاگلپوری

مولانا محمد عبدالحمید بن شیخ الفت حسین ساکن موضع کوروڈیہہ، تھانہ لودی پور، ضلع بھاگلپور کی پیدائش ۱۹۱۶ء میں ہوئی۔ ابتدائی تعلیم گھر پر ہوئی۔ پھر مدرسہ محمودیہ سمریا ضلع بھاگلپور میں تعلیم حاصل کر کے مدرسہ عزیزیہ بہار شریف سے فراغت حاصل کی۔

مولانا محمد عبدالحمید نے تحریک آزادی میں خوب حصہ لیا۔ ۱۹۳۶ء میں حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی سے تعلق ہوا۔ اور پھر ۱۹۳۶ء میں حضرت مولانا عبدالوحید مدنی اسیر مالٹا کے ساتھ سیاست میں حصہ لینا شروع کردیا۔ اور ۱۹۳۶ء سے حضرت شیخ مدنی کے ساتھ رہے۔ اور ان کے ساتھ تحریک آزادی میں حصہ لیتے رہے۔ جمعیۃ علماء کے سرگرم رکن رہے۔ جمعیۃ علماء کے سہارنپور کے تاریخی اجلاس میں شریک رہے۔ جب ۱۹۴۵ء میں لیگ اور کانگریس کے درمیان آخری انتخابی الیکشن ہوا۔ اس اثنا میں حضرت مدنیؒ کے ساتھ ہر جگہ رہے۔ اور جم کر تحریک آزادی میں حصہ لیا۔ (۴۲)

(۴۱) رفیق علمائے بہار نمبر ص ۱۴۹ (۴۲) معلومات بذریعہ مولانا

(۴۳) مولانا نورالدین بہاری

مولانا نورالدین بہاری ۱۸۹۷ء میں اورنگ آباد ضلع گیا میں پیدا ہوئے۔ جہاں آپ کے والد ماجد ہائی اسکول میں مدرس تھے۔ اصل وطن مہوتی تھانہ استھانواں ضلع پٹنہ ہے، جو دسنہ اور گیلانی کے قریب ہے۔

آپ نے مدرسہ اسلامیہ اورنگ آباد میں ابتدائی تعلیم حاصل کی۔ مدرسہ جامع العلوم کانپور میں بھی تعلیم حاصل کی۔ حضرت مولانا عبدالوہاب فاضل بہاریؒ سے منطق کی بعض کتابیں پڑھیں۔ پھر مینڈھو کے مدرسہ میں حضرت مولانا ماجد علی سے کئی سال تک تعلیم حاصل کی۔ اس کے بعد دارالعلوم دیوبند میں داخل ہوئے اور وہیں سے ۱۹۱۸ء میں فارغ ہوئے۔

فراغت کے بعد مدرسہ اسلامیہ اورنگ آباد میں مدرس مقرر ہوئے۔ ۱۹۲۱ء میں تحریک ترک موالات میں استعفاء دے دیا کیونکہ یہ مدرسہ نیم سرکاری تھا۔ پھر کئی سال تک امارت شرعیہ میں رہے۔ حضرت مولانا ابوالمحاسن محمد سجادؒ سے بہت متاثر تھے۔ امارت کی تعمیر وترقی میں حصہ لیا۔ اس کے بعد دہلی تشریف لے گئے اور جمعیۃ علماء ہند سے منسلک رہ کر آزادی وطن کے لئے کام کرتے رہے۔ اور اسی قیام دہلی میں چار مرتبہ جیل گئے اور ہر مرتبہ دو سال سے چار سال تک جیل میں رہے۔

صوبائی کانگریس کمیٹی کے بہت دنوں تک صدر رہے۔ آل انڈیا کانگریس کمیٹی کے بہت دنوں تک ممبر رہے۔ جمعیۃ علماء ہند کے کئی سال تک ناظم رہے۔ اور اس کی مجلس عاملہ کے رکن بھی رہے۔

مولانا نورالدین بہاری جب سے دہلی گئے تھے، اپنے ضرورت کے لئے تجارت کرتے رہے۔ بھوپال میں زراعت بھی کرتے تھے اور ہر ہفتہ شہر بھوپال میں تفسیر بیان کرتے تھے، جس میں بڑا مجمع رہتا تھا۔

مولانا نورالدین بہاری اپنے حسن تقریر، علم اور فہم وفراست کے لحاظ سے بلند درجہ رکھتے تھے۔ سیاسی سوجھ بوجھ میں ان کو خاص امتیاز حاصل تھا۔ دلیری، بے خوفی اور بلند ہمتی میں ان کا ایک مقام تھا۔ (۴۳)

(۴۳) ٹوٹے ہوئے تارے ص: ۱۲۳ تحریک آزادی میں مسلم علماء اور عوام کا کردار ص ۲۱۹

حصہ سوم
حاصل مطالعہ

سولہواں باب

حاصل مطالعہ

آپ نے کتاب کا مطالعہ کیا۔اس کے دو تین حصے ہیں۔حصہ اول، حصہ دوم اور حصہ سوم۔حصہ اول ہندوستان میں علماء کی تحریک آزادی، حصہ دوم بہار میں علماء کی تحریک آزادی اور حصہ سوم حاصل مطالعہ پر مشتمل ہے۔

حصہ اول کے مطالعہ سے یہ حقیقت واضح ہوئی کہ اورنگزیب عالمگیر کی وفات کے بعد مغلیہ سلطنت میں اضمحلال آنا شروع ہوا۔اور حالات روز بروز بدتر ہوتے رہے۔تو علماء نے اصلاح کی کوشش شروع کی۔ان کا مقصد ملک کی خوشحالی، امن وامان، سکون واطمینان، ظلم وزیادتی کی بیخ کنی اور خلق خدا کی فلاح وبہبودی تھا۔ان کو اس سے کوئی دلچسپی نہیں تھی کہ حکومت مسلمان کی ہو یا غیر مسلم کی۔وہ صرف یہ چاہتے تھے کہ جس کی بھی حکومت ہو، انصاف کرے۔خدا کے بندے کو کوئی دکھ نہ پہنچائے۔حضرت شاہ عبدالعزیزؒ نے جو فتویٰ صادر کیا، اس کے مطالعہ سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ انہوں نے انگریزوں کے خلاف جو ظلم وستم کی شکایت کی ہے، اس میں مسلمانوں کے ساتھ ہندوؤں کا بھی ذکر کیا ہے کہ دونوں دہلی اور اس کے گرد ونواح میں امن کا پروانہ لئے بغیر نہیں آسکتے۔اس سے صاف ظاہر ہے کہ حضرت شاہ عبدالعزیز دہلویؒ انگریزوں کے ظلم سے صرف مسلمانوں کو نہیں بلکہ ہندوؤں کو بھی نجات دلانا چاہتے تھے۔چنانچہ انہوں نے انگریزوں کے خلاف فتویٰ صادر کیا۔اور حضرت مولانا سید عبدالحئی نے اس کی تائید کی، تو ہر صوبہ میں علماء کرام کی جانب سے فتوے صادر ہونے لگے۔چونکہ خانوادہ ولی اللہی کا ملک پر پورا اثر تھا۔پورے ملک کے لوگ اس خانوادہ کو عزت واحترام کے نگاہ سے دیکھتے تھے۔اس لئے دیگر علماء کے مقابلہ میں ان کے فتویٰ کو خاص اہمیت حاصل رہی۔حضرت شاہ عبدالعزیزؒ نے انگریزوں کے

خلاف صرف فتوی ہی صادر نہیں کیا، بلکہ علماء ومتبعین کی ایک جماعت کوانگریزوں کے خلاف محاذ آرائی کے لئے تیار کیا۔ان کی تربیت کی اور میدان جنگ میں اتارا۔اس طرح ان کے تربیت یافتہ حضرت سید احمد شہید اوران کے رفقاء انگریزوں کے خلاف میدان جنگ میں اترے اور پورے ملک میں انگریزوں کے خلاف محاذ آرائی کر کے فضا کو آزادی ہند کے موافق بنادیا۔ان کا مقصد انگریزوں کو بھگا کر ظلم اور فتنہ سے اس ملک کو پاک وصاف کرنا تھا، تاکہ مسلمان اور دوسرے مذاہب کے لوگ عزت اور خودداری کی زندگی بسر کرنے کے قابل ہوسکیں۔

سید صاحب کا اصل مقصد ہندوستان سے انگریزی تسلط اور اقتدار کو ختم کرنا تھا، جس کی وجہ سے ہندو اور مسلمان دونوں ہی پریشان تھے۔اسی وجہ سے انہوں نے اپنی تحریک میں ہندوؤں کو بھی شریک ہونے کی دعوت دی۔اور انہیں صاف صاف بتادیا کہ ان کا مقصد ملک سے پردیسی لوگوں کے اقتدار کو ختم کرنا ہے۔اس کے بعد حکومت کس کی ہوگی، اس سے ان کو کوئی غرض نہیں ہے۔انہوں نے راجہ ہندوراؤ کو خط لکھا کہ جناب کو خوب معلوم ہے کہ پردیسی سمندر پار کے رہنے والے دنیا جہاں کے تاجدار، اور یہ سودہ بیچنے والے تاجر سلطنت کے مالک بن گئے ہیں۔بڑے بڑے امیروں کی امارت اور بڑے بڑے اہل حکومت کی حکومت اوران کی عزت کو خاک میں ملادیا ہے۔جو حکومت وسیاست کے مرد میداں تھے وہ ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھے ہیں۔اس لئے مجبوراً چند غریب وبے سروسامان کمر ہمت باندھ کر کھڑے ہوگئے۔یہ اللہ کے بندے ہرگز دنیادار اور جاہ طلب نہیں ہیں۔مال ودولت کی ان کو ذرہ برابر طمع نہیں۔جس وقت ہندوستان ان غیر ملکی دشمنوں سے خالی ہوجائیگا اور ہماری کوششوں کا تیر مراد کے نشانوں تک پہنچ جائے گا۔حکومت کے عہدے اور منصب ان لوگوں کو ملیں گے، جن کو ان کی طلب ہوگی۔اوران ملکی حکام واہل ریاست کی شوکت وقوت کی بنیاد مستحکم ہوگی۔

انہوں نے غلام حیدر خاں کو بھی لکھا کہ ایسی صورت میں مناسب یہی معلوم ہوتا ہے کہ آپ سردار والاقدر راجہ ہندوراؤ کو یہ مضمون ذہن نشین کریں کہ ملک ہندوستان کا بڑا حصہ غیر ملکیوں کے قبضہ میں چلا گیا اور انہوں نے ہر جگہ ظلم وزیادتی پر کمر باندھی ہے۔ہندوستان کے حاکموں کی حکومت برباد ہوگئی، کسی کو ان کے مقابلہ کی تاب نہیں، بلکہ ہر ایک ان کو اپنا آقا سمجھنے لگا ہے۔چونکہ بڑے بڑے اہل حکومت ان کا مقابلہ کرنے کا خیال ترک کر کے بیٹھ گئے ہیں۔اس لئے چند کمزور وبے حقیقت اشخاص نے اس کام کا بیڑا اٹھایا۔اس صورت میں ان

بڑے سرداران کے لئے مناسب یہی ہے جو سالہا سال سے اپنے مسند ریاست پر متمکن چلے آرہے ہیں، وہ اس وقت ان کمزوروں کی ہر طرح امداد کریں اوراس بات کو اپنی حکومت کے استحکام کا باعث سمجھیں۔

سید صاحب اوران کے رفقاء حضرت مولانا سید عبدالحئی، مولانا شاہ اسمٰعیل شہید، علمائے صادقپور مولانا ولایت علی صادقپوری وغیرہ، مولانا امیرالدین مالدھی، مولانا سید نصیرالدین دہلوی وغیرہ نے جو کام کئے، ان سے ۱۸۵۷ء کی تحریک آزادی کے لئے راستہ ہموار ہوا۔اور علمائے کرام نے ۱۸۵۷ء کی تحریک آزادی میں حصہ لیا۔۱۸۵۷ء کی تحریک آزادی میں حضرت حاجی امداداللہ مہاجر مکی کی قیادت میں مولانا قاسم نانوتوی، مولانا رشید احمد گنگوہی، مولانا منیر نانوتوی وغیرہ علمائے کرام نے باضابطہ انگریزوں کے خلاف جنگ کی۔گرچہ اس میں وہ کامیاب نہیں ہوسکے۔۱۸۵۷ء کی تحریک آزادی میں ناکامی کے بعد علمائے کرام نے انگریزوں سے مقابلہ کرنے کے لئے مزید پرجوش علماء پیدا کرنے کے لئے مدارس ومکاتب کے قیام کا پروگرام بنایا۔چنانچہ ۱۸۶۶ء میں قصبہ دیوبند میں دارالعلوم کو قائم کیا۔جس کا مقصد دین کی حفاظت، مسلمانوں میں دینی پختگی کے ساتھ اس ملک سے انگریزوں کی حکومت کو ختم کرنا تھا۔دارالعلوم دیوبند کے بعد ملک میں ہزاروں مدارس قائم ہوئے۔اس سے پیدا ہونے والے علماء دین کے محافظ اور تحریک آزادی کے لئے جانباز سپاہی تھے۔انہوں نے اپنی تقریر اور تحریر کے ذریعہ ملک کے فضا کو گرمادیا۔اور ہر طرف آزادی کی لہر دوڑنے لگی۔انہوں نے تحریک مجاہدین، دارالعلوم دیوبند، ریشمی رومال تحریک، ثمرۃ التربیت، جمعیۃ الانصار، خلافت کمیٹی، جنوداللہ، جمعیۃ علماء ہند وغیرہ جیسی تنظیمیں قائم کیں۔ان تنظیموں نے اپنے اپنے انداز پر ہندوستان کی تحریک آزادی میں حصہ لیا۔خاص طور پر حضرت شیخ الہند کی قیادت میں جمعیۃ علماء ہند نے ملک کی تحریک آزادی میں سرگرم حصہ لیا اور برادران وطن سے مل کر تحریک آزادی کی لڑائی لڑنے پر زور دیا۔چنانچہ علمائے کرام نے ہندو، مسلم، سکھ اور عیسائی سبھوں کے ساتھ میل ومحبت قائم کیا۔اور سبھوں کے ساتھ مل کر تحریک آزادی کو آگے بڑھایا۔اس طرح ۱۸۵۷ء کے بعد علماء کی طویل فہرست ہے، جنھوں نے تحریک ازادی میں بھرپور حصہ لیا۔

حصہ دوم میں آپ نے بہار میں علماء کی تحریک آزادی کا مطالعہ کیا۔بہار میں آزادی کی تحریک اس وقت شروع ہوئی، جب حضرت سید احمد شہید نے بہار کا دورہ کیا۔اسی زمانہ میں بہار تحریک کا مرکز بنا۔تحریک مجاہدین کو

بہار کے علماء نے توانائی دی۔یہی نہیں بلکہ حضرت سید احمد شہید کے بعد اس تحریک کو زندہ رکھا،اور تمام مراکز کو مضبوط کیا۔بہار میں اس تحریک کے بانی علمائے صادقپور تھے۔انہوں نے اس تحریک کو زندہ رکھنے اور آگے بڑھانے میں اہم رول ادا کیا۔ملک کی آزادی کے لئے اور انگریزوں کو اس ملک سے بھگانے کے لیے اپنا سب کچھ قربان کر دیا۔آپ نے مطالعہ کیا کہ ۱۸۵۷ء کے بعد بھی انہوں نے انگریزوں کے خلاف تحریک کو جاری رکھا۔علمائے صادقپور میں مولانا ولایت علی صادقپوری،مولانا عنایت علی صادقپوری،مولانا احمد اللہ صادقپوری،مولانا عبداللہ صادقپوری،مولانا یحییٰ علی صادقپوری اور مولانا عبدالرحیم صادقپوری کے نام قابل ذکر ہیں۔ان حضرات کے بعد بہار میں مدارس کے قیام کا سلسلہ جاری ہوا۔اور ہزاروں علماء میدان میں آ گئے۔مختلف تنظیموں کا قیام عمل میں آیا۔ان میں سے تحریک مجاہدین ۱۸۵۷ء کے بعد،امارت شرعیہ،انجمن علمائے بہار، خلافت کمیٹی،جمعیۃ علماء ہند بہار،خلافت کمیٹی بہار اور مسلم انڈیپنڈنٹ پارٹی قابل ذکر ہیں۔ان تنظیموں کی وجہ سے بہار میں تحریک آزادی میں تیزی آئی اور پورا بہار آتش فشاں بن گیا۔۱۸۵۷ء سے ۱۹۴۷ء تک بہار کے علمائے مجاہدین آزادی کی ایک طویل فہرست ہے،ان میں سے چند کے حالات وخدمات کا مطالعہ آپ نے اس کتاب میں کیا،جن کا تذکرہ مولانا نذیر حسین محدث دہلوی سے شروع ہو کر مولانا نورالدین بہاریؒ پر ختم ہوتا ہے۔یہ صرف ایک جھلک ہے۔

اس کتاب کے مطالعہ سے یہ حقیقت بھی واضح ہوئی کہ علماء کا طبقہ حد درجہ حساس تھا اور ہے۔اس نے ہر زمانہ میں ظلم کے خلاف آواز بلند کیا۔ہندوستان پر جب کبھی باہری طاقت نے حملہ کیا،علمائے کرام نے اس کے خلاف آواز اٹھائی۔یہی نہیں،بلکہ اس کے مقابلہ میں سینہ سپر ہوئے۔

انگریزوں سے نفرت اور سامراج سے عداوت علماء کی نفسیات میں شامل ہے۔علماء کے اس عظیم اور روشن تاریخی کردار پر ان کی قربانیاں شاہد ہیں۔ علمائے کرام نے انگریزوں کے خلاف اس زمانہ میں آواز اٹھائی،ان کے خلاف تحریک شروع کی اور محاذ آرائی کی،جب نہ کسی میں آواز اٹھانے کی ہمت تھی اور نہ کوئی تنظیم وجود میں آئی تھی۔انگریزوں کی مخالفت میں سب سے پہلے علمائے کرام نے آواز اٹھائی اور ان کے خلاف تحریک شروع کی۔

کچھ مورخین نے علماء کی ابتدائی تحریک آزادی کو نظر انداز کرنے کی کوشش کی ہے،لیکن سیکولر مورخین کی تحریروں کو آپ نے پڑھا۔انہوں نے علماء کی ابتدائی تحریک کو تحریک آزادی کے لئے مشعل راہ قرار دیا ہے۔صحیح یہی ہے کہ جو بھی ایمانداری کے ساتھ ان تحریکوں کا جائزہ لے گا وہ اس حقیقت کا اقرار کرے گا کہ علمائے کرام کی تحریک ملک کو انگریزوں سے آزاد کرانے کے لئے تھی۔

اس کتاب میں تحریر کردہ حقائق سے یہ بات پایۂ ثبوت تک پہنچتی ہے کہ علمائے کرام کے کارنامے تحریک آزادی کے روشن باب ہیں۔ان کی تاریخ کے بغیر ہندوستان کی آزادی کی تحریک نامکمل ہے۔چنانچہ ۱۹۴۷ء کو ملک آزاد ہوا۔اور حضرت مولانا قاسم نانوتوی کی پیشین گوئی جو ۱۸۵۷ء میں محاذ شاملی کے بعد کی تھی،وہ پیشین گوئی سچ ہو کر سامنے آئی کہ ہمارے جسم غلام سہی،مگر ہماری روح کو آزاد رہنا چاہئے۔اس طرح ہم اگلے ۵۷ء سے پہلے غیر ملکی غلامی کا خاتمہ کر دیں گے۔

علمائے کرام کی تحریک بے لوث تھی۔انہوں نے ہندوستان کی آزادی کے لئے قربانی کسی صلہ کے لئے نہیں دی تھی۔چنانچہ جب ملک آزاد ہوا تو لوگ عہدوں کے بٹوارے میں لگ گئے۔وہیں علمائے کرام نے یہ کہہ کر اپنی بساط سمیٹ لیا کہ ہمارا مقصد صرف انگریزوں سے اس ملک کو آزاد کرانا تھا اور بس۔

ہندوستان کی تحریک آزادی میں علماء کی اکثریت نے شرکت کی۔وہ اس تحریک میں دوسروں سے زیادہ نمایاں رہے۔تحریک آزادی میں شرکت اور قربانی کے بعد جب ملک آزاد ہوا تو انہوں نے کسی صلہ کو بھی قبول نہیں کیا۔کبھی حکومت کی طرف سے اعزازات کی پیش کش ہوئی،تو انہوں نے اسے قبول کرنے سے یہ کہہ کر معذرت کر دی کہ یہ ہمارے اسلاف کے شیوہ کے خلاف ہے۔اس طرح انہوں نے اپنے عمل سے حضرت سید احمد شہیدؒ کی اس تحریر کو سچ ثابت کیا کہ یہ اللہ کے بندے ہرگز دنیادار اور جاہ طلب نہیں ہیں،مال و دولت کی ان کو ذرہ برابر طمع نہیں۔جس وقت ہندوستان ان غیر ملکی دشمنوں سے خالی ہو جائے گا۔اور ہماری کوششوں کا تیر مراد کے نشانوں تک پہنچ جائے گا،حکومت کے عہدے اور منصب ان کو ملیں گے جن کو ان کی طلب ہوگی۔

کتابیات

نمبر شمار	کتاب کا نام		مصنف
(۱)	علماء ہند کا شاندار ماضی جلد اول	:	مولانا سید محمد میاںؒ
(۲)	علماء ہند کا شاندار ماضی جلد دوم	:	مولانا سید محمد میاںؒ
(۳)	علماء ہند کا شاندار ماضی جلد سوم	:	مولانا سید محمد میاںؒ
(۴)	علماء ہند کا شاندار ماضی جلد چہارم	:	مولانا سید محمد میاںؒ
(۵)	ہمارے ہندوستانی مسلمان	:	ڈبلو ڈبلو ولیم ولسن ہنٹر ترجمہ ڈاکٹر صادق حسین
(۶)	ایسٹ انڈیا کمپنی اور باغی علماء	:	مولانا انتظام اللہ شہابی
(۷)	سرگذشت مجاہدین جلد اول	:	غلام رسول مہر
(۸)	سرگذشت مجاہدین جلد دوم	:	غلام رسول مہر
(۹)	سیرت سید احمد شہید	:	مولانا ابوالحسن علی ندوی
(۱۰)	مسلمانوں کے تنزل سے دنیا کو کیا نقصان پہنچا	:	مولانا سید ابوالحسن علی ندوی
(۱۱)	الدر المنثور	:	مولانا عبدالرحیم صادقپوری
(۱۲)	تذکرہ علمائے بہار جلد اول ودوم	:	ابوالکلام قاسمی شمسی
(۱۳)	حیات شیخ الہند	:	مولانا اصغر حسین
(۱۴)	شیخ الہند مولانا محمود حسن حیات اوعلمی کارنامے رکارنامے	:	ڈاکٹر اقبال حسین خاں

(۱۵)	علمائے حق	:	مولانا سید محمد میاں
(۱۶)	کابل میں سات سال	:	مولانا عبیداللہ سندھی
(۱۷)	فتاوی عزیزی	:	مولانا شاہ عبدالعزیز دہلوی
(۱۸)	نقش حیات اول ودوم	:	مولانا سید حسین احمد مدنی
(۱۹)	تحریک آزادی اور مسلمان	:	مولانا اسیر ادروی
(۲۰)	اسیران مالٹا	:	مولانا محمد سید میاں
(۲۱)	بہار کے مسلم مجاہدین آزادی	:	مفتی نسیم قاسمی
(۲۲)	جنگ آزادی کے مسلم مجاہدین	:	ضامن علی خاں
(۲۳)	تاریخ تحریک آزادی ہند	:	ڈاکٹر تاراچند ترجمہ قاضی محمد عدیل عباسی
(۲۴)	تاریخ اطبائے بہار	:	حکیم اسرار الحق
(۲۵)	بھارتیہ راشٹریہ آندولن اور مولانا ابوالکلام آزاد	:	ڈاکٹر اجے انوپم
(۲۶)	تحریک شیخ الہند ریشمی خطوط سازش کیس	:	مولانا سید محمد میاں
(۲۷)	جنگ آزادی میں بہار کے مسلمانوں کا حصہ	:	تقی رحیم
(۲۸)	عروج عہد انگلیشیہ	:	شمس العلماء ذکاء اللہ خاں
(۲۹)	سوانح مولانا محمد قاسم	:	مولانا محمد یعقوب
(۳۰)	سوانح قاسمی	:	مولانا مناظر احسن گیلانی
(۳۱)	شاہ ولی اللہ کی سیاسی تحریک	:	مولانا عبیداللہ سندھی
(۳۲)	فریڈم مومنٹ ان بہار	:	ڈاکٹر کے کے دتہ
(۳۳)	غدر کے چند علماء	:	مولانا انتظام اللہ شہابی
(۳۴)	تحریک آزادی میں علماء کا کردار	:	مولانا فیصل احمد ندوی بھٹکلی

(۳۵)	امام بخش صہبائی حیات وادبی خدمات	:	ڈاکٹر ذاکر حسین
(۳۶)	مشائخ علمائے دیوبند	:	مولانا حبیب الرحمٰن
(۳۷)	ریاست حیدرآباد کا جدوجہد آزادی میں حصہ	:	سید جواد زیدی
(۳۸)	تذکرۃ الرشید	:	مولانا محمد عاشق الٰہی میرٹھی
(۳۹)	حیات شبلی	:	علامہ سید سلیمان ندوی
(۴۰)	مدرسہ امدادیہ دربھنگہ تاریخ کے آئینے میں	:	عطاء الرحمن رضوی
(۴۱)	مشاہیر علمائے دیوبند	:	مفتی ظفیر الدین مفتاحی
(۴۲)	مولانا محمد سجاد حیات وخدمات	:	مولانا انیس الرحمن قاسمی
(۴۳)	تحریک آزادی	:	مولانا ابوالکلام آزاد
(۴۴)	تذکرہ بزم شمال	:	شاداں فاروقی
(۴۵)	حیات سلیمان	:	مولانا شاہ معین الدین ندوی
(۴۶)	تذکرہ مولانا محمد عثمان	:	مولانا محمد اویس عالم قاسمی

رسائل

(۱)	القاسم	:	دیوبند
(۲)	سووینئر	:	صادق پور، پٹنہ
(۳)	الجمعیۃ	:	دہلی
(۴)	الرحیم	:	دیوبند
(۵)	نقیب	:	پھلواری شریف، پٹنہ
(۶)	رفیق	:	پٹنہ
(۷)	الجمعیۃ جمعیۃ علماء نمبر		دہلی

TAHREEK-E-AZADI
MEIN
ULAMA-E-KERAM KA HISSAH

By : Maulana Abul Kalam Qasmi Shamsi

دیگر تصانیف

(۱)	القراءۃ الجدیدۃ المبادی ------------	مطبوعہ
(۲)	القراءۃ الجدیدۃ الجزء الاول ------------	مطبوعہ
(۳)	القراءۃ الجدیدۃ الجزء الثانی ------------	مطبوعہ
(۴)	القراءۃ الجدیدۃ الجزء الثالث ------------	مطبوعہ
(۵)	الترجمۃ العربیۃ ------------	مطبوعہ
(۶)	تسہیل النحو ------------	مطبوعہ
(۷)	تفسیر سورۂ فاتحہ ------------	مطبوعہ
(۸)	مکالمۂ سنت وبدعت ------------	مطبوعہ
(۹)	حضرت اویس قرنی ------------	مطبوعہ
(۱۰)	ہماری نمازیں ------------	مطبوعہ
(۱۱)	جدید اردو قواعد (حصہ دوم، سوم) ------------	مطبوعہ
(۱۲)	ہمارا دین (حصہ دوم) ------------	مطبوعہ
(۱۳)	چہل حدیث ------------	مطبوعہ
(۱۴)	تذکرۂ علمائے بہار جلد اول ------------	مطبوعہ
(۱۵)	تذکرۂ علمائے بہار جلد دوم ------------	مطبوعہ
(۱۶)	قدیم اردو زبان کی تاریخ ------------	مطبوعہ
(۱۷)	تین ہفتے امریکہ میں ------------	مطبوعہ
(۱۸)	مدرسہ اسلامیہ شمس الہدیٰ سے مولانا مظہر الحق عربی وفارسی یونیورسٹی تک ------------	مطبوعہ
(۱۹)	مشاہیر بہار کے خطوط جلد اول ------------	زیر طبع
(۲۰)	تذکرۂ علمائے بہار جلد سوم ------------	زیر ترتیب

Printed by
Sagar Graphics (Shamim Rabbani)
Sabzibagh Nar Lodge Patna-800 004
Mob:9234448199